فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

الحمد للہ والمنہ کہ ذخیرہ واقعات و نوازل شرعیہ و مجموعہ مسائل فقہیہ یعنی

جلد اول

از

فتاوی نظامیہ

از افادات جامع علوم معقول و منقول مولوی محمد رکن الدین صاحب مفتی صدر نظامیہ

باہتمام

CHECKED

مولانا ابو الدرجات مولوی حافظ محمد ولی الدین صاحب مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن

در عثمان پریس عبد الحی واقع حیدرآباد دکن بزیور طبع مزین گردید

اعلان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحابہ الطیبین الطاہرین۔ اما بعد بلدۂ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں محض بہ توجہ خاص و عنایات سرکار عالی متعالی صاحب الفضل والمعالی سلطان ابن السلطان نواب میر عثمان علیخان بہادر نظام الملک آصف جاہ سابع جی۔سی ایس۔آئی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ مدرسہ نظامیہ علوم دینیہ کا مرکز اور شہرۂ آفاق ہونیکی وجہ سے اہل غرض حسب ضرورت دینی سوالات بغرض استحصال جوابات مدرسہ موصوفہ کو ارسال کیا کرتے تھے طلبا و مدرسین مدرسہ کو تو تعلیم و تعلّم سے اتنی فرصت نہ تھی کہ اپنے مفوضہ کام کے علاوہ ادائی جوابات کی بھی خدمت پابندی سے ادا کریں اور چونکہ لوازمات مدرسہ سے فتوے نویسی بھی ایک ضروری امر تھا۔ اسلئے سیّد المشائخ والعلماء حضرت حافظ حاجی مولانا مولوی محمد انوار اللہ خاں بہادر معین المہام امور مذہبی سرکار عالی سرپرست مدرسہ موصوفہ نے بتاریخ غرۂ رمضان المبارک سنہ ۱۳۱۲ ہجری دار الافتاء افتتاح کرکے راقم کو مفتی مدرسہ مقرر فرما کر اس کام کی باقاعدہ بنیاد قائم کی خدا کے فضل سے جب کثیر التعداد مسائل دینیہ کا ذخیرہ جمع ہونے لگا تو حسب درخواست اعیان قوم حضرت قبلہ مدظلہ العالی کا ارشاد ہوا کہ جمع شدہ مسائل کو چھپوانے کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ تاکہ سائلین کے علاوہ جملہ مومنین بھی اس سے مستفید ہوں

اور مسائل فقہیہ کا کافی ذخیرہ اردو زبان میں فراہم ہو جائے حسب الارشاد مولانا
ممدوح ان مسائل دینیہ کا مجموعہ موسومہ بہ فتاوائے نظامیہ حصہ اول ناظرین
کے ملاحظہ میں پیش ہے اور حصہ دوم کے طبع کا انتظام جاری ہے انشاءاللہ
تا قیام دارالافتا و اسی طرح اسکے باقی حصص کے طبع کا سلسلہ بھی جاری رہیگا۔
پس اب ناظرین باتمکین سے التماس ہے کہ بمقتضائے بشریت اسمیں اگر کہیں
خطا واقع ہو تو بنظر عطا معاف فرمائیں اور مولف و جمیع معاونین کو دعائے خیر
سے یاد فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

محمد رکن الدین عفی عنہٗ مفتی مدرسۂ نظامیہ
حیدرآباد دکن

فہرست مضامین فتاویٰ نظامیہ حصہ اوّل

صفحہ	مضمون
	کتاب الطہارۃ
۱	خشکی کے مینڈک کا کوئیں میں گرنا
۲	بحالت ناپاکی اوراد و اشغال میں مشغول ہونا درست ہے۔
	کتاب الصلوٰۃ
۳	دو مسجدوں میں ایک امام کا نماز تراویح پڑھانا
۵	امامت مجذوم۔
۶	بے نمازی کسکو کہتے ہیں۔
۱۰	قرأت الفاظ بہ تبدیل مخارج۔
۱۲	امام کا غلط قرأت پڑھنا۔
۱۴	نماز عیدین اور جمعہ میں سجدۂ سہو۔
۱۵	امام اور مقتدی میں کدورت ہو تو نماز کا کیا حکم ہے۔
۱۷	نماز جمعہ ممالک کفار میں جائز ہے۔
۱۹	مسئلہ اذان صبی۔
۱۹	مسئلہ مسبوق۔
۲۱	صرف جماعت نماز تراویح کے شریک کا جماعت وتر میں شریک ہونا۔
۲۲	حنفی مقتدی کا شافعی امام کے پیچھے نماز وتر پڑھنا
″	نماز فجر میں حنفی کا شافعی امام کی اقتدا کرنا
۲۳	مسجد ضرار اور غیر مقلدین اور رافضی اقتدا وغیرہ
۲۶	سود خوار کی امامت اور اسکا مسجد میں انتظام کرنا درست نہیں۔
۲۷	سورتوں کا نماز میں مقدم و موخر پڑھنا۔
۲۸	مسجد کے متصل مسجد بنانا درست نہیں۔
۳۰	بلا اجازت متولی مسجد میں غیر شخص کا نماز پڑھانا
۳۲	اولویت امامت متقی و کراہت امامت فاسق
۳۴	بوقت ترویحہ صحابہ کا نام لینا درست ہے
۳۶	سوالات متعلقہ امامت مع اجوبہ
۴۱	ایک امام کا ایک مسجد میں خطبہ اور دوسری

کتاب الرضاع

کتاب الحج

کتاب الطلاق و باب العدۃ

باب الظہار

کتاب الاجارہ

کتاب الحظر والاباحۃ

کتاب الذبائح

کتاب البیوع

کتاب الوقف

کتاب الہبہ

کتاب الجہاد

نتیجۂ فکر وقاد و طبع نقاد عمدۃ الافاضل مولوی ابوالمعانی شیخ عبدالقادر صاحب رضا قیصری منشی فاضل مصحح مجلس اشاعۃ العلوم

چھپ چکے حکمہاے ربانی — کھل گئے عقدہاے ایمانی
فتوہاے نظامیہ دلکش — جنکا ہر لفظ لعل رمانی
ہے سخن کی وہ آب و تاب کہ دیکھ — صدقہ ہے گوہر بدخشانی
مولوی رکن دین صاحب کی — یہ تمامی ہے گوہر افشانی
آپ کی ذات ہے وہ بحر علوم — ہے فلاطون بھی غرق حیرانی
یہ مسلم ہے بینظیر ہیں آپ — اور تالیف بھی ہے لاثانی
اپنی خود آپ ہی نظیر ہیں آپ — علم اور فضل میں ہیں لاثانی
شمع علم و کمال سے جن کی — دہر ظلمت کدہ ہے نورانی
یون ہر اک مسئلہ ہی صاف لکھا — دودہ کا دودہ پانی کا پانی
فکر تاریخ جب ہوئی قیصر — آیا مضمون یہ بآسانی

ازروے جن ہے سن فصلی
فقہ میں ہے کتاب لاثانی۔
۱۳۲۳ ف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاستفتاء
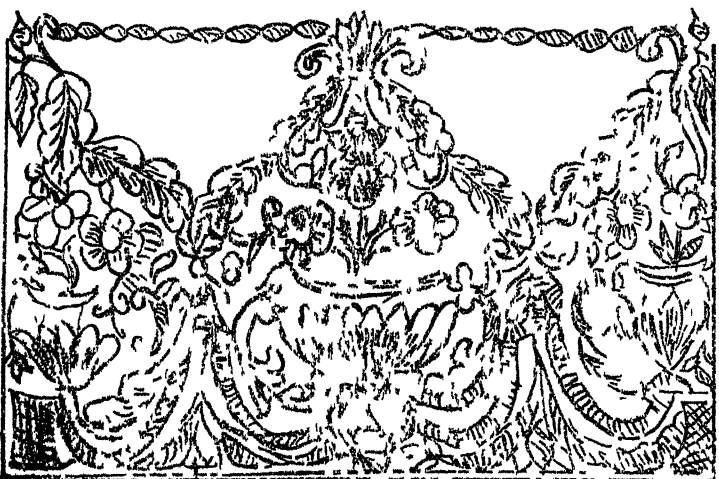
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بڑا مینڈک ایسے کوئیں میں گرا جو دہ در دہ نہیں ہے اور یہ مینڈک خشکی سے اندر گرا ہے جس سے پانی سڑ گیا اور بدبو ہو گئی پس ایسی حالت میں پورا پانی کوئیں سے نکالنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب

کوئیں میں کسی حیوان کے گر کر سڑنے اور پھولنے سے تمام پانی نجس ہو جاتا ہے جانور کے چھوٹے اور بڑے ہونیکا کوئی لحاظ نہیں ہے پس صورت مسئولہ میں کوئیں کا تمام پانی خالی کر دینا چاہیے بحر الرائق

جلد (۱) ص ۱۲۷ کتاب الطہارۃ میں ہے یموت ماء السیر

کلہ لاحل استفاح الحیوان الواقع فیھا او بعضہ مطلقا صغر الحیوان

او کبر کالفارۃ والآدمی) خشکی کا مینڈک مرنے سے بھی پانی نجس ہو جاتا ہے

جیسا کہ درمختار مطبوعہ بر حاشیہ ردمحتار مصری جلد (۱) ص ۱۲۹ کتاب

الطہارۃ میں ہے الا بری الدم سایل وھو ما لا سترۃ لہ بین اصابعہ

بصدق الاصح واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتیں حالت ناپاکی میں کلمہ

پڑھ سکتی ہیں اور بزرگان دین کے نام لے سکتی ہیں اور کوئی چیز نیاز نذر

یا تبرک بزرگان دین کا استعمال کر سکتی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

بحالت ناپاکی ذکر و وظائف میں مشغول ہونا-۱۱

الجواب

اذکار اور دعاؤں کو بحالت ناپاکی پڑھنا شرع میں ممنوع نہیں ہے

مگر شرط یہ ہے کہ پڑھنے کے وقت وضو کر لیا جائے بلا وضو پڑھنا مکروہ

تنزیہی ہے شرح وقایہ جلد (۱) ص ۱۳ کتاب الطہارۃ میں ہے

(وسائر الادعیۃ والاذکار لا بأس بھا) عالمگیریہ جلد (۱) ص ۳۸

میں ہے (ویجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الاذان ونحو ذلک

کذا فی السراجیۃ) اور درمختار مطبوعہ بر حاشیہ ردالمحتار جلد (۱) ص ۱۲۲ میں ہے

لا یکرہ المطالعہ) ای القرأت (لجنب وحائض ونفساء) لان الجنابۃ
لا تحل العین (ک) مالا یکرہ (ادعیہ) ای تحریما والا فالوضوء
لمطلق الذکر مندوب وترکہ خلاف الاولیٰ وھو مرجع کراھۃ
التنزیھیۃ بنا بریں صورت مسئولہ میں عورتوں کا بحالت نجاست وضو
کرکے ذکر کے طریقہ پر کلمہ یا دعا پڑھنا جائز ہے اور جب اللہ کا نام
برسبیل ذکر لینا شرعاً جائز ہے تو بزرگان دین کا نام لینے میں بھی کوئی
حرج نہیں اگر بلحاظ ادب وضو کرلیا جائے تو مناسب ہے۔
ف حالت نجاست میں ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھانا درست ہے فتاوائے
درالمختار مطبوعہ برحاشیہ ردالمختار جلد (۱) ص ۱۲۳ باب الغسل میں ہے
ولا ای لا یکرہ اکلہ وشربہ بعد غسل ید وفم بنا بریں ہاتھ منہ دھو
کر بلکہ بلحاظ احتیاط وادب وضو کرنے کے بعد اگر بزرگان دین کی نیاز کا
کھانا اور تبرک بھی کھایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتاب الصلوٰۃ

۱ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ہی امام کا دو مسجدوں میں

نماز تراویح پڑھانا جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

کتب معتبرہ مندرجہ ذیل کے حوالہ سے یہ ثابت ہے کہ امام کا دو مسجدوں میں تراویح پڑھانا ناجائز ہے کیونکہ دوسرے وقت کی نماز اسکے لئے نفل ہے اور سنت پڑھنے والا مقتدی بربناء عدم جواز اقتدائے قوی با ضعیف نفل والے کی اقتدا نہیں کرسکتا اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ میری مصر ص۱۱۶ میں ہے۔ امام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز کذا فی محیط السرخسی والفتویٰ علی ذلک کذا فی المضمرات (وفی فتاوی سراجیہ صفحہ ۳۰ باب التراویح) الامام یصلی التراویح فی المسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز بخلاف ما اذا اقتدیٰ بعیرہ فی المسجد الثانی) (وفی خزانہ الروایہ صفحہ ۴۳) وبروایۃ نصاب الفقہ ولو صلی الامام التراویح فی المسجد لایجوز لہ ان یفعل لان التراویح سنۃ وسائر السنن لاتتکرر لکمالیتھا فی الوقت الواحد فاذا فعل ذلک لایکون سنۃ والفتوی علی ذلک۔ مگر صاحب خزانۃ الروایۃ آخر میں جواز کی یہ صورت لکھتے ہیں کہ اگر امام دوسری تراویح پڑھانے کے وقت بیس (۲۰) رکعت تراویح مع ختم قرآن اپنے پر نذر کرلے

تو اس کے لئے دوبارہ امامت کی اجازت ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

لا الا ان سدر المحتم فی عمی المدر ما لتراویح بان یقول للہ علی ان اصلی التراویح مع الختم

نذر اسطرح کرنا چاہئے کہ میں اللہ کے لئے بیس رکعت نماز تراویح مع ختم قرآن بطور نذر اپنے پر واجب کرتا ہوں پس مصلیوں کو چاہیے کہ جب ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنے کی ضرورت دائمی ہو تو قبل نماز پڑھنے سنت کے اس سے روزانہ بیس۲۰ رکعت تراویح مع ختم کی نذر کرالیں پھر اس کے بعد اسکی اقتدا کی جائے یا ابتداء رمضان میں جتنے روز اوسکے پیچھے تراویح پڑھنا ہو تو ویسے اسطرح نذر کرالیجائے کہ میں اتنے دن تک علاوہ مسنون تراویح کے بیس۲۰ رکعت مع ختم کے نذر کرتا ہوں

الاستفتاء

(۱) امامت مجذوم زید کسی مسجد کا امام ہے اور اسے چند روز سے آثار مرض جذام ظاہر ہو گئے ہیں آیا ایسا شخص شرعاً قابل امامت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ایسے شخص کی امامت شرعاً مکروہ ہے کیونکہ اس قسم کے مرض والوں سے عموماً قوم کو نفرت ہوتی ہے اس لئے فقہا نے بربنائے کراہت قوم انکی امامت کو مکروہ قرار دیا ہے چنانچہ فتاوی شامی جلد اول ص ۳۹۵ میں ہے (قولہ ومفلوج وابرص شاع

برصه) وكذلك اعرج يؤم بقوم قدمه فيها لاقتداء بغيره اولى (تاتارخانيه) وكذا اجذم ابرجندى) ومجبوب وحاقن ومن له يد واحدة (فتاوى الصوفيه عن التحفه) والظاهر ان العلة النفرة) بلکہ فقہاء نے تو ایسے شخص کے امام ہونے کو جسکو قوم بوجہ کسی فساد کے مکروہ جانتی ہے اور باوجود نفرت پھر وہ قوم کی امامت کرتا ہے بربنائے حدیث ابو داؤد شریف (لا يقبل الله صلوة من تقدم قوما وهم له كارهون یعنی خدائے تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا مکروہ تحریمی تحریر کیا ہے چنانچہ فتاوے شامی کے جلد اول ص ۳۹۲ میں ہے (ولو ام قوما وهم له كارهون لفساد فيه اولانهم احق بالامامة كره) له ذلك تحريما لحديث ابي داؤد لا يقبل الله صلاة من تقدم قوما وهم له كارهون ۱۳

والله اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بے نمازی کس کو کہتے ہیں اور اگر کوئی شخص عمر بھر میں ایک نماز یا دو نماز پڑھے تو اسپر بے نمازی کا اطلاق ہوگا یا نہیں ہے بے نمازی کے معنی کوئی دوسرے بھی ہو سکتے ہیں یا کیا اور اسپر احکام کیا نافذ ہوں گے

بے نمازی کس کو کہتے ہیں

بینوا توجروا۔

الجواب

بے نمازی کو عربی زبان میں تارک الصلوٰۃ کہتے ہیں جو شخص ایک وقت کی نماز ترک کرتا ہے اسکو بھی ترک نماز کے اعتبار سے بے نمازی کہا جائے گا۔ اور جو عمر بھر نہیں پڑھتا وہ تو تمام عمر کا بے نمازی ہے بلکہ اس کو عربی میں مصر علی ترک الصلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ جسکے معنی بار بار نماز کو ترک او رترک پر اصرار کرنیوالا ہے یعنی جسطرح کہ ایکدفعہ چوری کرنیوالے اور ایک دفعہ شراب پینے والے اور زنا کرنیوالے کو محض سارق وشارب وزانی کہتے ہیں اور بارہا کرنیوالے کو سارق مصر وشارب مصر وزانی مصر کہتے ہیں۔ اسی طرح بے نمازی کا حال ہے بلکہ حضرت عمرؓ اور عبدالرحمن بن عوف ومعاذ بن جبلؓ وابی ہریرۃؓ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر ایک وقت کی نماز ترک کرے اور وقت گذرنے تک بیٹھا رہے وہ کافر مرتد ہے مشکوٰۃ شریف مطبوعہ نظامی دہلی ص ۹۴ کے حاشیہ پر ترغیب وترہیب امام منذری میں ہے

قال ابو محمد بن حزم وقد جاء عن عمر وعبدالرحمن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی ھریرۃ وغیرھم من الصحابہ رضی اللہ عنھم ان من ترک صلوٰۃ فرض واحدۃ متعمدا حتی یخرج وقتھا فھو کافر مرتد۔

ولا تصلوا علیہ لانا من الصحابۃ حیا لها وقال الحاوی لسید العظیم ذھب جماعۃ من الصحابۃ ومن بعدھم الی تکفیر من ترک الصلوۃ متعمدا لتر کہا حتی یخرج جمیع وقتہا منہم عمر بن الخطاب عبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عباس ومعاذ بن جبل وجابر بن عبداللہ وابو الدرداء رضی اللہ عنہم ومن غیر الصحابۃ احمد بن حنبل اسحاق بن راھویہ وعبداللہ بن مبارک والنخعی والحکم بن عتیبۃ وایوب السختیانی وابو داؤد الطیالسی وابو بکر بن ابی شیبۃ وزھیر بن حرب وغیرھم رحمہم اللہ تعالی۔

مگر شافعی وحنفی ومالکی وجمہور سلف وخلف کے پاس جان بوجھ کر سستی اور کاہلی سے نماز ترک کرنیوالا فاسق ہے۔ کافر نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو روایات کفر وارتداد کے متعلق مروی ہیں وہ زجر و توبیخ پر محمول ہیں۔ چنانچہ درالمختار مطبوعہ بر حاشیہ ردالمحتار جلد (۱) ص ۲۴۶ کتاب الصلوۃ میں ہے۔ وتارکہا عمدا مجانۃ ای تکاسلا فاسق نفع المفتی والسائل میں ہے و قد اختلف الصحابۃ والتابعون فی کفر من ترک الصلوۃ متعمدا وجزائہ الخ وعندنا لا یکفر ولا یقتل ویعزر تعزیرا بل الاحادیث الدالۃ علی کفر التارک محمولۃ علی الزجر والتوبیخ۔ نووی شرح مسلم جلد (۱) باب من ترک الصلوۃ متعمدا میں ہے

واما تارك الصلوة فان كان منكرا لوجوبها فهو كافر باجماع
المسلمين خارج عن ملة الاسلام الا ان يكون قريب عهد
بالاسلام او لم يخالط المسلمين مدة يبلغه فيها وجوب الصلوة
وان كان تركه تكاسلا مع اعتقاده وجوبها كما هو حال
كثير من الناس فقد اختلف العلماء فيه فذهب مالك والشافعي
والجماهير رحمهم الله من السلف والخلف الى انه لا يكفر بل يفسق ويستتاب
فان تاب والا قتلناه حدا كالزاني المحصن ولكنه يقتل
بالسيف وذهب جماعة من السلف الى انه يكفر وهو مروي
عن علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه وهو احدى الروايتين
عن احمد بن حنبل وبه قال عبد الله بن مبارك واسحاق بن
راهويه وهو وجه لبعض اصحاب الشافعي - ایسے شخص کے
متعلق شرعاً یہ حکم ہے کہ وہ قید کیا جائے تاکہ نماز کا پابند ہو جائے
چنانچہ در المختار کے اسی صفحہ میں ہے یحبس حتی یصلی لانه
یحبس لحق العبد فحق الحق احق - نووی شرح مسلم جلد (۱) میں لکھا ہے
وذهب ابو حنيفة وجماعة من اهل الكوفة والمزني
صاحب الشافعي انه لا يكفر ولا يقتل بل يعزر ويحبس حتى يصلي
اور بعض علماء ایسے شخص کو خون نکلنے تک مارنے کیلئے حکم دیتے ہیں

بلکہ امام شافعی صاحب تو ایک نماز کے اس طریقہ سے ترک کرنے پر بھی قتل کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ درمختار کے صفحہ ۲۴۶ میں ہے

وقیل یضرب حتی یسیل منہ الدم وعند الشافعی یقتل بصلوٰۃ واحدۃ حدا

او قیل کفرا اور جب کہ توبہ کرکے پچھلی نمازیں قضا کرلے اور آئندہ کے لئے پابند ہو جائے تو پھر اوس پر آئندہ سے بے نمازی کا اطلاق نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ شخص فاسق یعنی مرتکب گناہ کبیرہ ہے جس کی توبہ وتوفیق عند اللہ مقبول ہے۔ نفع المفتی والسائل مطبوعہ مصطفائی صفحہ ۲۴

وبالجملۃ من ترک الصلوٰۃ فقد اتی کبیرۃ عظیمۃ یعاقب علیہا عقابا شدیدا ان لم یتب فقد ورد ان اول ما یحاسب العبد یوم القیمۃ الصلوٰۃ انتہی

پس صورت مسئولہ میں عمر بھر میں ایک دفعہ یا دو دفعہ نماز پڑھنے والا بلکہ تمام عمر پڑھکر ایک دفعہ سستی سے نماز ترک کرنے والا یہ سب شرعاً بے نمازی ہیں اور اون پر حسب تفصیل سابق احکام نافذ ہونگے

واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء مسلمین ومفتیان دین متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص نماز میں ولا الضالین کی جگہ ولا الظالین یا ولا الذالین یا ولا الزالین یا ولا الدالین پڑھے یا انعمت کو انامت پڑھے یا صراط الذین کو

فتاوی ابن اللہ مکتبہ جامعہ نظامیہ

نواط الدین پڑھے بہرصورت کسی حرف کو دوسرے حرف کے ساتھ بدل کر پڑھے تو اسکی نماز جائز ہے یا باطل اگر جواز یا بطلان کی شکل مشروط ہے تو ان شرط کو با تفصیل صاف صاف بیان فرمائے اور مشروط نہیں ہے تو اس بھی آگاہ فرمائے۔ جواب اقوال مجتہدین یا حوالہ کتب معتبرہ متداولہ حنفیہ سے مدلل ہو۔

الجواب

درصورت صدق بیان مستفتی تبدیل حرف اگر اس طریقہ سے ہو کہ جس سے اس لفظ کے معنی بدل جائیں۔ اور ان دو حرفوں کے مخرج میں بدون دشواری فصل بھی ہوسکتا ہے جیسے طا وصاد میں تو ایسی صورت میں باوجود بآسانی فرق حاصل ہونے کے تغیر و تبدل کر دینے سے سب کے نزدیک نماز فاسد ہوجاتی ہے جیسا کہ فتاوائے عالمگیریہ مطبوعہ مصری جلد (۱) صفحہ ۷۹ میں ہے وان غیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقۃ کالطا مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوتہ عند الکل اور اگر ایسے حروف ہیں کہ جن کے مخارج وادائی میں دشواری سے تمیز ہوتی ہے جیسے۔ ظا۔ ضاد۔ سین۔ صاد۔ طا۔ تا۔ تو ایسی صورت میں اکثر فقہا کا قول ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی اور قاضی امام ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے

کہ اگر مصلی نے عمداً اس قسم کی تبدیل کی ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور اگر اتفاقاً اس کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا ہے یا اسکو مخارج کی تمیز ہی نہیں ہے تو ایسی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی یہی عمدہ قول اور مذہب مختار ہے جیسا کہ فتاوائے عالمگیریہ مصریہ جلد (۱) صفحہ ۹۰ میں لکھا ہے۔ وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ قال اکثرھم لا تفسد الصلوٰۃ ھکذا فی فتاوی قاضیخان وکثیر من المشائخ افتوا انه قال القاضی الامام ابو الحسن رح والقاضی الامام ابو عاصم ان تعمد فسدت وان جرے علے لسانه او کان لا یعرف التمیز لا تفسد وھو اعدل الاقاویل والمختار ھکذا فی الوجیز اللکردی اسی طرح شرح وہبانیہ صفحہ ۷۲ میں کہے ہے۔ ولو بدلت صاد بطاء تفسد ومن قال صحت فھو یعذر وقال القاضی ابو الحسن وابو العاصم ان تعمد فسدت وان جری علی لسانه او لم یعرف التمیز لا تفسد وھو اعدل الاقاویل والمختار واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قرأت قرآن میں اس طرح غلطی کرتا ہے کہ اسکی زبان سے ادائی مخرج کے وقت مثلاً

الضالین یا ولا الدالین یا ولا الدالین۔ ولا الزالین و انعمت کی جگہ امامت ادا ہوتا ہے آیا ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

شرعاً ایسے شخص کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ ادائی حروف میں کوشش کرے اور اپنے کو معذور نہ بنائے اگر بعض حروف ایسے ہیں کہ اس کی زبان سے نکل ہی نہیں سکتے تو اس کو چاہئے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایسی آیتیں پڑھا کرے کہ جنمیں وہ حروف نہیں ہیں اور سورۂ فاتحہ ہر حالت میں واجب ہے اور اگر اسکو ایسی آیتیں قرآن شریف میں نہیں ملتی ہیں۔ اس لئے وہ انہیں کو پڑھتا ہے تو ایسی حالت میں تمام فقہار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسکی نماز تو جائز ہے مگر امامت جائز نہیں اگر وہ ان آیتوں سے ملتے ہوئے ایسی آیتیں نماز میں پڑھتا ہے کہ جنمیں وہ حروف ہیں جو اسکی زبان سے صاف ادا نہیں ہوتے تو ایسی صورت میں بعض فقہار کا یہ قول ہے کہ اوسکی نماز جائز نہیں ہے اور یہی مذہب صحیح ہے

فتاوائے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ ۹۰ میں ہے۔ ومن لا یحسن بعض الحروف ینبغی ان یجھد و ولا یعذر فی ذلک فان کان لاینطلق لسانہ فی بعض الحروف ان لو یجد آیۃ لیس فیھا تلک الحروف تجوز صلاتہ

ولا یؤم غیرہ وان وجد آیہ لیس فیہا تلک الحروف فقرأھا جازت صلاتہ

عند الکل وان قرأ الآیۃ التی فیہا تلک الحروف قال بعضہم لا یجوز صلاتہ کذا فی فتاوٰی

قاضیخان ھو الصحیح کذا فی المحیط یہ اس شخص کا حال ہے جس کی زبان میں لثغہ

یعنے لکنت نہیں ہے بلکہ فطرۃً اسکی زبان ایسی سخت ہے جس سے بخوبی

ادائی مخارج دشوار ہے لیکن وہ شخص جس کی زبان میں لکنت ہے تو ایسے

شخص کا صاف زبان والوں کی امامت کرنا غیر صحیح اور فاسد ہے فتاوٰی

خیریہ جلد ۱ صفحہ ۱۰ میں مذکور ہے الراجح المفتی بہ عدم صحۃ امامۃ

الالثغ لغیرہ ممن لیس لہ لثغۃ ۔ شعر

امامۃ الالثغ بالفصیح فاسدۃ فی الراجح الفصیح

اگر لکنت بہت ہی خفیف اور تھوڑی سی ہے تو اس کے لئے شیخ الاسلام

ذکریا شافعی کا قول ہے کہ مؤثر نہیں ہے فتاوائے خیریہ جلد ۱

میں کہا ہے۔ قال شیخ الاسلام زکریا ولو کان لثغۃ

یسیرۃ بان یاتی الحروف غیر صاف لم یؤثر ومثلہ لابن حجر والرملی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

عیدین کی نماز میں اگر سجدۂ سہو لازم آجائے تو کیا سجدۂ سہو ادا

کرنا شرعاً ضروری ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

عید و جمعہ کی نماز میں اگر کوئی سہو ہو جائے تو شرعاً اس کے لئے سجدۂ سہو ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے فتاوائے عالمگیریہ جلد ا صفحہ ۱۲۰ میں لکھا ہے۔ السہو فی الجمعۃ والعیدین والمکتوبۃ والتطوع واحد الا ان مشایخنا قالوا لا یسجد للسہو فی العیدین والجمعۃ لئلا یقع الناس فی فتنۃ کذا فی المضمرات ناقلا عن المحیط و درمختار صفحہ ۱۱۶ میں مذکور ہے والسہو فی صلوۃ العید والجمعۃ والمکتوبۃ والتطوع سواء والمختار عند المتأخرین عدمہ فی الاولین لدفع الفتنۃ کما فی جمعۃ البحر واقرہ المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ جزم فی الدر واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

امام سے مقتدی ناراض ہو اور ہر دو کے دلوں میں کدورت ہو اور وہ کدورت مذہبی ہو پس ایسی صورت میں اوس امام کے پیچھے وہ مقتدی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ایسے اختلاف کی صورت میں اس مقتدی کی نماز اس امام کے پیچھے جائز ہو سکتی ہے یا نہیں۔

بینوا توجروا۔

الجواب

مقتدی جب کہ امام میں کسی واقعی فساد شرعی کے پائے جانے

کی وجہ سے اوس کی اقتدا سے ناراض ہوں تو ایسی حالت میں امام کی
نماز مکروہ تحریمی ہے فتاوائے درمختار مطبوعہ برحاشیہ رد المحتار جلد (۱) صفحہ ۳۹۲
میں مذکور ہے۔ ولو ام قوما وھو لہ کارھون ان الکراھۃ لفساد فیہ
او لانھم احق بالامامۃ کرہ لہ ذلک تحریما لحدیث ابی داؤد لا یقبل اللہ
صلاۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون۔ اور جو نماز کہ کراہت تحریمی سے
ادا کیجاتی ہے شرعاً اس کا اعادہ واجب ہے فتاوائے درمختار مطبوعہ
برحاشیہ رد المحتار جلد (۱) صفحہ ۳۲۰ میں ہے۔ وکذا کل صلاۃ
ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا پس صورت مسئولہ میں مقتدی کو چاہئے کہ
جمعہ و عید کے سوا جو نماز اس امام کے پیچھے پڑھا ہے اس کا اعادہ
کر لے اور جمعہ و عید میں بھی اگر اسکو یہ معلوم ہو جائے کہ امام و قوم
نے اس نماز کا اعادہ کر لیا ہے تو ایسی صورت میں اسپر بھی اعادہ
لازم ہے فتاوائے رد محتار شامی جلد (۱) صفحہ ۳۲۰ میں لکھا ہے
قولہ وکذا کل صلاۃ الخ الظاھر انہ یشمل نحو مدافعۃ الا
خبثین مما لم یوجب سجود السھو او النقص اذا دخل فی صلوۃ
الامام ولم یعیدو حبت الاعادۃ علی المقتدی ایضاوانہ یستثنی منہ الجمعۃ والعید
اذا ادیت مع کراھۃ التحریم الا اذا اعادھا الامام والقوم جمیعا فلیراجع اور اگر امام میں
کوئی واقعی اور شرعی نقص نہیں ہے اور امام امامت کے لئے مقتدیوں سے افضل

بھی ہے تو ایسی صورت میں شرعاً امام ہی امامت کا مستحق ہے اور جو
مقتدی اس سے ناراض ہیں اس کراہت اور ناراضی کا وبال
انہیں پر ہے امام پر اسکا کچھ بھی اثر نہیں کیونکہ اسوقت انکی ناراضی
حقانیت پر مبنی نہیں ہے اس لئے نفسانیت پر محمول کیجائیگی چنانچہ
درمختار کے اسی صفحہ میں ہے۔ (دان ھو احق لا) والکراھہ
علیھم واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

قصبہ کوپال پیٹھ ضلع محبوب نگر میں قدیم سے عیدگاہ موجود ہے
مگر کوئی قاضی یا حاکم شرع موجود نہیں ہے یہاں کے حاکم ہندو
ہیں سالہائے سال گذرے کہ مسلمانوں نے یہاں جمعہ قائم
کرلیا ہے اور تین سال سے اہل اسلام نے یہاں ایک جامع
مسجد پختہ بنالی ہے پس ایسی حالت میں جب کہ جمعہ کا قیام اور مسجد
ومنبر کی تعمیر کسی حاکم شرع کے اذن سے نہیں ہے اور نہ یہاں کوئی
خطیب و موذن مقرر ہے نماز جمعہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

جن بلاد کے والی کفار ہیں وہاں مسلمانوں کو جمعہ قائم کرنیکی
اجازت ہے اور قاضی کے متعلق شرعاً یہ حکم ہے کہ مسلمان اپنی رضامندی سے

کسی متقی کو قاضی مقرر کرلیں جو کہ انکے جملہ امور دین کی اقامت کا والی ہوفتاوائے عالمگیریہ مصری جلد ۱ صفحہ ۱۴۹ میں ہے۔ بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین و یجب علیہم ان یلتمسو والیا مسلما کذا فی معراج الدرایہ اور مجموع الفتاوائے مولانا عبدالحی مرحوم کے صفحہ ۲۶ میں ردالمحتار سے منقول ہے لو مات الوالی اولم یحضر لفتنۃ اولم یوجد احد ممن لہ حق التقدم فی اقامۃ للجمعۃ نصب العامۃ لہم خطیبا مع اسلام ثمہ ولا قاضی اور اسی میں مجمع الفتاوی سے منقول ہے غلب علی المسلمین ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ والاعیاد فتاوائے ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۶۴۴ میں ہے فی معراج الدرایۃ عن المبسوط البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانہم لم یظہروا فیہا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونہم عن ضرورۃ او بدونہا وکل مصر فیہ وال من جہتہم یجوز لہ اقامۃ الجمع والاعیاد والحد وتقلید القضاۃ لاستیلاء المسلم علیہم فلو الولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیہم ان یلتمسوا والیا مسلما۔ بنابریں قصبہ گوبال بیٹھ کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ کسی متقی و ذی علم شخص کو اپنا قاضی و خطیب مقرر کرکے جمعہ و عید کی نماز اسکی اقتداء سے قائم کریں اور تمام احکام شرعیہ کے اجراء میں اسی کیطرف

مسئلہ اذان صبی

بتبدیل کیا کریں واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صبی لایعقل کی اذان جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو اسکا اعادہ کرنا ہے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صبی لایعقل کی اذان جائز نہیں ہے اور اوس کا اعادہ لازم ہے فتاوائے عالمگیریہ جلد ۱ صفحہ ۵۴ میں ہے۔ واذان الصبی الذی لایعقل لایجوز ویعاد وکذا المجنون ھکذا فی النہایۃ واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ مسبوق

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز عشاء کی دوسری رکعت میں ایک مصلی شریک جماعت ہوا جب امام دوسری اور چوتھی رکعت میں بیٹھے گا تو اس نئے شخص کو اوس وقت بیٹھکر کیا پڑھنا چاہئے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت جو اوسکی رہ گئی تھی اوس کو کس طرح ادا کرنا چاہئے یعنے سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورۃ ملانی چاہئے یا نہیں؟۔

الجواب

ایسی شخص پر امام کے قعدہ اولی کیوقت قعود واجب ہے اور اسوقت اسکو تین قعود کرنا ہوگا جنمیں اخیر فرض اور پہلے دو واجب ہیں بحر الرائق جلد (۱) صفحہ ۳۱۸ میں ہے۔ فان المسبوق بثلاث من الرباعیہ یقعد ثلاث قعدات کل من الاولی والثانیۃ واجب والثالثۃ هی الاخیرۃ وهی فرض اور چونکہ ہر ہر قاعدہ میں تشہد واجب کیا گیا ہے اس لئے اسپر ہر ایک قاعدہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے بحر الرائق کے اسی صفحہ میں ہے کل تشهد یکون فی الصلاۃ فهو واجب سواء کان اثنین او اکثر کما علمتہ فی القعود اور قاعدہ اخیر میں اتباعاً للامام صرف تشہد پڑہنا کافی ہے درود و دعا کی ضرورت نہیں فتاوی عالمگیری مصری جلد ۱ صفحہ ۹۱ میں ہے۔ ان المسبوق ببعض الرکعات یتابع للامام فی التشهد الاخیر واذا تشهد لایشتغل بما بعدہ من الدعوات۔ اور تشہد کو بھی آہستہ آہستہ دراز پڑہنا چاہیے کہ امام کے سلام تک پہنچ جائے چنانچہ اسی مقام میں ہے ثم ماذا یفعل تکلموا فیه والصحیح ان المسبوق یترسل فی التشهد حتی یفرغ عند سلام الامام کذا فی الوجیز للکردری وفتاوی قاضی خان وهکذا فی الخلاصۃ

وفتح القدیر۔ باقی رکعتوں میں قرأۃ کا یہ حکم ہے کہ بعد فراغ امام جب
وہ قضا کرنے کے لئے کھڑا ہو تو پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے
ساتھ ضم سورہ بھی کرے جیسے تنہا نماز پڑھنے کے وقت کرتا ہے
اور باقی بلا ضم سورہ تمام کرے فتاوائے عالمگیری کے صفحہ ۹۱
میں ہے۔ (ومنها) انه یقضی اول صلاته فی حق القرأۃ
واخرها فی حق التشهد واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف میں نماز
عشا ختم ہونے کے بعد ایک شخص تراویح میں شریک جماعت ہوگیا
تراویح ختم ہونے کے بعد جب وتر کی نوبت آئے تو اس شخص کو جماعت کیساتھ
وتر پڑھنا چاہئے یا علٰحدہ بینوا توجروا۔

الجواب

جو شخص امام کے ساتھ فرض نہ ادا کرے اوسکو وتر علٰحدہ
پڑھنی چاہئے فتاوائے رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۷۹۴ میں قہستانی سے
منقول ہے۔ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر
واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شافعی امام کے پیچھے حنفی
مقتدی کو وتر پڑھنی جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کس شرط سے

الجواب

شافعی امام کے پیچھے وتر پڑھنی اسوقت جائز ہے جبکہ شافعی
امام وتر کی تینوں رکعتیں متصل پڑھے یعنے دو رکعت کے بعد سلام
نہ پھیرے جو شافعی کہ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے ہیں
حنفی کا اونکی اقتدا کرنا صحیح نہیں ہے فتاوی امداد الفتاح المعروف
بہ فتاوی شرنبلالیہ صفحہ ۲۲۸ میں ہے۔ یشترط لصحۃ الاقتداء
بالشافعی ونحوہ فی الوتر وصل رکعاتہ الثلاث بقعودیہ
بتسلیمۃ واحدۃ فان سلم علی رأس رکعتین منہ
لا یصح وھو قول الاکثر واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شافعی امام کے پیچھے
فجر کی نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو کیا شرط ہیں

الجواب

شافعی امام کے پیچھے فجر کی نماز پڑھنی جائز ہے مگر شرط یہ ہے
کہ جب امام دعاء قنوت شروع کرے اسوقت حنفی مقتدی کو چاہئے

شافعی کے پیچھے حنفی کو پڑھنے کا مسئلہ

که دونوں ہاتھ اپنے دونوں طرف چھوڑ کر چپ چاپ کھڑا رہے جب
امام قنوت سے فارغ ہو کر سجدہ میں جائے تب اوس کے ساتھ
یہ بھی سجدہ کرے فتاوائے امداد الفتاح المعروف بہ فتاوے
شرنبلالیہ صفحہ ۲۴ میں ہے واذا اقتدی بمن یقنت فی الفجر
(کالشافعی) قام معہ فی (حال) قنوته ساکتا فی الاظهر
ویرسل یدیه فی جنبیه واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک گروہ غیر مقلدین
جو حنفیوں کو بدعتی مشرک اور کافر علانیہ کہتا ہے۔ اور مذہب حنفی
کے خلاف اشاعت علوم کرتا ہے۔ وہ حنفیوں کے محلہ میں باوجود
کثرت و قربت دیگر مساجد ایک نئی مسجد کی بنیاد اس غرض سے قائم
کرنی چاہتا ہے کہ اسمیں اپنے فرقہ کے لوگوں کی بخوبی تعلیم ہو اور
فرقہ مقلدین کی برائی اور اوس پر اعتراض بیان کئے جائیں جس سے
مقلدوں کا فرقہ متفرق ہو جائے اور مسلمانوں میں اختلاف پیدا
کیا جائے آیا ایسے لوگوں کا اون اغراض کے لئے جدید مسجد
کی تعمیر کرنی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
اور ان غیر مقلدین کی اقتدا حنفیوں کے لئے جائز ہے یا نہیں۔

اور مال مغصوبہ سے مسجد کی تعمیر کرنی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

درصورت صدق بیان مستفتی شرعاً جو مسجد کہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے یا لوگوں کو دکھانے اور فخر کرنے کے لئے یا کسی ایسی غرض کے لئے بنائی جاتی ہے جو خالصاً لوجہ اللہ نہیں ہے یا کسی ناجائز مال سے بنائی جاتی ہے شرعاً ایسی مسجد مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے جسکی بنیاد ابتداہی سے ناجائز وممنوع ہے خزانۃ الروایہ کے صفحہ ۴۷ باب المسجد میں اور تفسیر احمدی کے صفحہ ۴۷۶ میں تفسیر مدارک سے منقول ہے۔ کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار بدیں وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو مسجد کہ منافقین نے تفریق وریاء وغیرہ اغراض کی تکمیل کے لئے تعمیر کی تھی اسکو حضرت نے وحشی ومعن بن عدی وغیرہ اشخاص کو بھیجکر منہدم فرمادیا اور آپ کے حکم سے وہ مقام بیت الخلا بنا یا گیا چنانچہ تفسیر احمدی کے صفحہ ۴۷۶ اور خزانۃ الروایۃ کے صفحہ ۴۷ باب المساجد اور تفسیر بیضاوی وتفسیر مدارک میں لکھا ہے۔ قال علیہ السلام

لو حسی قاتل حمزہ و معن بن عدی وغیرھما انطلقوا الی ھذا المسجد

الظالم اھله فاھدموہ واحرقوہ تفعل وامران یتخذ مکانه

کناسة تلقی فیه الجیف والقمامة بنا بریں صاحب کشاف

عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ جب خدائے تعالیٰ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں کو شہروں و ملکوں پر نمایاں

فتح یابی دی تب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کو یہ حکم فرماتے تھے کہ

کسی شہر میں دو ایسی مسجدیں نہ بنائی جائیں جو ایک دوسرے کو ضرر رساں

ہوا سکے بعد صاحب کشاف اپنے زمانہ کے اُن لوگوں پر جو ریاء و تعصب

و نام آوری وغیرہ اغراض سے ہر طرف مساجد تیار کرتے تھے طعن کرتے

ہوئے اسبات کیطرف توجہ دلاتے ہیں کہ یہ لوگ اس آیت پر غور نہیں کرتے

اور اس کے موقع پر خیال نہیں لاتے چنانچہ تفسیر احمدی کے صفحہ (۴۷) میں ہے

وقال صاحب الکشاف وعن عطاء لما فتح الله الامصار علی عمر رضی

الله عنه امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یتخذوا فی مدینة

مسجدین یضار احدھما صاحبه ھذا لفظه والعجب من المتایخین

المتعصبین فی زماننا یبنون فی کل ناحیة مساجد طلباً للاسم والرسم

واستعلاءً لشانهم واقتداءً بآبائهم ولم یتأملوا ما فی ھذه

الآیة والعقه من شناعة حالهم وسوء فعالهم بس الیہ

حالت میں گروہ غیر مقلدین کا اغراض مذکورہ صدر کی تکمیل کے لئے جدید مسجد قائم کرنا جو کہ موجب تفریق مومنین ہے شرعاً ناجائز ہے۔

ف مال مغصوبہ مال غیر طیب ہے کیونکہ غاصب کے غصب کر نیسے شئی مغصوبہ مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوتی بلکہ حالت غصب میں بھی اصل مالک ہی کی مملوک ہے بنا بریں غاصب کا اوسمیں تصرف کرنا شرعاً حرام ہے اور مال غیر طیب ہونے کے سبب اس سے مسجد کی تعمیر بھی درست نہیں جیسا کے مذکورۂ بالا عبارت (وبمال غیر طیب) سے ظاہر ہے۔

مذاہب اربعہ اہل سنت والجماعت کے سوا کسی نوایجاد مذہب کا اتباع بدلیل اجماع ممنوع ہے تفسیر احمدی میں ہے۔ قد وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز للاربع فلا یجوز الاتباع لمن حدث مجتهدا مخالفا لھم۔ بنابریں مقلدین کے لئے غیر مقلدین کی اتباع ناجائز اور نماز میں بھی اقتدا نامناسب ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سود خوار امامت اور مسجد کا انتظام کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

سود خوار چونکہ فاسق ہے اس لئے اس کی امامت مکروہ ہے اور
انتظام مسجد بھی اس سے متعلق کرنا درست نہیں۔ درمختار بر ردمختار
کے جلد (۱) صفحہ ۳۹۲ میں ہے ویکرہ (سرہها) امامۃ عبد
واعرابی وفاسق واعمی ردمختار کے اسی صفحہ ۳۹۲ میں ہے الفسق الخروج
عن الاستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر
کشارب الخمر والزانی وآکل الربوا ونحو ذلک کذا فی
البرجندی ہے درمختار برردمختار کے جلد (۲) صفحہ ۲۹۶ میں ہے
(وینزع) وجوبا (لو) الواقف (درر فغیرہ بالاولی
غیر مامون)، وعاجزا الخ او ظہر بہ فسق کشرب خمر ونحوہ
فتح واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مصلی نے پہلی رکعت
میں سورۂ اخلاص پڑھی اور دوسری میں سورۂ ناس تو اس میں کچھ کراہت
تو نہیں ہے اور ایک اس کے بالکل برعکس کیا اس کے لئے کیا
حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز میں خلاف ترتیب آیتیں پڑھنی یعنے بعد والی سورۃ کو پہلے
اور پہلی سورۃ کو بعد پڑھنا اور اسیطرح کسی آیت کو آگے پیچھے پڑھنا یا ایک
ہی رکعت میں دو ایسی آیتوں کو جمع کرنا جن کے درمیان ایک آیت یا
کئی آیتیں رہ گئی ہوں یا دو رکعتوں میں ایسا عمل کرنا جیساکہ سائل
نے استفسار کیا ہے مکروہ ہے فتاوائے عالمگیری مصری جلد (۱) صفحہ (۸۰)
میں ہے۔ واذا قرأ فی رکعۃ سورۃ وفی الرکعۃ الاخریٰ او فی تلک
الرکعۃ سورۃ فوق تلک السورۃ یکرہ وکذا اذا قرأ فی
رکعۃ آیۃ ثم قرأ فی الرکعۃ الاخریٰ او فی تلک الرکعۃ
آیۃ اخریٰ فوق تلک الآیۃ واذا جمع بین آیتین بینھما آیات
او آیۃ واحدۃ فی رکعۃ واحدۃ او فی رکعتین فھو علی ما ذکرنا
فی السور کذا فی المحیط۔ لیکن یہ کراہت صرف فرض نماز
میں ہے سنت یا نوافل میں اگر ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے
چنانچہ اسی مقام میں ہے۔ ھذا کلہ فی الفرائض واما فی السنن
فلا یکرہ ھکذا فی المحیط۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر احمد آباد محلہ پانچ
پیلی میں چند برادران اسلام نے ایک مسجد بنام نگینہ تیار کی جس کو

دو ماہ کا عرصہ ہوا اسمیں نماز وغیرہ بھی شروع ہو گئی اس کے بعد دوسرے
چند برادران اسلام نے اس کے متصل وملحق ایک دوسری مسجد تیار کرنی
شروع کی جس کی دیواریں تیار ہو گئی ہیں اور بہت کام ناتمام ہے
اب استفسار یہ ہے کہ ایک مسجد کے متصل دوسری مسجد بنانی شرعاً
درست ہے یا نہیں اور یہ بھی پوشیدہ نہ رہے کہ دوسری مسجد
بنانے والے لوگ ضد اور عداوت سے یہ کام کر رہے ہیں

بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی مسجد نگینہ کے متصل وملحق جو مسجد کہ
بنائی جا رہی ہے وہ شرعاً مسجد ضرار ہے کیونکہ اوسکی بنیاد حسبتاً للہ نہیں ہے
بلکہ بانیوں کو اس کے بنانیسے ضد اور عداوت مقصود ہے اور جو مسجد کہ
فخر یا ریا یا دیگر اغراض نفسانی سے بنائی جاتی ہے شرعاً وہ مسجد
ضرار سمجھی جاتی ہے تفسیر احمدی کے صفحہ (۷۴) میں تفسیر مدارک
سے اور خزانۃ الروایۃ کے صفحہ (۴۰۷) باب المسجد میں تحریر ہے

کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء

وجہ اللہ تعالیٰ او من مال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں عام مسلمانوں کو یہ حکم دیدیا

تھا کہ کسی شہر میں دو ایسی مسجدیں نہ بنائی جائیں جو ایک دوسرے کو ضرر دے چنانچہ تفسیر کشاف سے منقول ہے قال صاحب الکشاف عن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی عمر رضی اللہ تعالی عنہ امر المسلمین ان یبنوا مساجد وان لا یبنوا فی مدینۃ مسجدین یضار احدھما صاحبہ اور مسجد ضرار کے متعلق شرعاً یہ حکم ہے کہ ایسی مسجد جلا کر منہدم کر دی جائے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو حضرت کے حکم سے مسجد ضرار جلا کر منہدم کرنے کے بعد اس کی زمین نجاست و غلاظت ڈالنے کے لئے مقرر کی گئی تھی تفسیر احمدی کے صفحہ (۴۷۶) میں بیضاوی و مدارک سے اور خزانۃ الروایۃ کے صفحہ (۴) میں ہے۔ قال علیہ السلام لوحشی قاتل حمزۃ و معن بن عدی وغیرھما انطلقوا الی ھذا المسجد الظالم اھلہ فاھدموہ واحرقوہ ففعل وامران یتخذ مکانہ کناسۃ یلقی فیہ الجیف والقمامۃ بنابریں اسوقت مسجد نگینہ کے متصل و ملحق ضد اور عداوت سے جو مسجد بنائی جا رہی ہے وہ شرعاً قابل انہدام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ مسمی سید شاہ کریم اللہ

قادری نے موضع کیل میں اپنی ذاتی زمین میں بکوشش چندہ اور ذاتی رقم سے ایک مسجد کی بنیاد قائم کی اور اوس کے خرچ واخراجات کے لئے ایک ایکر زمین تری اپنے ذاتی انعام میں سے مقرر کی ہے مرحوم کے انتقال کے بعد بھی انکی اولاد نے حسب دستور سابق و وصیت اسی طریقہ کو جاری رکھا پس ایسی مسجد میں غیر شخص یا چندہ دہندہ بغیر اجازت متولی باوجود امام موجود ہونیکے خطبہ و نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب

شرعاً امامت کے لئے ہر وقت اس مسجد کا رات دن نماز پڑھانے والا امام اولے ہے دوسرے شخص کو اگرچہ وہ امام سے بڑا عالم اور قاری کیوں نہ ہو امام مسجد کی موجودگی میں بدون اجازت اس کے اس مسجد میں امامت کرنی بہتر نہیں ہے فتاوائے درالمختار مطبوعہ برحاشیہ ردالمحتار جلد (۱) صفحہ (۳۹۲) میں مذکور ہے (و)

اعلم ان (صاحب البیت) ومثلہ امام المسجد الراتب (اولی بالامامۃ من غیرہ) مطلقاً۔ ردالمحتار میں مسطور ہے ای وان کان غیرہ من الحاضرین من ھو اعلم واقرأ منہ اور فتاوائے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۸۳) میں ہے دخل المسجد من ھو اولی بالامامۃ من امام المحلۃ

فامام المحلة اولیٰ کذا فی الغنیۃ اگر اس مسجد میں بادشاہ وقت
یا قاضی آجائے تو امام راتب کے مسجد میں ہوتے ہوئے ان
دونوں کے لئے بغیر اجازت اس کے امامت کرنی جائز ہے
چنانچہ اسی جگہ درمختار میں ہے (الا ان نکون معہ سلطان
او قاضی فیقدم علیہ) لعموم ولایتہما وصرح الحدادی بتقدیم
الوالی علی الراتب بنا بریں چندہ دہندہ یا کسی اور شخص کا جو امام ہے
علم میں بہتر ہی ہو امام راتب موجود ہونے کی صورت میں بدون اجازت اسکے
امامت کرنا شرعاً بہتر نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

ما قولکم دام فضلکم ایھا العلماء اس مسئلہ میں کہ ایک قریہ
میں جہاں ایک مسجد ہے جسمیں مصلی پنجگانہ نماز پڑھتے ہیں اور اوس کے
دو امام ہیں ایک تو کبھی نماز نہیں پڑھتا اور بعض اوقات شراب
وغیرہ میں مخمور رہتا ہے اور ہنود کی جاترا کے میلے میں
شریک حال رہکر چندہ وغیرہ وصول کرتے پھرتا ہے اور محرم شریف
میں شدّے بٹھا کر فاتحہ دیتا ہے اب صرف عیدین میں امامت کا
دعوے کرتا ہے اور دوسرا امام نماز پنجوقتہ خلاف
شرع کوئی کام نہیں کرتا اور مسائل فقہ سے بقدر ضرورت

اچھی طرح واقف ہیں ان دونوں میں مستحق امامت از روئے شرع شریف کون ہے بیان فرمایا جائے؟

الجواب

شرعاً امامت کے لئے وہی شخص زیادہ مستحق ہے جو مسائل نماز سے واقف و متقی ہو یعنے حرام چیزوں اور بدعتوں سے پرہیز کرتا ہو اور جو کہ شراب خوار اور رسود کی جانتا ہے مدد دیتا اور شد سے کھاتا ہے وہ شرعاً فاسق اور بدعتی ہے ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے پس جو امام کہ پابند شریعت و واقف مسائل نماز ہے وہی امامت کرنیکا مستحق ہے نماز پنجگانہ و عیدین کے لئے بھی اسی کو مقرر کیا جائے اور جو شراب خوار ہے و پابند شریعت نہیں ہے وہ امامت سے موقوف کیا جائے۔ فتاوائے درمختار بررد المحتار مصری جلد (۱) صفحہ (۳۹۱) میں مذکور ہے

(والاحق بالامامة) تقدیما بل نصبا رد المحتار میں ہے ای للامام الراتب (الاعلم باحکام الصلوة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة وحفظه قدر فرض (ثم الاحسن تلاوة) وتجویدا (للقرأة ثم الاورع) ای الاکثر اتقاء للشبهات والتقوی اتقاء المحرمات اور صفحہ (۳۹۳) میں ہے وتکرہ امامة عبد واعرابي وفاسق واعمی ومبتدع) واللہ

علم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز تراویح میں ترویحہ کے وقت صحابہ کے جو نام لئے جاتے ہیں جائز ہے یا ناجائز اگر جائز ہے تو اسکا ثبوت کیا ہے فقہی کتابوں کا حوالہ دیا جائے اور جو شخص اس سے انکار کرے اسکا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

کتب فقہیہ سے اسقدر ثابت ہے کہ ترویحہ میں مصلیوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ تسبیح پڑھیں یا قرات قرآن کریں یا خاموش رہیں یا تنہا نماز پڑھیں درمختار برحاشیہ ردمحتار جلد (۱ صفحہ ۴۹۶) میں مذکور ہے۔ ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلوة فرادی اور ردمحتار کے اسی صفحہ (۴۹۶) میں قہستانی سے منقول ہے کہ ہر ترویحہ میں تین مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جائے چنانچہ اسکی عبارت یہ ہے۔ قال القهستانی فیقال ثلاث مرات سبحان ذی الملك والملكوت سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت سبحان الملك الحی الذی لا يموت سبوح قدوس رب الملائكة والروح لا اله

الا اللہ نستغفر اللہ نسئلک الجنۃ ونعوذ بک من النار بنابریں ہر ترویحہ کے بعد جو تسبیح پڑھی جاتی ہے وہ مناسب ہے اس کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم وصحابۂ کرام کے نام جو یکے بادیگرے ترویحہ میں حسب ترتیب لئے جاتے ہیں کتب معتبرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ عرب وعجم کی ایسی عادت ہے بلکہ ہندوستان میں بھی اکثر اسکا رواج سنائی نہیں دیتا معلوم یہ ہوتا ہے کہ ابتداء کسی نے پانچ ترویحہ کی تعداد یاد رکھنے کیلئے ان پانچ نامونکو سلسلہ وار لینے کی بنیاد قائم کی ہے جسمیں تعداد بھی یاد رہتی ہے اور اُن حضرات کا ذکر خیر بھی ہوجاتا ہے جو خدا تعالی کی تسبیح کے بعد موجب برکت ہے موطائے امام محمد رح مصطفائی کے صفحہ ۱۴۰ کی حدیث صحیح

وقد روی ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قال ما راٰہ

المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن وما راٰہ المسلمون قبیحا

فھو عند اللہ قبیح۔ سے ثابت ہے کہ جس کام کو مسلمانوں نے اچھا سمجھا وہ اللہ کے پاس بھی اچھا ہے اور جسکو مسلمانوں نے برا جانا وہ اللہ کے پاس بھی برا ہے لہذا جبکہ چند مسلمانوں نے نیک نیتی سے ایک اچھے کام کی بنیاد ڈالی ہے تو اسکا قائم رکھنا مناسب ہے اور اس سے انکار کرنا موجب عتاب نہیں واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

ان مسائل میں علمائے دین و مفتیان شرع متین کیا ارشاد فرماتے ہیں

سوال اول زید مسجد کا امام ہے وہ اپنے آپ کو مستحق امامت اور مختار موروثی سمجھتا ہے بجز اپنے نماز کا وقت ہو تو اول جماعت کی امامت دوسرے شخص کو نہیں کرنے دیتا ایسی حالت میں اگر نماز مغرب کا ٹھیک وقت ہو جائے تو زید کی دیر رسی یا غیر حاضری میں دوسرا شخص امامت کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

سوال دوم مصلیان مسجد ایک عالم فاضل مصلی کو اپنا امام مقرر کرکے نماز مغرب کی ادا کرنا چاہیں موذن تکبیر و اقامت کہدے اور امام تکبیر تحریمہ کرکے نیز ادائی نماز کر چکا ہو اور مصلیوں نے کچھ اقتدار کر چکے اور کچھ نہ کئے ہوں اس اثناء میں زید جو امام مسجد کا ہے آئے اور غضب ناک ہو کر مصلے پر سے جو شخص رکعت باندہ چکا ہو اسکو دھکا دیکر امامت سے علیحدہ کردے اور خود کھڑے ہو کر ارکان نماز مغرب بہت عجلت سے ادا کرے کیا نماز کل مصلیوں کی صحت کیسا تھہ ادا ہوئی یا نہیں یا تکبیر و اقامت ثانی موذن سے کہلوا کر تجدید نماز کا اعادہ کرنا زید پر واجب تھا یا نہیں۔

کیونکہ امام اول کی اقتدا مصلی کر چکے تھے زید نے بعدا کر بغیر تکبیر و اقامت

کھلوانے کے کھڑا ہو گیا اور مقتدیوں کو زید کا علم نہیں تھا کیا یہ فعل و حرکت زید کی قابل نفرین و ملامت ہے یا نہیں صراحت سے جواب مرحمت ہو۔

سوال سوم نماز مغرب کا وقت بہت تنگ ہوتا ہے کیا زید جو مسجد کا امام ہے اس کا فریضہ ہے کہ بر وقت مسجد میں حاضر رہے یا مصلیان انتظار میں نماز مغرب کا وقت فوت کر دیں اور کسقدر انتظار مصلیوں کو کرنا درست ہوگا اگر مصلیان مسجد بعد انتظار کسیکو اپنا امام بنالیں تو زید کا جبری طور پر امامت سے دھکا دیکر ہٹا دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال چہارم حدیث شریف میں وارد ہے کہ امام ضامن اور موذن اوسکا امین ہے تو اسکی اجازت سے ایک شخص امامت پر کھڑا ہوئے تو امام مسجد پر جو دیر سے آیا ہے اقتدا امام کی واجب تھی یا غضبناک ہو کر بحالت غصہ رکعت فاسد کرانیکا حق حاصل تھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) روزمرہ نماز پڑھانے والے امام کو امام راتب کہتے ہیں اور شرعاً امام راتب کی غیر حاضری و دیر رسی میں بلا اجازت اسکے مصلیوں کو یہ حق ہے کہ کسی متقی شخص کو اپنا امام بنا کر نماز ادا کریں خصوصاً جبکہ نماز کا

وقت تنگ ہو تو ایسی حالت میں امام راتب کے انتظار کی کوئی ضرورت نہیں چنانچہ آں سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنی عمرو بن عوف کی صلح کے لئے تشریف لے گئے تھے اور نماز عصر کا وقت آپہنچا تب صحابۂ کرام نے حضرت صدیق اکبر رضؓ کو امام بنا کر نماز عصر ادا کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انتظار نہیں کیا گیا بنا بریں عینی شرح بخاری مصری کے جلد (۲) صفحہ (۶۴۰) میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے ۔ ان الامام الراتب اذا غاب یستخلف غیرہ۔

(۲) جب مصلیوں نے درصورت دیر رسی امام ایک متقی شخص کو اپنا امام بنا لیا تھا اور وہ تکبیر تحریمہ کہکر داخل نماز ہو گیا اور بعض مصلیوں نے بھی اس کی اقتدار کر لی تو ایسی حالتمیں امام راتب کا دیر سے آکر اسپر غضبناک ہونا اور حالت نماز میں دھکا دیکر مصلے سے ہٹا دینا اسمیں احکام شرعیہ کا انہتاک یعنے احکام شرعیکی پردہ دری اور بے عزتی اور ایک شریف اور ذی عزت شخص کی تذلیل ہے جو شرعاً معصیت اور ناجائز ہے اور جو شخص اس قسم کے کام کرتا ہے اس کیلئے شرعاً تعزیر یعنے تادیب مقرر کی گئی ہے شرع میں تعزیر کرنیکا حق چونکہ قاضی کو دیا گیا ہے اور کئی طریقہ سے تعزیر بتائی گئی ہے یعنے قاضی کو چاہئیے کہ حسب حیثیت کسی کو مار سے

اور قید سے اور کسی کو گردنی یا گوشمالی یا زبان سے تنبیہ و تعزیر کرے اس لئے صورت مسئولہ میں جب کہ امام راتب خدمت پر مامور ہونے کے سبب شرعاً شریف اور ذی عزت ہی تو اس کو قاضی کے پاس پیش کر کے زبانی تادیب و تنبیہ کرائی جائے درمختار مطبوعہ بر ردمختار مصری جلد (۳) صفحہ (۱۸۰) میں ہے۔ وعزر کل مرتکب منکر او موذی مسلم بغیر حق بقول او فعل و لو بغمز العین اور صفحہ (۱۸۴) میں مذکور ہے۔ التعزیر (ھو تادیب دون الحد اکثرہ تسعۃ و ثلاثون سوطا و اقلہ ثلاثۃ و لا یفرق الضرب فیہ ویکون بہ) بالحبس (بالصفع) علی العنق (وفرک الاذن و بالکلام العنیف و بنظر القاضی لہ بوجہ عبوس وشتم غیر القذف لا باخذ مال فی المذھب) و التعزیر (لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رائ القاضی) و علیہ مشائخنا زیلعی لان المقصود منہ الزجر) و احوال الناس فیہ مختلفۃ

مصلیوں میں جن اشخاص نے امام اول کی اقتدا کی نیت کرلی تھی اور امام ثانی کی اقتدار کی نیت نہیں کی بلکہ انھوں نے اس خیال سے (کہ ہمارا وہی پہلا امام نماز پڑھا رہا ہے) اپنی نماز آخیر تک دوسرے امام کی پیچھے پوری کرلی ہے تو ان مصلیون کی نماز نہیں ہوئی

ان کو اعادہ کر لینا چاہئے کیونکہ امام راتب نے جب اس امام کو بلا
دیگر مصلے سے ہٹا دیا ہے تو ضرور اس امام سے عمل کثیر صادر ہوا جس سے
اس امام کی نماز فاسد ہوئی درمختار مطبوعہ بر ردمحتار جلد (۱ صفحہ ۴۲۸)
میں ہے (و) یفسدها کل عمل کثیر) لیس من اعمالها ولا لاصلاحها

چونکہ امام کی نماز مقتدیوں کی نماز کو متضمن اور شامل ہے۔ اس لئے
مقتدیوں کی نماز کا صحیح ہونا اور فاسد ہونا امام کی نماز کی صحت و فساد
پر موقوف ہے پس صورت مسئولہ میں جب امام کی نماز فاسد ہوئی
ہے۔ تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہے بنابریں مقتدیوں پر اعادہ
نماز کا واجب ہے چنانچہ درمختار جلد (۱) صفحہ ۴۱۵ کے حاشیہ ردمحتار
میں لکھا ہے۔ (واذا ظهر حدث امامه) وکذا کل مفسد فی رائ مقتد
(بطلت فلزم اعادتها) لتضمنها صلاة المؤتم صحة وفسادا

اور جن مقتدیوں نے نئی تکبیر تحریمہ کہکر دوسرے امام کی اقتدا کی
نیت کر لی ہے انکی نماز پوری ہوئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ف تیسرے سوال کا جواب اول و دوم کے جواب سے حاصل ہے۔

(۴) امام راتب پر واجب ہے کہ جب قوم یعنے مصلیوں نے دیر
رسی امام کی وجہ سے ایک متقی شخص کو نماز کے لئے مقرر کر لیا ہے اور
اس نے نماز بھی شروع کر دی ہے تو یہ بھی اور مصلیوں کی

طرح اس کی اقتدار کرکے نماز میں شریک ہوجاوے چنانچہ شرح بخاری
کے اسی صفحہ (۲۰) میں مسطور ہے۔ قوله ایضاً ان الامام
الراتب اذا غاب یستخلف غیره مسلم ایضا وقوله وانه
اذا حضر بعد ان دخل نائبه فی الصلاة یتخیر بین ان یأتم به
او یؤم هو ویصیر النائب ماموماً من غیر ان یقطع الصلوة
ولا یبطل شئ من ذالك صلوة احد من المأمومین غیر مسلم
واحتیاج من یذهب الی هذا بهذ الحدیث غیر صحیح لان ذلك
من خصائص النبی صلی الله علیه وسلم ذکر ذلك ابن عبد البر
وادعی الاجماع علی عدم جواز ذالك لغیره پس امام راتب کو قوم کے
مقرر کردہ امام کو ہٹانے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے بلکہ گناہ ہے
جیساکہ جواب سوال دوم میں تفصیل سے مذکور ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر
کوئی شخص ایک جگہ خطبہ پڑھے اور دوسری جگہ جاکر نماز جمعہ پڑھاوے
یا اول نماز پڑھاکر دوسری جگہ خطبہ پڑھاوے تو جائز ہے یا نہیں
بحوالہ کتب معتبرہ جواب ادا ہو۔ بینوا توجروا

الجواب

واقع ہو کہ جمعہ میں ایک شخص کا خطبہ پڑھنا اور دوسرے کا نماز پڑھانا سزاوار اور بہتر نہیں ہے کیونکہ خطبہ اور نماز شرعا ایک ہی سمجھی گئی ہے اس لئے دو شخصوں کا ایک چیز کو انجام دینا مناسب نہیں بلکہ ایک ہی شخص کو چاہیے کہ خطبہ بھی پڑھے اور نماز بھی پڑھاوے درمختار مطبوعہ برردالمحتار مصری جلد (۱) صفحہ ۷۶۵ میں مذکور ہے۔ (لاینبغی ان یصلی غیر الخطیب) لانہما کشئ واحد بنابریں کسی شخص کا ایک جگہ خطبہ پڑھکر دوسری جگہ جاکر نماز پڑھانا یا ایک جگہ نماز پڑھاکر اس کے بعد دوسری جگہ جاکر خطبہ پڑھنا سزاوار اور مناسب نہیں ہے اگر کسی عذر شرعی سے ایسا کیا گیا ہے تو جائز ہے چنانچہ درمختار میں اسی مقام میں ہے۔ فان فعل بان خطب صبي باذن السلطان وصلی بالغ جاز) ھو المختار۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید امام مسجد ہے جسکی قراۃ میں مخارج و اعراب غلط ہونے کے علاوہ سود خوار ہے تو کیا ایسی صورت میں اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں۔

بینوا توجروا۔

الجواب

فاسق کی امامت شرعاً مکروہ ہے درمختار مطبوعہ برردالمحتار مصری جلد (۱) صفحہ ۳۹۲ میں مذکور ہے۔ (ویکرہ تنزیہا امامۃ عبد واعرابی وفاسق واعمی) چونکہ فاسق گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کہا جاتا ہے سود خوار بھی فاسق ہے ردمحتار مصری کے جلد (۱) صفحہ ۳۹۲ میں مسطور ہے۔ الفسق الخروج عن الاستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربوا ونحو ذلک کذا فی السراجیہ روزمرہ کی امامت کرنیوالے کے لئے شرعاً یہ شرط رکھی گئی ہے کہ امام نماز کے صحیح اور فاسد ہونے کے متعلق جملہ احکام سے واقف ہو اور ظاہری برے کاموں سے بچا رہے اور بقدر فرض حافظ قرآن ہو اگر ایسا شخص نہ ملے تو وہ شخص امامت پر مامور رہے جو تجوید سے ادا کرے اگر ایسا بھی نہ ملے تو اورع امام بنایا جائے یعنے وہ شخص جو ہمیشہ محرمات ومشتبہات سے بچتا ہے ردمحتار کے جلد ۱ صفحہ ۳۹۱ حاشیہ پر درمختار میں لکھا ہے (والاحق بالامامۃ) تقدیما بل نصبا ردمحتار صفحہ ۳۹۱ میں مذکور ہے ای للامام الراتب (الاعلم باحکام الصلوٰۃ) فقط صحۃ وفسادًا بشرط اجتنابہ للفواحش الظاھرۃ وحفظہ قدر فرض (ثم الاحسن تلاوۃ) وتجویدا

(للقرأة نو الاورع) ای الاکثر اتقاء للشبہات والتقوی
اتقاء المحرمات۔ پس مصلیان مسجد کو چاہیئے کہ زید کو ان شروط مذکورہ
کے موافق اپنے کو قابل امامت بنانے کے لئے ہدایت کریں
اگر زید ان اوصاف سے آراستہ ہو جائے تو وہی اس خدمت
پر بحال رہنے کا مستحق ہے ورنہ دوسرا شخص جو ان شروط کے
موافق ہو امامت پر مامور کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

جو سجدہ تلاوت کہ نماز میں لازم ہو گیا تھا وہ اندرون نماز
ادا نہونیکی صورت میں بعد سلام کے کسی مقتدی کے اسطرح تعلیم
سے (کہ اب اللہ اکبر کہکر سجدہ کر لو کافی ہے) سجدۂ تلاوۃ متذکرہ کی
قضاء درست ہو سکتی ہے۔ یا نہیں

الجواب

جو سجدۂ تلاوت کہ نماز میں واجب ہوتا ہے چونکہ وہ نماز کا
جزو ہے اس لئے اُس کو فوراً بحالت نماز ادا کرنے کا حکم ہے
اور تاخیر میں گناہ ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردالمحتار مصری
جلد (۱) صفحہ ۵۱۲ میں مذکور ہے فھی علی الفور لصیرورتھا
جزأ منھا ویأثم بتاخیرھا ردمحتار میں لکھا ہے۔ فان کانت

صلوۃ فعلی الفور اور در مختار صفحہ ۱۴۱ میں ہے فلو تلاھا
فی الصلاۃ سجدھا فیھا لا خارجھا ۔ اگر کسی نے نماز میں آیت سجدہ
پڑھنے کے بعد عمداً یعنے جان بوجھ کر سجدۂ تلاوۃ ترک کرکے فوراً
آیت سجدہ کے ایک یا دو یا تین آیت بعد نماز کے لئے رکوع کیا اور
اسمیں سجدہ تلاوت کی بھی نیت کرلی یا آیت سجدہ کی تلاوت کیا تھی
رکوع کرکے بلا نیت سجدۂ تلاوت نماز کے لئے سجدہ میں گیا تو ان دونوں
صورتوں میں نماز کے رکوع وسجود میں اس کا سجدہ تلاوت بھی ادا
ہوجاتا ہے درمختار صفحہ ۵۱۴ میں ہے (وتؤدی برکوع صلاۃ)
اذا کان الرکوع (علی الفور من قرأۃ آیۃ) او آیتین وکذا لثلاث علی الظاہر کما فی البحر (ان نواہ) ای کون الرکوع
لسجود التلاوۃ علی الراجح (و) تؤدی (بسجودھا کذلک)
ای علی الفور (وان لم ینو) بالاجماع ۔ اگر اُس نے نہ تو اس کے
بعد نماز کے لئے رکوع وسجود کیا اور نہ وقت تلاوت اسکو ادا کیا بلکہ
سجدہ تلاوت پڑھکر بہت دیر بعد رکوع وسجود کیا اور نماز ختم کردیا تو ایسا
شخص گناہ گار رہے جس کو توبہ کرنا لازم ہے اور اس کے لئے اس
سجدہ کی قضا نہیں ہے در مختار کے صفحہ ۵۱۴ میں بدائع سے منقول ہے
واذا لم یسجد اثم فتلزمہ التوبۃ ردمحتار میں ہے ۔

اما۔ انہ لایقضیہا فان فی شرح المنیۃ وکل سجدۃ وجبت
فی الصلوۃ ولم تؤد فیہا سقطت ای لم یبق السجود لہا مشروعا
لفوات محلہ اھ اقول وھذا اذا لم یرکع بعدھا علی الفور
والا دخلت فی السجود وان لم ینوھا کما سیأتی وھو
مقید ایضا بما اذا ترکہا عمداً حتی سلم وخرج من حرمۃ
الصلوٰۃ ۱ھ اگر مصلی نے نماز میں آیت سجدہ پڑہنیکے بعد سہو سے سجدہ تلاوت ترک
کیا ہے اور فوراً آیۃ سجدہ کے ایک یا دو یا تین آیت بعد نیت سجدہ سے
نماز کے لئے رکوع یا اس کے بعد بلا نیت سجدہ تلاوت نماز کیلئے
سجود نہیں کیا جیسا کہ ابھی سابق میں مذکور ہوا ہے بلکہ اس نے نماز میں
آیت سجدہ کی تلاوت کے چار یا اس سے زیادہ آیات بعد رکوع وسجود
کیا تو اس کے لئے نماز میں رہنے تک جب یاد آجائے سجدہ تلاوت
بجالانا واجب ہے اور اگر نماز سے سلام پہیرنے کے بعد ہی اسکو
سجدہ تلاوت یاد آئے تو اسکو جب تک مسجد سے خارج نہوا اور کوئی فعل
مثل گفتگو وحدث وغیرہ جو نماز کے منافی ہیں اس سے صادر نہوں
سجدہ تلاوت کی قضاء کرنی چاہئے اور سجدہ سہو بھی ادا کرنا چاہئے چنانچہ
درمختار صفحہ (۵۴) میں لکہا ہے۔ ویقضیہا مادام فی حرمۃ
الصلاۃ ولو بعد السلام ردالمحتار میں ہے۔ ای ناسیا

ما دام فی المسجد اور ردالمحتار صفحہ (۵۱۴) میں ہے اما لو سہوا
وتذکرھا ولو بعد السلام قبل ان یفعل منافیا یاتی
بھا ویسجد للسہو کما قدمناہ۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکے کے پیچھے
تراویح اور سنت میں اقتدا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

عاقل اور سمجھدار لڑکے کے پیچھے تراویح اور نوافل پڑھنے کی بعض
فقہا نے اگرچہ اجازت دی ہے مگر عامۂ فقہا ناجائز کہتے ہیں اور
اور یہی اصح اور مختار مذہب ہے۔ فتاوائے عالمگیریہ جلد (۱)
صفحہ (۱۱۶) میں مذکور ہے۔ وامامۃ الصبی العاقل فی
التراویح والنوافل المطلقۃ یجوز عند بعضھم ولا یجوز
عند عامتھم کذا فی محیط السرخسی بحرالرائق جلد (۱)
صفحہ ۳۱۸ میں ہے ولھذا کان المختار عدم جواز الاقتداء بہ
فی کل صلاۃ۔ درمختار مطبوعہ بر ردالمحتار مصری جلد (۱) صفحہ (۴۰۵) میں ہے
ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ) وخنثی (وصبی مطلقا) ولو فی جنازۃ
ونفل علی الاصح ردمحتار میں تحت قول ونفل علی الاصح ہدایہ سے

منقول ہے۔ قال فی الهدایة وفی التراویح والسنن المطلقة

جوزه مشائخ بلخ ولم یجوزه مشائخنا ومنهم من عمم الخلاف

فی النفل المطلق بین ابی یوسف ومحمد والمختار انه لایجوز

فی الصلوات کلها۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس بلاد میں چھ ماہ رات اور

چھ ماہ دن ہو اس مقام پر صلوٰۃ وصوم کے کیا احکام ہیں بینوا توجروا

الجواب

جن شہروں میں چھ مہینے مسلسل دن رہتا ہے اور رات نہیں

ہوتی ایسے مقام کے رہنے والوں پر رات کی تمام نمازیں ادا کرنا

فرض ہے در مختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۱) صفحہ (۲۵۳)

میں ہے وفاقد وقتهما مکلف بهما) اور ردمحتار صفحہ (۲۵۵)

میں ہے والحاصل انهما قولان مصححان ویتأید القول

بالوجوب بانه قال به امام مجتهد وهو الامام الشافعی کما

نقله فی الحلیة عن المتولی عنه مگر چونکہ ادا کے لئے وقت نہیں ہے

اس لئے ان نمازوں کو بطریقہ قضاء پڑھنا چاہیے چنانچہ فتاویٰ

ردالمحتار جلد (۱) صفحہ (۲۵۲) میں ہے اذا علمت ذالك ظهر لك ان من قال بالوجوب

یقول بہ علی سبیل القضاء لا الاداء اس کے بعد دوسری سطر
میں ہے مع ان القائلین عندنا بالوجوب صرحوا بانها قضاء
ویفقد وقت الاداء۔ لیکن روزہ و زکوٰۃ و حج و عدۃ و بیع و سلم و
اجارہ کے متعلق ان لوگوں کو آس پاس کے شہروں کے دن رات کا
اندازہ کرکے ادا کرنا چاہئے رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۲۵۵ میں ہے
قال فی امداد الفتاح قلت وکذلک یقدر لجمیع الآجال
کالصوم والزکوٰۃ والحج والعدۃ وآجال البیع والسلم
والاجارۃ وینظر ابتداء الیوم فیقدر کل فصل من
الفصول الاربعۃ بحسب مایکون کل یوم من الزیادۃ
والنقص کذا فی کتب الائمۃ الشافعیہ ونحن نقول
بمثلہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مشرکین ہنود کے مال سے
مسجد بنانا یا اسکی تعمیر کرنی شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب

مال خبیث وغیر طیب سے یا اس مال سے جو ناجائز و جائز دونوں
طریقوں سے بالاشتراک حاصل ہوا ہے مسجد بنانا یا اس کی تعمیر کرنی

شرعاً مکروہ تحریمی ہے فتاوائے شامی جلد (۱) صفحہ (۴۶۲) میں ہے

قال تاج الشریعۃ اما لو انفق فی ذلک مالاً خبیثا ومالاً سببہ الخبث والطیب فیکرہ لان اللہ تعالیٰ لایقبل الا الطیب فیکرہ تلویث بیتہ بما لایقبلہ۔ خزانۃ الروایۃ قلمی کے صفحہ (۴۰۸) میں ہے

وقیل کل مسجد بنی مباہاۃ اوریاءً اوسمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ تعالیٰ اومن مال غیر طیب فہو لاحق مسجد الضرار چونکہ مشرکین کی اکثر آمدنی سود یا سود کی آمیزش سے ہوا کرتی ہے۔ اس لئے انکے روپیہ سے مسجد کی تعمیر کرنی شرعاً نادرست ہے جیسا کہ تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی کے صفحہ (۴۵۲) آیت۔ ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ کی تفسیر میں ہے فان اراد کافر ان یبنی مساجداً ویعمرہا منع منہ وھو المفہوم من النص وان لم یدل علیہ روایۃ بنا بریں اگر کوئی مشرک اپنے مکان کو مسجد بنا دے یا اپنی جانب سے حج کرنے کے لئے کسی جائداد کو وقف کرکے وصیت کرے تو یہ وقف شرعاً باطل ہے کیونکہ مشرکین کے پاس مذہباً ایسے کاموں سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا جیسا کہ اسعاف فی احکام الاوقاف صفحہ (۱۱۹) میں ہے۔ وکذا لوجعل دارہ مسجدا للمسلمین اواوصی ان یحج عنہ یکون الوقف باطلا

لکونه لیس مما یتقرب به اهل الذمة الی الله تعالی
البتہ اگر کسی خاص جماعت مسلمین کے لئے اپنے گھر کو مسجد بنا دے
یا کسی خاص شخص کو حج کرنے کے لئے روپیہ دے تو چونکہ اس نے
خاص شخص یا اشخاص کے لئے وقف کیا ہے اس لئے جائز
ہے جیسا کہ اسعاف کے اسی صفحہ ۱۹۱ میں ہے۔ ولو اوصی
الذی ان تبنی دارہ مسجداً لقوم باعیانهم او لاهل محلة
باعیانهم جاز استحسانا لکونه وصیة لقوم باعیانهم
وکذلک تصح الایصاء بمال لوجل بعینه لیحج به لکونه
وصیة لمعین ثم ان شاء حج بذلک وان شاء ترک پس صورت
مسئولہ میں مشرک کے مال سے مسجد بنانا یا تعمیر کرنی ناجائز ہے اگر
مشرک اس روپیہ کو کسی مسلمان کو ہبہ کر دے اور وہ مسلمان بطور
خود اس رقم سے مسجد کی تعمیر کرے تو شرعاً جائز ہو سکتا ہے
جیسا کہ اسعاف کی سابقۃ الذکر عبارت سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مصلی چار
رکعت والی فرض نماز میں تیسری یا چوتھی یا دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ
کے ساتھ سورہ بھی ضم کرے تو کیا اس سے سجدہ سہو لازم آتا ہے یا نہیں

الجواب

اگر کوئی مصلی چار رکعت والی فرض نماز کی تیسری یا چوتھی یا دونوں رکعت میں سہو سے سورہ ضم کرے تو شرعاً سجدۂ سہو لازم نہیں ہے فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۲۶ جلد (۱) باب سہو میں ہے ولوقرأ فی الاخریین الفاتحہ والسورۃ لایلزمہ السہو وھو الاصح۔

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مقلدین مقلدوں کے محلہ میں مسجد بنانا چاہتے ہیں جہاں اور بھی مسجدیں ہیں۔ اور مقلدان کو اس خیال سے منع کرتے ہیں کہ انکی بری تعلیم کا اثر اپنے بچوں پر پڑیگا۔ اور فساد ہوگا۔ اس صورت میں کیا مقلدوں کا مسجد بنانے سے ان کو روکنا درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب

صورت مسؤلہ میں جب کہ محلہ میں ادائی نماز پنجگانہ کے لئے مساجد موجود ہیں اور غیر مقلدین کے ان مساجد کے علاوہ جدید مسجد تعمیر کرنے سے مقلدین کو فساد کا اندیشہ ہے تو ایسی حالت میں غیر مقلدین کی جدید مسجد شرعاً مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے جسکی تعمیر شرعاً ناجائز ہے آیۃ کریمہ۔ والذین

اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین

وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ولیحلفن ان اردنا

الا الحسنیٰ واللہ یشہد انہم لکاذبون لاتقم فیہ ابدا۔

سے ظاہر ہے کہ جو مسجد مسلمانوں کو ضرر دینے اور خاص اپنے لوگوں کی عبادت کے لئے بنائی جاتی ہے وہ ہرگز قابل اقامت صلوٰۃ نہیں ہے چنانچہ اس آیتہ کریمہ کے بموجب بنوغنم بن عوف کی بنائی ہوئی مسجد کو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہدم کرکے کناسہ یعنی کچرا و غلاظت ڈالنے کا مقام بنانے کے لئے حکم فرمایا تفسیر احمدی کے صفحہ (۴۷۷) میں ہے۔ فقال

علیہ السلام لوحشی قاتل حمزۃ ومعن بن عدی وغیرھما

انطلقوا الی ھذا المسجد الظالم اھلہ فاھدموہ واحرقوہ

ففعل وامر ان یتخذ مکانہ کناسۃ یلقی فیہ الجیف

والقمامۃ بناریں بروقت فتح امصار جبکہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو تعمیر مساجد کا حکم فرمایا اسبات کی ممانعت فرمادی کہ کسی شہر میں دو ایسی مسجدیں جو کہ ایک دوسرے کو ضرر دے ہرگز نہ بنائی جائیں جیسا کہ تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی صفحہ (۴۷۷) میں لکھا ہے۔

وقال صاحب الکشاف وعن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی عمر

رضی اللہ عنہ امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یتخذوا

فی مدینۃ مسجدین یضار احدہما صاحبہ اور خزانۃ الروایۃ قلمی کے صفحہ (۷۴) میں ہے کہ جو مسجد فخر یا ریا یا کسی اور ذاتی غرض کے لئے تعمیر کیجاتی ہے وہ مسجد ضرار ہے عبارتہ ہکذا

کل مسجد بنی مباہاۃ او ریاءً او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء

وجہ اللہ تعالیٰ او من مال غیر طیب فہو لاحق بمسجد الضرار

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید تارک الصلوٰۃ تھا انتقال کیا آیا از روئے شریعت اسپر نماز جنازہ پڑھی جاوے یا نہیں بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایا جاوے۔

الجواب

تارک الصلوٰۃ شرعاً فاسق وفاجر ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں از روئے اجماع امت یہ بات ثابت ہے کہ جو فاجر وفاسق با ایمان انتقال کرے اُسپر نماز جنازہ پڑھی جاوے چنانچہ شرح عقائد نسفی مطبوعہ یوسفی کے صفحہ (۱۰۵) میں ہے۔

(ویصلی علی کل بر وفاجر) اذا مات علی الایمان للاجماع

ولقوله علیہ السلام لاتدعوا الصلوة علی من مات من اھل القبلة - واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں جماعت اولیٰ کے بعد متعدد جماعتوں سے وقتی نماز ادا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

جماعت اولیٰ کے بعد متعدد جماعتوں سے نماز وقتی ادا کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ دوسری جماعتوں کا امام محراب کی محاذات میں جہاں جماعت اولیٰ کا امام کھڑا ہوا تھا نہ کھڑا رہے بلکہ اس سے ہٹ کر کسی اور جگہ اگر جماعت ثانیہ وثالثہ وغیرہا قائم کیجائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو بیشک مکروہ ہے رد محتار جلد ۱ صفحہ (۲۷۶) وصفحہ (۳۸۸) میں لکھا ہے وعن ابی یوسف اذا لم تکن الجماعة علی الھیئة الاولی لاتکرہ والاتکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تخلف الھیئة کذافی البزازیة انتہیٰ وفی التاتارخانیة عن الولو الجیة وبه ناخذ - واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص ماہ رمضان

شریف میں نماز کے وقت فرض میں شامل نہ ہو تو وہ وتر میں شامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

رمضان شریف میں جب کوئی شخص امام کے ساتھ فرض عشا میں شامل نہ ہو تو اسکا وتر میں امام کے ساتھ شامل ہونا درست نہیں ہے فتاوائے ردالمحتار شامی جلد (۱) مطبوعہ مصری صفحہ (۹۴۷) میں لکھا ہے لکن فی التاتارخانیۃ عن التتمۃ انہ سئل علی ابن احمد عمن صلی الفرض والتراویح وحدہ او التراویح فقط هل یصلی الوتر مع الامام فقال لا ثم رایت القہستانی ذکر تصحیح ما ذکرہ المصنف ثم قال لکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر۔ جامع الرموز کشوری کے صفحہ (۹۷) میں مذکور ہے لکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر کما فی المنیۃ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الصوم

الاستفتاء

اگر کوئی شخص قبل طلوع صبح جماع کرے یا احتلام والا ہو اور اسی
حالت ناپاکی میں صبح ہو جائے تو کیا اس ناپاکی سے روزہ میں کوئی
فساد لازم آتا ہے یا نہیں

الجواب

اس ناپاکی سے روزہ میں کوئی فساد نہیں لازم آتا ہے فتاوائے
سراجیہ فیما یفسد الصوم میں مذکور ہے۔ لو اصبح جنبا لا یفسد
الصوم فتاوائے عالمگیری صفحہ (۲۰۱) میں ہے ومن اصبح جنبا
او احتلم فی النہار لم یضرہ کذا فی محیط السرخسی۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

ہر کوئی شخص رمضان شریف میں اپنی عورت سے بعد مغرب
کب تک جماع کر سکتا ہے اور بعد نماز صبح اپنی عورت سے
جماع کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

رمضان شریف میں غروب آفتاب سے لیکر صبح صادق تک کہانے پینے جماع کرنے کی اجازت ہے بعد طلوع صبح صادق جبکہ نماز صبح کا وقت شروع ہوجاتا ہے کھانا پینا جماع کرنا روزہ دار کے لئے قطعاً حرام ہے۔ محیط سرخسی جلد اول صفحہ (۸۰) کتاب الصوم میں لکھا ہے

قوله تعالیٰ ثم اتموا الصیام الی اللیل فان الله تعالی اباح لکم الاکل والشرب والوقاع فی لیالی رمضان ثم امر بالکف فی النهار من وقت طلوع الفجر الی دخول اللیل فیکون مقدراً بالیوم۔ والله اعلم بالصواب

الاستفتاء

بعد نماز صبح کوئی شخص آرام کرے اور بدخوابی ہو تو وہ صبح کو غسل کرسکتا ہے یا روزہ فاسد ہوجائیگا۔ اور غسل کرے تو کونسی کونسی شرائطیں چھوڑنی پڑیں گی۔

الجواب

روزہ کی حالت میں ناپاکی کا غسل کرنیسے کوئی فساد نہیں آتا مگر بہتر یہ ہے کہ غسل زوال کے پہلے کرلیا جائے چونکہ زوال کے بعد سے روزہ کی قبولیت شروع ہوجاتی ہے ایسے وقتمیں

ناپاک ہنا مکروہ ہے اور غسل کھڑے ہو کر کر سکتے ہیں اور غوطہ لگا کر کرنا بھی جائز ہے مگر غوطہ کے وقت کان ناک منہ آنکھ مقعد ان سب کو اچھی طرح بند کر لینا چاہئے تاکہ پانی انکے ذریعہ سے نہ جائے حتیٰ کہ غوطہ کی حالت میں پانی میں گوز لگانا بھی مکروہ ہے چنانچہ فتاوائے عالمگیری میں اسکی صراحت کی گئی ہے۔ اور غرغرہ اور ناک میں پانی لیتے وقت بھی احتیاط کیجائے تاکہ زیادتی نہ ہو جائے۔ فتاوائے عالمگیری ۹۹ جلد (۱) ویکرہ له المبالغة فی الاستنجاء کذا فی سراج الوہاج وکذا المبالغة فی المضمضة والاستنشاق قال شمس الائمة الحلوائی وتفسیر ذالک ان یکثر امساک الماء فی فمه ویملاء لا ان یغرغر کذا فی المحیط ولو فسا الصائم اوضرط فی الماء لایفسد الصوم ویکرہ له ذالک ھکذا فی معراج الدرایة۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

اگر کوئی بعد نماز ظہر آرام کرے اور بدخوابی ہو جائے۔ تو اُس کے متعلق شارع نے کیا حکم کیا ہے۔

الجواب

ناپاکی سے روزہ میں کوئی نقصان وضرر نہیں آتا محیط سرخسی

جلد اول صفحہ (۲۳۸) میں ہے۔ ومن اصبح جنبا او احتلم فی النہار لم یضرہ ۱۲

اور در المختار مطبوع بر حاشیہ رد المحتار مصری جلد (۱) صفحہ (۱۰۹)

میں ہے (او اصبح جنبا) وان بقی کل الیوم (لم یفطر) واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

اگر کسی کو روزہ کی حالت میں کھٹی ڈکار آئے تو کیا ہوتا ہے

الجواب

زیادہ کھانے سے کھٹی ڈکار آتی ہے اور سحر کے وقت ضرورت سے زیادہ کھانا مکروہ ہے۔ اگرچہ روزہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فتاوائے شرنبلالی قلمی صفحہ (۵۹) باب السحور میں ہے۔ وینبغی ان لا یکثر فیہ مما لا یبقی معہ احساس واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

روزہ میں عود یا اگربتی کا دھواں خود بخود حلق میں جائے یا کوئی عمداً لے تو کوئی فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

روزہ کی حالت میں دھواں خود بخود حلق میں جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اگر کوئی شخص عمداً دھواں حلق میں داخل کرے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اور اوس پر اسی روزہ کی قضاء واجب ہے

بلکہ عود عنبر کا دھواں عمداً لیتے ہیں تو کفارہ بھی لازم آتا ہے اسی طرح تمباکو کے دھویں کا حال ہے۔ ردالمحتار شامی صفحہ (۱۰۰) جلد (۲) میں ہے۔ او دخل حلقہ غبار او ذباب او دخان) ولو ذاکراً استحساناً لعدم امکان التحرز عنہ ومفادہ انہ لو ادخل حلقہ الدخان افطر ای دخان کان ولو عوداً او عنبراً ولو ذاکراً لامکان التحرز عنہ ولیتنبہ لہ۔ فتاوائے شرنبلالیہ باب ما یفسد الصوم صفحہ (۳۵۷) میں ہے او ادخل دخانا بصنعہ متعمداً الی جوفہ او دماغہ لوجود المفطر وھذا فی دخان غیر العنبر والعود وفیھما لا یبعد لزوم الکفارۃ ایضاً للمنع والتداوی وکذا الدخان الحادث شربہ واتدع بھذا الزمان کما قدمناہ ۱۲ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

سحر کے وقت کی ابتداء کب سے ہوتی ہے اور انتہا کب تک ہے مفصل بحوالہ کتب تحریر فرمائیے۔

الجواب

سحر کا وقت رات کے سدس اخیر میں یعنی رات کے اخیر والے چھٹے حصہ سے شروع ہوتا ہے۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ (۲۰) جلد اول میں مسطور ہے التسحر مستحب ووقتہ آخر اللیل قال

الفقیہ ابو اللیث وھو السدس الاخیر ھکذا فی سراج الوھاج

پس روزہ دار کو چاہئے کہ طلوع وغروب آفتاب کو ٹھیک طور پر دریافت کرنے کے بعد مابین طلوع وغروب جسقدر وقت رہے اُس کے چھہ حصہ کرلے ابتدائے شب سے پانچ حصہ چھوڑ دے اب جو آخیر والا چھٹا حصہ رہجائیگا اس کے شروع ہوتے ہی سحر مسنون کا ابتدائی وقت شروع ہوجاتا ہے۔ علم ہیت کے قاعدہ سے یہ امر ثابت ہے۔ کہ جب آفتاب افق سے اٹھارہ درجہ نیچے ہوتا ہے تب صبح کاذب طلوع ہوتی ہے جو سحر کا انتہائی اور نماز صبح کا ابتدائی وقت ہے۔ پس حیدرآباد میں جس زمانہ میں کہ رات چھوٹی سے چھوٹی یعنے (۱۰) گھنٹہ (۴۵) منٹ کی ہوگی سحر مسنون کی ابتدار (۳) بجکر (۴۰) منٹ سے ہوگی اور انتہا (۴) بجکر (۳۷) منٹ تک اور جوں جوں رات بڑہتی جائیگی ان اوقات میں اختلاف ہوتا جائیگا۔ یہاں تک کہ جب رات اور دن مساوی ہوجائیں گے تو ابتدائے وقت سحر مسنون (۴) سے ہوگا اور انتہا (۵) تک۔ پھر بعد مساوات جسقدر رات کی زیادتی دن سے ہوتی جائیگی اوقات میں اختلاف ہوتا جائیگا۔ یہاں تک کہ جب رات (۱۳) گھنٹے (۴ منٹ) کی ہوگی جسکو اطوال اللیل کہتے ہیں

تو اسوقت سحر مسنون کی ابتدا (۴ بجکر (۲۸) منٹ سے ہوگی اور نتہا (۵ بجکر (۳۲) منٹ تک۔

تنبیہ

یہ حساب بلدہ حیدرآباد کے ڈیل اور دائرۂ ہندسیہ سے قائم کیاگیا ہے۔ جس کی تصحیح ہر وقت اس گھڑی سے ہو سکتی ہے جو یہاں کے ڈیل اور دائرہ ہندسیہ سے مطابق ہو۔ صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی سحر کرنا یعنے کہانا پینا وغیرہ حرام ہے۔ کیوں کہ یہاں سے روزہ شروع ہو جاتا ہے اور یہی روزہ کا وقت ہے۔ (فتاوائے عالمگیری جلد اول صفحہ (۱۹۴) میں مذکور ہے۔ دوقتہ من حین یطلع الفجر الثانی والمستطیر المنتشر فی الافق الی غروب الشمس صبح صادق میں بھی وہ صبح صادق معتبر ہے۔ جو پہلے پہل نکلتی ہے خوب اچھی طرح پھیلنا اور ہر طرف اُڑنا ضروری نہیں۔ اسی میں احتیاط ہے۔ اور اکثر علماء کا اسی پر اتفاق ہے۔ فتاوائے عالمگیری جلد اول صفحہ (۱۹۴) میں ہے

وقد اختلف فی ان العبرۃ لاول طلوع الفجر الثانی اولاستطارتہ وانتشارہ فمال شمس الائمۃ الحلوانی الی القول الاول احوط والثانی اوسع ھکذا فی المحیط والیہ مال اکثر العلماء

کذا فی خزانۃ الفتاوے فی کتاب الصلوٰۃ۔ سحر آخر وقت میں کرنا مستحب ہے مگر ایسے آخر وقت میں کہ جس میں شک پڑجائے مکروہ ہے اس لئے بالکل آخر وقت میں جب کہ طلوع فجر قریب ہو سحر کرنا بہتر نہیں فتاوائے عالمگیری صفحہ (۲۰۰) جلد اول میں مذکور ہے

ثم تاخیر السحور مستحب کذا فی النہایۃ الخ ویکرہ تاخیر السحور الی وقت یقع فیہ الشک ھکذا فی سراج الوھاج ۱۲

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ماہ رمضان شریف میں اگر چاند آخر ماہ میں سورج غروب ہونے کے قبل نظر آوے تو روزہ افطار کرسکتے ہیں؟

الجواب

چاند کے قبل از غروب آفتاب دنمیں نظر آنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس کے نظر آنے سے نہ تو اوس روز افطار کرنیکی ضرورت ہے نہ اوس کے بعد والے دنمیں روزہ رکھنے کی حاجت۔ فتاوائے درمختار برحاشیہ ردالمحتار شامی جلد (۲) صفحہ (۹۹) مطبوعہ مصری میں مذکور ہے۔

(نهارا) قبل الزوال وبعده (غير معتبر على) ظاهر (المذهب)
وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوى بحر عن الخلاصة اور فتاوائے
رد المحتار شامی میں ہے ومعنى عدم اعتبارها انه لا يثبت بها
حكم من وجوب صوم او فطر فلذا قال الخانية فلا يصام
ولا يفطر واعادة وان علم مما قبله ليفيد ان قوله لليلة الآتية
لم يثبت بهذه الروية بل ثبت ضرورة اكمال العدة
واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص
ماہ رمضان شریف میں نماز کے وقت فرض میں شامل نہ ہو تو وہ
وتر میں شامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

رمضان شریف میں جب کوئی شخص امام کیساتھ فرض عشاء
میں شامل نہ ہو تو اسکا وتر میں امام کے ساتھ شامل ہونا درست
نہیں ہے فتاوائے رد المحتار شامی جلد (۱) مطبوعہ مصر صفحہ (۴۷۹)
میں مذکور ہے۔ لكن فى التاتارخانية عن التتمة انه سئل على بن احمد
عمن صلى الفرض والتراويح وحده او التراويح فقط هل يصلى الوتر مع الامام

وتقال لا۔ ثم رایت القہستانی ذکر تصحیح ما ذکرہ المصنف ثم قال لکنہ اذا لم یتصل الغرس معہ لا یتبعہ فی الوتر جامع الرموز کشوری کے صفحہ (۷۹) میں لکہا ہے لکنہ اذا لم یتصل الغرس معہ لا تتبعہ فی الوتر کما فی المنیۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین۔ اس مسئلہ میں کہ والدین و اولاد کو زکوٰۃ وصدقۂ فطر و کفارات و نذر وغیرہ دینا جائز ہے۔ یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب

اپنے والدین پر اگرچہ وہ کتنے ہی اونچے درجہ کے ہوں یعنے دادے دادیاں اور اپنی اولاد پر اگرچہ نیچے درجہ کے ہوں یعنے پوتے پوتیاں زکوٰۃ وصدقۂ فطر و نذر

وکفارہ کا صرف کرنا اور انکو دینا جائز نہیں ہے فتاوائے

رد المحتار شامی جلد (۳) صفحہ (۵۷) میں ہے۔ (ولا الی من

بینہما ای بین المزوع الیہ ولاد) ای اصلہ وان علی کابویہ

واجداده وجداته من قبلهما وفرعه وان سفل کاولاد الاولاد

وکذا کل صدقة واجبة کالفطرة والنذر والکفارة

واما التطوع فیجوز بل هو اولی واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

ایک شخص پر دین مہر واجب الادا ہے جس کی تعداد تخمیناً گیارہ ہزار روپیہ ہے اور اس کے پاس تخمیناً ایک ہزار روپیہ کا سرمایہ اُس کی ضروریات سے فاضل موجود ہے اور اسکی یہ نیت ہے کہ اُس زرمہر کو موجودہ سرمایہ کی افزائش سے یا کسی اور طریقہ سے کامل رقم جمع ہوجانے کے بعد یکمشت ادا کردے ایسا شخص زکوٰۃ خود بھی ادا کرتا ہے اور لیتا بھی ہے، آیا اس شخص کو از روے شرع شریف زکواۃ لینا جائز ہے اور دینا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صدق بیان مستفتی چونکہ یہ شخص ایسے دین کا مدیون

ہے جو اس کے سرمایہ سے زیادہ ہے اس لئے اس پر ادائے
زکواۃ واجب نہیں ہے شارع نے دین مہر کو بھی دین واجب
الادا قرار دیا ہے اور اس کا مدیون شارع کے نزدیک عام
مدیون کی طرح اسوقت سمجھا گیا ہے جب کہ زوج اس مہر مجل
کی ادائی کی نیت رکھتا ہو اور درصورت نیت نہ رکھنے کے
اس پر زکواۃ واجب ہے چنانچہ الاشباہ والنظائر کے
کتاب الزکواۃ صفحہ (۱۳۶) میں ہے۔ دین العباد مانع
من وجوبها الا المهر المؤجل اذا كان الزوج لا يريد ادائه ۔ بلکہ یہ مہر شرعاً
دین نہیں سمجھا گیا ہے چنانچہ حموی کتاب الزکواۃ صفحہ (۱۳۶)
میں مذکور ہے۔ فی شرح الجامع الصغير للتمرتاشي ذكر المرد وے
فی جامعه عن الشيخ دين المهر لا يمنع اذا لم يكن الزوج على عزم
الاداء لانه لا يعد دينا۔ مگر چونکہ صورت مسئولہ میں زوج ادائی
مہر کی نیت رکھتا ہے اس لئے وہ شرعاً مدیون ہے فتاوائے
عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۱۷۳) میں مذکور ہے کل دین له مطالب
من جهة العباد يمنع وجوب الزكوة اور صفحہ (۱۷۴) میں ہے
كذلك المهر يمنع مؤجلا كان او معجلا لانه مطالب به اسی طرح
محیط سرخسی جلد (۱) صفحہ (۶۵) میں مسطور ہے اور ایسے شخص کیلئے

زکواۃ لینا اس شرط سے جائز ہے کہ اس رقم زکوٰۃ کو ادائی
دین مہر میں صرف کرے کیونکہ فقہانے مصارف زکوٰۃ میں اس
مدیون کو بھی شامل فرمایا ہے جسکے پاس دین سے فاضل نصاب
موجود نہ ہو۔ چنانچہ فتاوائے عالمگیریہ صفحہ (۸۰) جلد (۱) میں ہے
ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا
عن دينه كذا في المتبين اور جامع الرموز صفحہ (۱۴۸) میں ہے
مديون لا يملك نصابا فاضلا عن دينه اور محیط سرخسی
صفحہ (۲۷) میں ہے والغارمون المديونون اذا لم يفضل لهم
عند الدين قدر النصاب بلکہ ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے کے لئے
فقیر پر ترجیح دی گئی ہے چنانچہ فتاوائے عالمگیریہ صفحہ (۸۰) جلد (۱) میں ہے
والدفع الى من عليه الدين اولى من الدفع الى الفقير هكذا في المضمرات
جامع الرموز صفحہ (۱۴۸) میں ہے بقدمه على الفقير اولى من
حيث انه اولى منه بالدفع اور مدیون مصرف زکواۃ میں فقہا کے
پاس عام ہے کسی خاص قسم کے مدیون کی تخصیص نہیں کی گئی چنانچہ
جامع الرموز کے مصرف زکواۃ صفحہ (۱۴۸) میں ہے والمراد من عليه الدين
من اي جهة كان۔ شارع نے مدیون کو مستحقین زکوٰۃ میں اسوجہ
سے شمار کیا ہے کہ مدیون جس کے پاس قرض سے فاضل نصاب موجود نہیں ہے اس رقم زکوٰۃ سے

اس قرض کی ادائی کرکے اپنے کو سبکدوش کرے چنانچہ قرآن شریف میں مصرف زکواۃ کے موقع پر مدیون کے لئے (والغارمین) کا لفظ وارد ہوا ہے اور غارم لغت میں اسکو کہتے ہیں جسپر قرض ہو اور وہ ادائی کے لئے اس کے پاس کچھ بھی نہو چنانچہ بحر الرائق جلد (۲) صفحہ (۲۶۰) میں ہے۔

الغارم (وهو في اللغة من عليه دين ولا يجد قضاء كما ذكره القتبي

اور رد المحتار شامی کے جلد (۲) صفحہ (۳۶) کتاب الزکواۃ میں ہے۔ قال القتبي الغارم من عليه الدين ولا يجد وفاء

پس صورت مسئولہ میں اگر سائل اس رقم زکواۃ کو دین مہر میں ادا کرنے کے لئے لیتا ہے اور ادا بھی کرتا جاتا ہے یا بغرض ادائی اُسکو اپنے مال سے علیحدہ جمع کرتا ہے تو تو اوس کے لئے اس غرض سے زکواۃ لینا جائز ہے ورنہ حرام ہے کیونکہ یہ غنی ہے اور غنی کے لئے صدقات حرام ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طلبائے علم دین کے مصارف کے لئے کسی دینی مدرسہ میں زکوۃ دینا شرعاً

جائز ہے یا نہیں مبوا توجروا۔

الجواب

طالبان علم دین کو اگرچہ وہ غنی ہوں زکوٰۃ دینا جائز ہے

فتاوائے درمختار بحاشیہ ردالمحتار جلد (۲) صفحہ (۱۴) میں ہے۔

وبھذا التعلیل یقوی ما نسب للواقعات من ان طالب العلم

ردالمحتار میں ہے (ای الشرعی) یجوز له اخذ الزکوٰۃ

ولو غنیا اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزه

عن الکسب والحاجة داعیة الی ما لابد منه کذا ذکره

المصنف اور اسی صفحہ ردالمحتار میں ہے وفی المبسوط لایجوز

دفع الزکوٰۃ الی من یملك نصابا الا الی طالب العلم والغازی

ومنقطع الحج لقوله علیه الصلوٰۃ والسلام یجوز دفع الزکوٰۃ

لطالب العلم وان کان له نفقة اربعین سنة بنابریں کسی

دینی مدرسہ میں انتظام حوائج طلبہ کے لئے زکوٰۃ دینا شرعاً

جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب النکاح

الاستفتاء

زید اپنی لڑکی ہندہ کو کچھہ سامان بطور جہیز کے دیا اب زید کی وفات کے بعد اس کے ورثہ کو اس سامان جہیز میں ترکہ کی حیثیت سے کچھہ حصہ ملسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

سامان جہیز شرعاً عرف بلد پر چھوڑ اگیا ہے اگر اس شہر کی یہ رسم ہے کہ سامان لڑکیوں کو بطور عطاء و ہبہ کے دیا جاتا ہے تو وہ یقیناً لڑکی کی ملک ہے اسمیں بعد وفات معطی ورثہ کو واپس کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر سامان لڑکی کو عاریۃً بطریق اشتراک یعنی کچھہ تو بطور ہبہ کے اور کچھہ بطور عاریت دینے کی عادت ہے تو اس صورت میں لڑکی کا باپ یا اسکی وفات کے بعد اسکے ورثہ جو کچھہ کہیں وہی معتبر ہوگا در مختار جلد (۲) حاشیہ شامی صفحہ (۳۷۵)

میں ہے جہز ابنتہ بجہاز وسلمہا ذلک لیس لہ الاسترداد منہا ولا لورثتہ بعدہ ان سلمہا ذلک فی صحتہ ملخصًا

رد المحتار صفحہ ۳۷۶ مطبوعہ مصر میں ہے ولہا اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثلہ جہازًا لا عاریۃً اور فتاویٰ مہدویہ جلد (۱) صفحہ ۱۴۲ میں ہے (سئل) فی رجل اعطی لبنتہ عند الزفاف امتعۃ وقبضتہا واستقلت بہا مدۃ حیوۃ والدہا ثم بعد موتہ اراد بعض الورثۃ ادخالہا فی الترکۃ وقسمہا علی حکم المیراث فہل یجابون لذلک ام لا وتکون علی ملکہا خاصۃ وتاخذ حصتہا من المیراث کاملۃ (اجاب) اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثل ہذا جہازًا لا عاریۃ یکون القول قولہا وان کان مشترکًا یکون القول للاب او وارثہ بعد موتہ واللہ اعلم بالصواب۔

باب الحضانۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمای دین ومفتیان شرع متین

اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا انتقال ہوا ورثہ میں دختر شیرخوار و شوہر و دو برادر شوہر اور شوہر کے تین چچازاد بھائی اور شوہر کے دو پھوپی زاد بھائی اور شوہر کی ایک چچازاد بہن اور شوہر کا ایک علاتی چچا اور ہندہ کے والد اور والدہ اور دو علاتی خالہ کو چھوڑی اب حق حضانت کس کو ہوگا اور کتنی مدت تک رہیگا بینوا توجروا

الجواب

صورت مسئولہ میں حق حضانت ہندہ کی والدہ کو ہوگا فتاوی قاضی خان مطبوعہ برحاشیہ عالمگیری مصری جلد اول صفحہ ۲۲۴ میں ہے احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح وبعد الفرقة الام فان ماتت الام او تزوجت فام الام اور فتاوے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ ۱۴۱ میں ہے احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح او بعد الفرقة الام اور اسی صفحہ میں ہے وان لم یکن له ام تستحق الحضانه بان کانت غیر اهل للحضانه او متزوجه بغیر محرم او ماتت فام الام اولی من کل واحدة وان علت فان لم تکن للام ام فام الاب اولی ممن سواها وان علت کذا فی فتح القدیر عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ ۱۴۲ میں ہے والام والجدة احق بالجاریة حتی تحیض یعنی لڑکی کی ماں اور

نانی کو اوس کے حائضہ ہونے تک حق حضانت حاصل ہے
فتاوے شامی مطبوعہ مصر جلد (۲) مطلب الحضانۃ صفحہ ۶۵۸
میں ہے۔ (وعن محمد ان الحکم فی الام والجدۃ کذٰلک)
وبہ یفتٰی لکثرۃ الفساد (قولہ کذٰلک) ای فی کونہا
احق بہا حتی تشتہی۔ یعنی محمدؒ سے منقول ہے کہ حق حضانت
ماں اور نانی کو لڑکی کے قابل شہوت ہونے تک ہے۔ اور
اسی پر فتوے ہے۔ فتاوی شامی میں اسی مقام میں ہے
بل فی محرمات البحر ست تسع سنین وصاعدًا متشہاہ
اتفاقًا۔ اور درمختار مطبوعہ بمبئی کے باب الحضانۃ صفحہ ۳۲۳
میں ہے وقدر بتسع وبہ یفتٰی۔ یعنی لڑکی کے قابل شہوت
ہونے کی تعداد مفتی بہ نوسال ہے۔ فتاوے ہندویہ
جلد (۱) صفحہ ۱۵۱ میں ہے ومدۃ الحضانۃ فی الانثٰی
مقدرۃ بتمام تسع سنین علی المفتٰی بہ فاذا تحقق تمامہا
تکون لابیہا بل علیہ ضمہا الیہ۔ یعنی لڑکی کی مدت حضانت
نوسال ہونے پر فتوے دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین۔ اس مسئلہ میں کہ زینب و فاطمہ

یہہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں زینب کو تین لڑکے زید ۔ عمرو ۔ بکر اور فاطمہ کو ایک لڑکی ہے ۔ زینب نے فاطمہ کی لڑکی کو مدت رضاعت میں بحالت بیماری دو وقت بکر کا دودھ بکر کے تولد سے تین سال بعد چمچہ میں نکال کر منہ میں ڈالی بوجہ بیماری وہ ہضم تک نہونے پایا ۔ (بلکہ قے ہوگئی ۔ اب زینب اپنے فرزند اکبر مسمّیٰ زید سے اس لڑکی کا نکاح کرنا چاہتی ہے کیا شرعاً جایز ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب

درصورت صدق بیان مستفتی فاطمہ کی لڑکی سے جس نے زینب کا دودھ پیا ہے ۔ زینب کی کسی لڑکی کا نکاح درست نہیں کیونکہ زینب فاطمہ کے لڑکی کی انّا ہے اور شرعاً انّا کی تمام اولاد دودھ پینے والے پر حرام ہے چنانچہ عالمگیری جلد(۱) صفحہ ۳۴۳ میں ہے

یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعاً جامع الرموز کشوری کے صفحہ ۲۱۸ میں ہے ۔ فیحرم علی الرضیع اولاد ھما واولاد ھا واولاد ہٗ المتقدمہ والمتأخرہ لانھم اخوۃ واخوات لہ من قبل الام والاب او احدھما دودھ چمچہ وغیرہ میں نکالکر پلانے سے بھی

حرمت ثابت ہوجاتی ہے چنانچہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ مردہ عورت کا دودہ اگر بچہ میں نکال کر پلایا جاوے تو حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے فتاوی خلاصہ صفحہ (۱۱۷) میں ہے۔ ولو حلب اللبن بعد موت المرأة فاوجر اصابتیت حرمۃ الرضاع دودہ پلانے کے بعد قے ہوجانے سے یہہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ پوری غذا معدہ سے نکلگئی بلکہ قے کے بعد معدہ میں ضرور کچھہ نہ کچھہ غذا رہ جاتی ہے جیسا کہ اقوال اطباء سے ثابت ہے بنا برین تھوڑے سے دودہ کا رہجانا بھی ثبوت حرمت کے لئے کافی ہے چنانچہ فتاوی خلاصہ میں اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ رضاعت میں کمی وزیادتی دودہ کی حرمت کیلئے دونوں مساوی ہیں۔

فتاوی خلاصہ صفحہ (۱۱۷) میں ہے۔ والقلیل والکثیر فی الرضاع سواء علاوہ بریں ثبوت حرمت رضاعت کے لئے دودہ کا محض معدہ میں پہونچ جانا کافی ہے ہضم ہونے کی شرط نہیں ہے چنانچہ محیط سرخسی جلد اول صفحہ (۲۰۰) میں ہے۔ ووصول شیئ من اللبن الی المعدۃ یکفی لاثبات الحرمہ پس صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکی کے معدہ میں دودہ پہونچ گیا ہے اس لئے حرمت رضاعت ثابت ہے قے ہوجانے سے حرمت دفع نہیں ہوسکتی واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے مندرجۂ ذیل شروط پر نکاح کیا اور ان شروط کو بطور اقرار نامہ کے والدہ ہندہ نے قبل از نکاح زید سے لکھوالیا۔ والدۂ ہندہ یعنی مریم کے کسی جائداد سے مجھے تعلق نہیں اور نہیں اس وقت اور نہ آئندہ ان سے کسی قسم سے جہیز کا مطالبہ کروں گا۔ ہندہ چاہے میرے مکان میں رہے یا اپنی والدہ کے میں ڈیڑھ سو روپیہ در وجہ نفقہ اپنی ہر قسم کی جائداد سے ماہانہ ادا کروں گا۔ میرا خاصہ اور ماہوار ملازمین بھی اسی ڈیڑھ سو سے رہیگی۔ اگر میں کوئی دوسرا نکاح یا خواص کروں تو ہندہ کو اپنی جملہ جائداد سے نصف حصہ اس وقت ادا کرونگا اور نفقہ مذکور بھی دیتا رہوں گا۔ زید کے والد بکر نے یہ اقرار لکھدیا ہے کہ پانچسو روپیہ اپنی ذاتی رقم سے سالانہ ہندہ کو دیا کریگا۔ زید کو صرف ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار ہے جو دادا کی تھی۔ اب زید کی دادی بھی موجود ہے جس کو پچاس روپیہ ماہانہ اسی میں سے دئے جاتے ہیں اب یہ استفسار ہے کہ ان شروط کے موافق پابندی شرعاً زید پر واجب ہے یا نہیں۔

بینوا توجروا۔

الجواب

جو شروط کے نکاح کے قبل لگائے جاتے ہیں. شرعاً اون کے دو قسم بیان کئے گئے ہیں. بعض جائز ہیں اور بعض ناجائز. شروط ناجائز مثلاً زوج کا یہہ شرط لگانا کہ زوجہ کو نفقہ نہیں دیگا وغیرہ۔ جو حقوق کہ شریعت کے خلاف ہیں اس قسم کے شروط شرعاً باطل وفاسد ہیں اُن کا لحاظ نہیں کیا جاتا فتاوائے رد المحتار شامی مطبوعۂ مصر جلد (۲) صفحہ (۳۰۲) میں ہے۔

ولکن لا یبطل النکاح (بالشروط الفاسدة) انما یبطل الشرط

دونه) یعنی لو عقد مع شرط فاسد لم یبطل النکاح بل الشرط

شروط جائزہ کی ادائی کے متعلق اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ جو شروط مقتضائے عقد نکاح کے موافق ہوں مثلاً زوج کا یہہ شرط لگانا کہ میں زوجہ کے ساتھ عرف بلد اور شریعت کے موافق معاشرت کروں گا اور اسیطرح نفقہ اور کسوتہ بھی ادا کیا کروں گا۔ پس اس قسم کے شروط کا زوج کو ادا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہہ شروط حقوق شرعیہ ہیں جن کی ادائی زوج کے ذمہ ہے۔ عینی شرح بخاری جلد (۶) مطبوعۂ مصر

صفحہ (۴۳۸) میں ہے۔ ثم اختلفوا هل تلزم الشروط الجائزة

کلها او ما یتعلق بالنکاح من المهر ونحوه فروی ابن ابی شیبة

في المصنف عن ابی الشعثاء عن الشعبی قال اذا شرط لها

داربها بهو بما استحل من فرجها وقال النووي قال الشافعي واكثر العلماء هذا محمول على شروط لا تنافي مقتضى النكاح بل تكون من مقتضاه ومقاصده كاشتراط العشرة بالمعروف والانفاق عليها وكسوتها وسكناها بالمعروف وانه لا يقصر في شئ من حقوقها ويقسم لها كغيرها واما شرط يخالف مقتضاه كشرط ان لا يقسم لها ولا يتسرى عليها ولا ينفق عليها ولا يسافر بها ونحو ذلك فلا يجب الوفاء به بل يلغو الشرط ويصح النكاح بمهر المثل پس صورت مسئولہ میں بھی نفقہ کے متعلق جو کہ شرط لگائی گئی ہے چونکہ وہ مقتضائے عقد کے موافق ہے اس لئے اس کی پابندی عرف بلد کے طریقہ پر کی جاوے۔ بنابریں امام اعظم ابوحنیفہ رح کا قول ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت سے قبل نکاح یہ شرط لگائی کہ میں ماہانہ سو دینار تجھکو نفقہ دیا کروں گا۔ پس اس صورت میں نکاح ہو جائیگا اور اس عورت کو عرف بلد کے موافق اس کے ہم مثل اور ہمسر عورت کا نفقہ دیا جائیگا۔ فتاوی قاضی خان عالمگیریہ صفحہ (۲۳۱) جلد (۱) میں ہے۔

رجل تزوج امرأة على ان ينفق عليها في كل شهر مائة دينار قال ابو حنيفة يجوز النكاح ولها نفقة مثلها بالمعروف سکونت زوجہ کی زوج کیا ضروری ہے مگر اس وقت جبکہ زوج کوئی مکان خالی اپنے متعلقین

اوراس کے متعلقین سے تجویز نہ کرے پس ایسی صورت میں زوجہ کا اپنے
والدین کے گھر رہنا درست ہے۔ اور زوج پر واجب ہے کہ اسجگہہ اس کا نفقہ پہنچا
دیا کرے اور در صورت مکان خالی دینے کے پھر زوجہ کا اپنے ماں باپ کے گھر میں
رہنا نشوز و نافرمانی میں داخل ہے اور ایسی عورت کو شرعاً ناشزہ کہا جاتا ہے
جس کا نفقہ زوج پر واجب نہیں ہے۔ فتاوائے محمدویہ
جلد (۱) صفحہ (۱۴۱) سطر (۱۹) میں ہے۔ یجب علی الزوج اسکان
زوجته مسکنا شرعیا وهو الخالی عن اهله واهلها فلا یکون
المسکن الذی فیه اهله شرعیا حیث لم تکن معه فیه مرافق ولم
علیحدة و بامتناعها من السکنی معاً کانت ناشزة ولو لم یتحقق الضرر
منهم مع الاختلاط فتجب لها النفقة مع امتناعها من السکنی معهم علی
هذا الوجه فلو مکثت فی بیت اهلها ام منعها القاضی لان امساکها علی الحال هذه
اگر زوجہ بدون حق شرعی زوج کے گھر سے چلی جاوے اور ماں باپ
میں رہے تو شرعاً اُس کے لئے واپس آنے تک نفقہ نہیں ہے۔
فتاوی شامی جلد (۲) صفحہ (۶۶۴) میں ہے۔ لا نفقة لاحد عشر
از انجملہ وخارجة من بیته بغیر حق وهی ناشزة حتی تعود
صورت مسئولہ میں زید نے جو یہ شرط کی ہے کہ اس پر دوسرا نکاح نہیں کریگا
اس قسم کے شروط کو شروط مباحہ کہا جاتا ہے ان کے متعلق امام اعظم کا

یہ حکم ہے کہ اس قسم کی شروط کی پابندی کے لئے زوج سے ازروے تقوے کہا جاے اس پر حکم نہ کیا جاے۔ اگر زوج اس کی پابندی نہ کرے تو اس کو شرعاً ازروے فتوے الزام نہیں ہے۔ عینی شرح بخاری میں ہے۔ واختلف العلماء فی الرجل یتزوج المرءة ویشترط لہا ان لا یخرجہا من دارہا اولا یتزوج علیہا اولا یتسری او نحو ذلک من الشروط المباحة علی قولین الثانی ان یؤمر الزوج بتقوی اللہ والوفاء بالشرط ولا یحکم علیہ بذلک حکماً وان ابی الا الخروج لہا کان احق الناس باہلہ الیہ ذھب عطاء والشعبی وسعید بن المسیب والنخعی والحسن وابن سیرین وربیعة وابو الزناد وقتادة وھو قول مالک وابی حنیفة ومحمد واللیث والثوری والشافعی مع

پس صورت مسئولہ میں جبکہ ہندہ حسب شریعت وعرف اپنے ہمسروں کی طرح نفقہ لینے کی مستحق ہے تو ایسی حالت میں زید کے لئے اپنی دادی اور درصورت عقد ثانی دوسری زوجہ کو نفقہ دینے کے لئے شرعاً کوئی امر مانع نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس امر میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے اپنا عقد کیا اور چند سال بعد ایک دوسرے شہر میں جاکر دوسری عورت سے عقد کیا اور بلا سبب پہلی عورت کے پاس آنا جانا

بند کر کے نان و پارچہ و دیگر ضروریات کی مدد بھی چھوڑ دی۔ باوجودیکہ مالدار ہے اور آنے جانے سے کوئی قانونی و شرعی مزاحمت اور روک ٹوک نہیں ہے عورت نے ہر چند بذریعۂ خطوط اپنی پرورش اور اس کے آنے جانے کے واسطے کوشش کی لیکن وہ کسی خط کا جواب نہیں دیتا۔ پانچ برس سے زیادہ شوہر کی علیحدگی کو گذر چکے ہیں۔ اب عورت بالکل مایوس ہے ایسی حالت میں عورت کو شرعاً کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئیے کہ اُس کو شوہر سے نجات ہو جائے اور دوسرا عقد کر سکے۔ بدلائل اس کا جواب مرحمت فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب

درصورت صدق بیان مستفتی جو شخص کہ غائب ہو اور باوجود مالدار ہونے کے اپنی زوجہ کو نفقہ نہ دے۔ تو ایسی حالت میں زوجہ کی تفریق کرانیکا قاضی یعنے حاکم عدالت کو حق نہیں ہے فتاوٰی درمختار برد المحتار

جلد (۲) صفحہ (۶۷۳) میں ہے (ولا یفرق بینہما بعجزہ عنہا ولا بعدم ایفائہ لو غائبا حقہا ولو موسرا) بلکہ زوجہ کو چاہئیے کہ قاضی کے پاس درخواست کرے اگر یہاں اس کی کوئی جائداد یا مال کسی کے پاس ہی تو قاضی کو چاہئیے کہ بعد ثبوت زوجیت زوج کے مال سے زوجہ کو نفقہ دلائے۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اول

صفحہ ۵ میں ہے وقال زفر رحمہ یسمع بینتها ولا یقضی بها لنکاح
ویعطی النفقة من مال الزوج ان کان له مال والا تؤمر
بالاستدانة وبه قالت الثلاثة وعلیه عمل القضاة الیوم
وبه یفتی کذا فی العینی شرح الکنز وفتاوی عالمگیری
جلد ۱ صفحہ ۹ ۵ سطر (۲۴) میں ہے۔ واذا غاب الرجل وله مال
فی ید رجل یعترف به وبالزوجة فرض القاضی فی ذلک
المال نفقة زوجة الغائب۔ فتاوی حامدیہ صفحہ ۶۹ سطر (۴)
میں ہے (سئل) فی رجل سافر من دمشق الی مصر وترک
زوجته بلا نفقة ولا منفق وله مال بذمة جماعة مقرین
به وبالزوجة من حسن حمها فهل یفرض لها القاضی نفقة
من ماله المزبور (الجواب) نعم حیث کان الامر کذلک ویحلفها
القاضی انه لم یعطها النفقة ویاخذ منها کفیلاً کذا فی
الملتقی والتنویر وغیرهما اور اگر یہاں زوج کی کوئی جائداد اور مال
نہیں ہے تو اس وقت قاضی کو چاہیئے کہ بعد ثبوت زوجیت و عدم طلاق
و نافرمانی وغیرہ اُس کے نفقہ کے موافق کسی سے قرض لینے کے لئے حکم کرے
زوج کے حاضر ہونے کے بعد اُسقدر قرضہ قرضخواہ کو زوج سے دلایا جائے
فتاوی حمیدیہ جلد ۱ صفحہ (۴۲۶) میں ہے۔ للقاضی ان یفرض

النفقة لزوجه الغائب مدة سفر حيث تركها بلا نفقة ولا منفق ويأمرها
بالاستدانة لترجع على الزوج اذا حضر بعد حلفها ان الغائب لم يعطها النفقة
ولا كانت ناشزة ولا مطلقة مضت عدتها واقامتها بينة على النكاح ان لم يكن القاضي
عالماً به تقبل البينة للقضاء بالنفقة لا بالنكاح وهذا على قول زفر وهو المفتى به

اگر زوج تنگدست ہو اور خود حاضر ہو کر طلاق دینے سے انکار کرے تو ایسی
صورت میں فقہا احناف نے ربناً ضرورت شافعی المذہب قاضی سے
تفریق کے متعلق فتویٰ لینے کی اجازت دی ہے پس صورت مسئولہ میں
چونکہ زوج غائب اور مالدار ہے اس لئے زوجہ کو چاہئیے کہ نفقہ کے
موافق کسی سے قرضہ دلانیکے متعلق قاضی یا حاکم عدالت کے پاس دعوے
پیش کرے البتہ مطالبہ قرضہ کے وقت حاکم عدالت زوج کے نام
اس کے مقام اور سکونت پر ڈگری روانہ کرسکتا ہے جس کی تعمیل شرعاً
حاکم عدالتِ مقام مذکور پر لازمی ہے جیسا کہ ہدایہ اخیرین کے صفحہ (۱۳۸)
میں مذکور ہے۔ ویقبل کتاب القاضی الی القاضی فی الحقوق۔
پس زوجہ کو ایسی حالت میں بدون طریقۂ مذکور اختیار کرنے یا زوج سے
طلاق لینے کے تفریق کی کوئی صورت نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

علمائے شرع متین مندرجہ مسائل میں کیا فرماتے ہیں۔

(۱) کھانا کپڑا مرد پر شرعاً واجب ہے یا نہیں۔

(۲) عورت کو خاوند کے گھر تصدیع و تکلیف ہو تو عورت جہاں رہتی ہے وہاں جانا مرد پر واجب ہے یا نہیں؟

(۳) عورت کو بے اجازت شوہر کے اپنے ماں اور ماموں وغیرہ محرموں سے ملنے کا حق ہے یا نہیں جس حال میں کہ حق ہے اگر شوہر ملنے ملانے سے بند رکھتا ہے تو اس کا بند رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب مرقوم ہو۔

الجواب

(۱) زوجہ کا کھانا کپڑا اور مکان جس کو شرع میں نفقہ کہتے ہیں زوج پر واجب ہے۔ فتاوی ردالمحتار شامی صفحہ (۶۶۱) میں ہے۔

(هي الطعام والكسوة والسكنى) (فتجب للزوجة على زوجها)

(۲) خاوند پر واجب ہے کہ زوجہ کو اپنے عزیز و اقارب سے علیحدہ مکان میں رکھے۔ درصورت نہ رکھنے کے اگر زوجہ اپنے ماں باپ کے پاس چلی جائے تو وہ شرعاً نافرمانی نہیں ہے بلکہ وہ حق پر گئی ہے اس لئے زوج پر اسکا نفقہ اسی مقام پر پہونچانا لازم ہے فتاوی ہندویہ جلد ۱ صفحہ (۱۴۴) میں ہے۔ يجب على الزوج اسكان زوجته مسكنا منفردا عن اهله واهلها فلا تكون المسكن الذي معاهله شرعيا حتى لم تكن منفردة فيه

فيمرافق وعلى علىحدة وبا مساعها من السكنى فيماد كرلا بعد باسرة ولو لم يتحقق الضرر منهم مع الاختلاط فيجب لها النفقة مع امساعها من السكنى معهم على هذا الوجه ولو مكنت في بيت اهلها فيفرضها القاضي لان امساعها بحق والحال هذه۔

پس صورت مسؤلہ میں جبکہ اس کو تکلیف ہے تو بدرجہ اولیٰ اُس کا علیحدہ رہنا مناسب اور موافق شریعت ہے اور ایسے وقت میں جبکہ نفقہ بھی اسکو بحکم قاضی دلایا جارہا ہے تو خاوند کو بھی بیتوتت یعنے رات کو رہنے کے لئے جانا چاہیئے۔ کیونکہ خاوند پر عورت کو محصنہ رکھنا واجب ہے تحصین کے یہ معنے ہیں کہ عورت کی خواہش نفسانی پوری کردیجائے ایسا نہو کہ اُس کے دل میں شہوت کی زیادتی اور خاوند کی مقاربت نہ کرنے سے دوسرے مرد کی خواہش پیدا ہو اور عاصمہ کی حد سے نکلکر زانیہ بنجائے اسلئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ خاوند پر لازم ہے کہ چوتھے دن اپنی عورت سے مقاربت کیا کرے۔ اور اگر اس میں کمی یا زیادتی کی ضرورت ہے تو حسب ضرورت تاخیر و تعجیل بھی کرسکتا ہے چنانچہ احیاء العلوم کی جلد ۲ صفحہ (۳۳) میں ہے۔ وینبغی ان یاتیها في كل اربع ليال مرة فهو اعدل اذ عدد النساء اربعة فجاز التاخير الى هذا الحد نعم ينبغي ان يزيد او ينقص بحسب

حاجتها فی التحصن فان تحصنها واجب علیه وان کان

لایثبت المطالبه بالوطأ فذلک بعتبر المطالبه والوفاء بها

بلکہ اگر مرد تحصین قایم کرنے کی نیت سے زوجہ کے ساتھ مقاربت کیا کرے تو

شرعاً یہ ثواب اخروی کا مستحق ہے چنانچہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۲۲۸)

کتاب النکاح میں ہے قوله ویثاب ان نوی تحصینا ای منع نفسه و نفسها عن الحرام

(۳) عورت کو اپنے والدین و دیگر محرموں سے بغیر اجازت زوج کے

ملنے اور ان کے گھر جانے کا حق حاصل ہے چنانچہ صاحب ردالمحتار

جلد (۲) صفحہ (۶۸۲) میں بحر کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ فی البحر انه الصحیح

المفتی به من انها تخرج للوالدین فی کل جمعة باذنه وبدونه

وللمحارم فی کل سنه باذنه وبدونه مگر اس کو یہ حق اوس وقت حاصل

ہے جبکہ والدین و دیگر محارم اس کے پاس بوجہ پیری وغیرہ نہیں آسکتے ہوں

اگر وہ خود یہاں آسکتے ہوں تو ایسی صورت میں صاحب ردالمحتار

ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق عورت کے نہ جانے کو مذہب حق

تحریر فرماتے ہیں۔ کیونکہ عورت کے باربار جانے میں فتنہ کا دروازہ

کھل جاتا ہے۔ اور خصوصاً جبکہ عورت جوان ہو تو اور بھی اندیشہ کا محل ہے

چنانچہ اسی بناپر صاحب ردالمحتار کی یہی رائے ہے کہ عورت والدین سے

ہر جمعہ کو نہ ملا کرے۔ بلکہ خاوند کو یہ چاہیے کہ موقعہ موقعہ پر جب کبھی جانیکی

ضرورت محسوس ہو اجازت دیتا جائے چنانچہ ردالمختار میں صفحہ ۶۸۲ میں ہے

وعن ابی یوسف فی النوادر تقیید خروجها بان لایقدرا علی اتیانها

فان قدر الاتذهب وهو حسن پھر اس کے ایک سطر بعد لکھا ہے

والحق الاخذ بقول ابی یوسف اذا کان الابوان بالصفة التی

ذکرت والا ینبغی ان یاذن لها فی زیارتهما فی الحین بعد الحین

علی قدر متعارف اما فی کل جمعة فهو بعید فان فی

کثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصاً اذا کانت شابة والزوج

من ذوی الهیات بخلاف خروج الابوین فانه ایسر واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بالغہ لڑکی کی شادی کے واسطے جہیز کا سامان اور اسباب تیار کیا مگر کسی قسم کی رسم اور شادی ہونے کے قبل زید کا انتقال ہوگیا ایسی صورت میں اسباب جہیز مذکور کیا ورثہ میں تقسیم ہونے کے قابل ہے یا لڑکی کے نامزد ہونے سے اُسی کی ملک ہو جائیگی۔ اور دوسری لڑکی نابالغہ موجود ہے۔

بینوا توجروا

الجواب

صورت مسئولہ میں جبکہ زید نے لڑکی کو اس اسباب کا مالک نہیں بنایا ہے

اور ہبہ بھی نہیں کیا ہے۔ تو بیشک یہ زید کا متروکہ ہے۔ اس میں زید کے تمام ورثہ شریک ہیں۔ فتاویٰ حمیدیہ مطبوعہ مصر جلد (۱) صفحہ ۱۴۴ انگریزی

(سئل) فی رجل له بنت بالغة مکلفة هیأ لها اشیاء من المصاغ والنحاس وغیره وبعد ان یسلمه لها وبدفعه لها ودفع الجهاز عند تزویجها من زوج مات قبل ان یملکه لها وقبل ان تتزوج احدًا من الازواج فهل یکون ذلک میراثًا بین ورثته حیث لم یهبه لها (الجواب) نعم یکون ما ذکر میراثًا عن الاب حیث لم تثبت البنت المذکورة تملیکه لها من ابیها حال صحته بالوجه الشرعی والله اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چچیری بہن کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شرعاً چچا، خالہ، ماموں اور پھوپی کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے جواز پر یہ دلیل بتائی گئی ہے کہ آیت تحریم میں محرمات بیان کئے جانے کے بعد واحل لکم ما وراء ذلکم وارد ہے جس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ چچا، خالہ، ماموں، اور پھوپی زاد بہنیں محرمات کے ماوراء ہونے کی وجہ سے حلال ہیں جیسا کہ فتاوی شامی جلد ۲ صفحہ (۲۸۵) کے حاشیہ پر درالمختار میں ہے۔ واما عمة عمه امه وخالة خالة

ابنۃ حلال کبنت عمہ وعمتہ وخالہ وخالتہ لقولہ واحل لکم ماوراء ذالکم

پس جبکہ شرعاً چچازاد بہنوں سے بربنائے آیت کریمہ ۔ واحل لکم ماوراء ذالکم نکاح کرنا جائز ہے ۔ تو ان کی لڑکیوں سے بھی اسی آیت کریمہ کی بنیاد پر بدرجہ اولے نکاح کرنا جائز ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

الاستفتاء

(۱) ہندہ اپنے شوہر کی سخت گیری و ناجائز مظالم سے ناراض ہوکر کسی حیلہ سے برضامندی شوہر اپنی بہن کے گھر گئی ۔ اور پھر بخیال انتظام دفع مظالم وغیرہ خاوند کے گھر جانے سے ناراض ہے ایسی صورت میں کیا وہ نان ونفقہ اپنی بہن کے گھر پانیکی مستحق ہے یا نہیں ۔

(۲) کیا وہ ایسی صورت میں اپنے مہر کی نالش کرسکتی ہے اور مہر کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں ۔ خاوند نے علانیہ یہ الفاظ یعنے حرامزادی ناک کاٹ ڈالونگا کہے ۔ اس کی نسبت شرع سے کیا تدارک ہوسکتا ہے

(۳) جو زیور کہ اُس کے جسم پر تھا ہنگامہ کرکے بلا رضامندی خاوند نے لے گیا ہے ۔ کیا وہ زیور واپس ملسکتا ہے یا نہیں

الجواب

(۱) زوجہ اگر اپنے خاوند کے گھر سے اُس کے ناجائز مظالم وایذارسانی کی وجہ سے اپنے اہل میں چلی جائے تو شرعاً اُس کو ناشزہ یعنے

نافرمان نہیں کہا جاتا۔ ایسے موقعہ میں زوجہ کو چاہیئے کہ حاکم کے پاس فریاد کرے اور حاکم کو چاہیئے کہ زوج کو تنبیہ کرے اور معاشرۃ حسنہ یعنے نیک چلنی سے رہنے کے متعلق خدا کا خوف دلائے۔ اور ناحق مارپیٹ کرنے سے اس کو منع کرے۔ اگر زوج ان امور پر عند القاضی اقرار کرلے اس کے بعد زوجہ اُس کے پاس جانے سے بلا وجہ انکار کرے تو ایسی صورت میں ناشزہ یعنے نافرمان سمجھی جائیگی۔ جیسا کہ فتاوی مہدویہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۴ کی عبارت ذیل سے مفہوم ہوتا ہے۔ (سئل) فی امرأۃ خرجت من بیت زوجہا بسبب اضرار زوجہا لہا وایذائہ لہا الا انذلو الکلی وضربہ لہا فہل یؤمر بحسن المعاشرۃ معہا بتقوی اللہ العلی العظیم ویمنع عن ضربہا بغیر حق واساءتہا واذا طلبہا بعد ذلک وامتنعت عنہ بغیر حق یکون ناشزۃ (اجاب) نعم یؤمر بحسن معاشرتہا وتؤمر بطاعتہ واللہ اعلم۔

پس جبکہ زوجہ زوج کے مکان سے بدون اپنے قصور کے زوج کے ستانے اور اذیت دینے سے گئی ہے تو شرعاً اُس کا نفقہ تا تنبیہ و ہدایت زوج پر واجب ہے۔ ہدایہ مجتبائی کے صفحہ ۴۲۲ میں کہ ہے۔ وکل فرقۃ جاءت من قبل المرأۃ بمعصیۃ مثل الردۃ وتقبیل ابن الزوج فلا نفقۃ لہا بخلاف ما اذا جاءت الفرقۃ من قبلہا بغیر معصیۃ کخیار العتق وخیار البلوغ والتفریق لعدم الکفاءۃ لانہا حبست نفسہا بحق وذلک لا یسقط النفقۃ کما اذا حبست نفسہا لاستیفاء المہر

(۲) زوجہ ایسی حالت میں بیشک مہر کے پانیکی مستحق ہے۔ کیونکہ مہر شرعاً

زوجہ کے مرتد ہونے یا ابن زوج کا بوسہ لینے سے باطل ہوتا ہے اور یہاں
یہ صورتیں پائی نہیں جاتیں زوج نے زوجہ کو حرامزادی جو کہا ہے شرعاً
تعزیر کا مستحق ہے شرح وقایہ مطبوعہ نور علی صفحہ ۱۶۸ میں یا مرقوم ہے ومن
قذف مسلماً بیا فاسق او یا حرامزادہ عزر اسیطرح سے کنز وغیرہ
دیگر کتب فقہ میں ہے۔ تعزیر کی کیفیت کہ کس طرح کی جاتی ہے یہ حاکم کی
رائے پر رکھی گئی ہے کہ جس حیثیت کا آدمی ہے اسیطرح اس کی تعزیر کیجائے
فتاوی درالمختار برحاشیہ ردالمختار جلد ۳ صفحہ ۱۸۴ میں مرقوم ہے۔(ف)
التعزیر لیس فیہ تقدیر بل ہو مفوض الی رأي القاضی) وعلیہ مشائخنا
زیلعی لان المقصود منہ الزجر واحوال الناس فیہ مختلفۃ بحر۔
(۳) جو زیور کہ زوجہ سے چھین لیا ہے اگر وہ زوج کا ذاتی ہے اور اس نے
زوجہ کو ہبہ یا بمعاوضہ مہر نہیں دیا ہے تو وہ زوج کی ملک ہے اسمیں
زوجہ کا کوئی حق نہیں عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ میں سطور ہے۔ اذا بعث الزوج
الی اہل زوجتہ اشیاء عند زفافہا منہا دیباج ولما زفت الیہ اراد ان یسترد من
المرأۃ الدیباج لیس لہ ذلک اذا بعث الیہا علی وجہ التملیک کذا فی الفصول
العمادیۃ اور اگر زوجہ کے ماں باپ نے جہیز میں دیا ہے تو ایسی صورتیں
زوجہ کی ملک ہے اس میں زوج کا کوئی حق نہیں۔ زوج کا زوجہ کی ناراضی
سے بغیر حق قبضہ کرلینا غصب ہے زوجہ اس کے واپس لینے کی مستحق ہے
واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا دعوےٰ یہ ہے کہ بغرض زیارت وملاقات اپنی لڑکی کو داماد کے نزدیک سے اپنے مکان کو بلائی اور ہندہ کا داماد کہتا ہے کہ حسب شرع شریف وہ خود آکر میرے مکان پر زیارت وملاقات کرے۔ ہندہ کے مکان پر روانہ کرنے میں کئی نقصان ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ اس کا مکان ذاتی نہیں ہے جہاں وہ رہتی ہے صحبت اچھی نہیں ہے۔ پس ایسی حالت میں عندالشرع کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا؟

الجواب

درصورت صدق بیان مستفتی شرعاً زوجہ کو ماں باپ سے ہر جمعہ میں ملنے کی اُس وقت اجازت دی گئی ہے۔ جبکہ والدین اُس کے پاس آنیکی طاقت وقدرت نہیں رکھتے ہوں درمختار برحاشیہ ردالمحتار جلد (۲) صفحہ ۶۸۲ میں ہے ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین) فی کل جمعۃ ان لم یقدرا علی اتیانها علی ما اختارہ فی الاختیار اور جبکہ والدین خود آسکتے ہیں تو زوجہ کو وہاں جانیکی ضرورت نہیں چنانچہ ردالمحتار کے اُسی صفحہ میں ہے۔ نعم ما ذکرہ الشارح اختارہ فی فتح القدیر حیث قال وعن ابی یوسف فی النوادر تقییدا خروجها بان لا یقدرا علی اتیانها فان قدرا لاتذهب وهو حسن۔ اور صاحب ردالمحتار

ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو حق بتاتے ہوئے اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ ہر جمعہ میں زوجہ کے باہر نکلنے سے فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے اور خصوصاً جبکہ عورت جوان ہو اور بھی محل فساد ہے ایسی حالت میں زوج اُسکو موقعہ موقعہ پر عرف بلد کے موافق اُس صورت میں اجازت دے جبکہ والدین اس کے پاس آنے کی طاقت نہیں رکھتے ہوں کیونکہ والدین کا اس کے پاس آنا آسان اور باعث فساد نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کے جانے میں فتنہ کا دروازہ کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ ردالمحتار کے جلد ۲ صفحہ ۶۸۲ میں ہے۔ والحق الاخذ بقول ابی یوسف رح اذا کان الابوان بالصفة التی ذکرت ولا ینبغی ان یاذن لھا فی زیارتھما فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف اما فی کل جمعة فھو بعید فان فی کثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصاً اذا کانت شابة والزوج من ذوی الھیآت بخلاف خروج الابوین فانہ ایسر پس صورت مسئولہ میں جبکہ ہندہ جہاں رہتی ہے۔ وہ مقام مناسب نہیں ہے اور وہاں کی صحبت ٹھیک نہیں ہے تو زوج کو حق حاصل ہے کہ زوجہ کو وہاں جانے سے منع کرے۔ مناسب موقعہ دیکھکر اجازت دینے کی اُس وقت ضرورت ہے جبکہ والدین کو یہاں آنے کی طاقت وقدرت نہ ہو اور قدرت ہونے کی صورت میں اجازت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سامان جہیز بعد وفات زوجہ متروکہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

شرعاً سامان جہیز لڑکی کو اسکے باپ یا ماں یا اور کسی ولی جائز نے بروجہ تملیک یعنے اُس کی ملک گردان دیا ہو۔ تو ایسا سامان متروکہ ہے لڑکی کی وفات کے بعد اس کے جسقدر ورثہ ہونگے از روے حکم شرعی حصہ پائینگے۔ شرعاً سامان جہیز کے متعلق رواج ملک کا اعتبار کیا گیا ہے بعض ممالک میں جہیز عاریتاً دیا جاتا ہے۔ اور بعض میں تملیکاً اور بعض شہروں میں مشترک یعنے کچھ تو عاریتاً اور کچھ تملیکاً۔ حیدرآباد میں چونکہ لڑکیوں کو عموماً سامان جہیز کا مالک بنایا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں جہیز لڑکیوں کی ملک ہے۔ بلکہ شریعت میں تو عام طور پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ لڑکی کا باپ اگر شریف لوگوں سے ہے اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں نے جہیز لڑکی کو عاریتاً دیا ہے تو ہرگز اُس کا قول قابل اعتبار نہیں کیونکہ شریف لوگوں کے لئے اپنی اولاد کو شادی میں عاریتاً کوئی جہیز دینا معیوب ہے۔ فتاوی در مختار برد محتار جلد ۲ صفحہ ۳۷۵ میں ہے۔

جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها ولا لورثته

بعدہ ان سلمہا ذالک فی صحتہ بل تختص بہ وبہ یفتی فتاوی مہدویہ جلد (۱)

صفحہ ۱۵۲ میں ہے۔ قال فی الدر المختار جہز ابنتہ ثم ادعی ان ما دفعہ لہا

عاریۃ وقالت ہو تملیک او قال الزوج ذلک بعد موتہا لیرث منہ وقال الاب او ورثتہ

بعد موتہ عاریۃ فالمعتمد ان القول للزوج ولہا اذا کان العرف مستمرا ان الاب

یدفع مثلہ جہازا لا عاریۃ واما اذا کان مشترکا کمصر والشام فالقول للاب

کما لو کان اکثر مما یجہز بہ مثلہا والام کالاب فی تجہیزہا وکذا ولی الصغیرۃ

واستحسن فی النہر تبعا للقاضی خان ان الاب ان کان من اشراف الناس لم یقبل

قولہ انہ عاریۃ ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زوجہ کی تجہیز وتکفین زوجہ کے مالدار ہونیکی صورت میں

آیا اُس کے ذاتی مال سے کیجائے یا زوج کے ذمہ واجب ہے۔

الجواب

شرعاً زوجہ مالدار کیوں نہ ہو اُس کی تجہیز وتکفین کے مصارف زوج

کے ذمہ واجب ہیں اور یہ قاعدہ کلیہ بتایا گیا ہے کہ زندگی میں جس پر

نفقہ واجب ہے مرنے کے بعد اس پر تجہیز وتکفین بھی واجب ہے

درمختار برحاشیہ ردمحتار جلد (۱) صفحہ ۶۰۶ میں ہے۔ واختلف

فی الزوج والفتوی علی وجوب کفنہا علیہ وان ترکت مالاً

اور رد مختار کے اُسی صفحہ ۶۰۶ میں ہے والاصل فیہ ان من یحرم

علی نفسہ فی حیاتہ یحرم علیہا بعد موتہ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوجہ اگر بلا اجازت زوج کے زوج کی والدہ سے پوچھکر اپنے ماں باپ کے گھر چلی جائے۔ تو کیا یہ شرعاً نکاح سے خارج ہوگئی۔ اور اُس کا مہر باطل ہوگیا یا نہیں

بینوا توجروا

الجواب

زوجہ کے خاوند کے گھر سے بلا اجازت بدون حق شرعی باہر جانیکو نشوز کہتے ہیں اور ناشزہ نفقہ پانیکی مستحق نہیں ہے۔ فتاوی القرویہ جلد (۱) صفحہ (۱۱۱) کے حاشیہ میں فتاوی ابن نجیم سے منقول ہے۔

سئل عن النشوز واسقاط النفقة والكسوة اجاب هو الخروج عن محل الزوج بلا اذن

بغیر حق من فتاوی ابن نجیم فی النفقة اور اُسی جلد کے صفحہ ۱۱۱ میں ہے ولو نشزت فی حال

قیام النكاح من كل وجه لو تكن لها النفقة والسكنى فكذا اذا نشزت فی حال

قیام النكاح من وجه من المحل المرهون۔ شرعاً ناشزہ عورت کا نہ تو نکاح ٹوٹتا ہے اور نہ مہر سے محروم کی جاتی ہے۔ البتہ اگر مرتد ہو جائے یا اپنے سوتیلے لڑکے کا شہوت سے بوسہ لے تو اُس وقت مہر ساقط ہو جاتا ہے

فتاوی رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۳۳۹ سطر ۴ میں ہے۔ وافاد ان المهر

وجب بنفس العقد لکن مع احتمال سقوطه بردتها او تقبيلها

ابنه او تنصفه بطلاقها قبل الدخول۔ صورت مسئولہ میں

اگر زوجہ بربنائے ضرورت بلا اجازت خاوند کے والدین کے گھر گئی ہے

تو یہ ناشزہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ زوجہ کو بروقت ضرورت بلا اجازت

خاوند کے والدین سے ملنے کی اجازت دی گئی ہے۔ فتاوی بحر الرائق کے

جلد (۴) مطبوعہ مصر سطر ۵ صفحہ (۲۱۲) میں ہے۔ فعلى الصحيح

المفتى به تخرج للوالدين فى كل جمعة باذنه وبغير اذنه

ولزيارة المحارم فى كل سنة مرة باذنه وبغير اذنه۔

پس اسوقت زوجہ کا نہ نکاح فاسد ہوا اور نہ مہر ساقط ہوتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ منکوحہ مرگئی ناکح کے ذمہ

مہر واجب الادا ہے پس یہ مہر منکوحہ متوفاۃ کے متروکہ میں داخل ہے

یا نہیں بحوالہ کتب حنفیہ جواب ادا فرمائیے۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی زوجۂ متوفاۃ کا مہر شرعاً متروکہ ہے۔

جو حسب فرائض دیگر املاک کی طرح ورثہ پر تقسیم کیا جائیگا۔ فتاوی ہندیہ جلد (۱) صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ مصر میں ہے۔ تتأکد المهر بوت احد الزوجین فیکون ترکة تقسم بین ورثتها المفروضة التعریة جمیع ما یحتوی انه مملوک لها واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا نکاح خالد نابالغ سے بولایت والدین ہوا اب بغیر خلوت صحیحہ کے ہندہ بحالت نابالغی فوت ہوئی۔ ہندہ کا والد خالد کے والد سے ہندہ کا مہر طلب کرتا ہے کیونکہ خالد نابالغ اور نادار ہے۔ اور خالد کا والد مالدار ہے پس ہندہ کے والد کا یہ مطالبہ شرعاً درست ہے یا نہیں۔ بحوالۂ کتب حنفیہ جواب عطا ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ہندہ اگرچہ بدون خلوت صحیحہ کے فوت ہوئی ہے مگر ہندہ کا پورا مہر خالد کے ذمہ واجب الادا ہے کیونکہ شرعاً احد الزوجین کی وفات سے بھی مہر کامل واجب ہو جاتا ہے۔ درمختار بر حاشیہ رد المحتار جلد (۲) صفحہ ۴۳۹ باب المہر میں ہے۔ ویتأکد (عند وطء وخلوة صحت) من الزوج (او موت احدهما) چونکہ خالد نادار و مفلس ہے اسلئے اس کی زوجہ کے مہر کا مطالبہ اس کے والد سے کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

اگر بوقت نکاح خالد کا والد ہندہ کے مہر کا ضامن و ذمہ دار ہوا ہے تو ایسی حالت میں ہندہ کے والد کو خالد کے والد سے مہر کے مطالبہ کا حق حاصل ہے درمختار برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۳۶۶) باب المہر میں ہے۔

(ولا یطالب الاب بمہر ابنہ الصغیر الفقیر الا اذا ضمنہ)

فتاوی حمدویہ جلد (۱) صفحہ (۹۵) باب المہر میں ہے۔ لا یجبر الاب

الزوج الصغیر علی دفع صداق زوجۃ ابنہ المذکور من مال نفسہ

بدون کفالۃ شرعیۃ　واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کی بیوی حبیبہ بقید حیات عمرو کے نکاح میں موجود ہے اس وقت اگر عزیزہ کو جو حبیبہ کی حقیقی بہن کی لڑکی ہے۔ عمرو نکاح کرنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں

الجواب

درصورت صداقت مستفتی شرعاً اپنی زوجہ کے حین حیات زوجہ کی حقیقی بہن کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے شرح وقایہ جلد دوم صفحہ (۱۳)

مطبوعہ مجتبائی میں ہے۔ وحرم الجمع بین الاختین نکاحا وعدۃ

ولو من بائن ووطأ بملک یمین وبین امرأتین ایتہما فرضت

ذکرا لم یحل لہ الاخری۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایسے وقت میں کہ ہندہ اس کے نکاح میں موجود ہے۔ ہندہ کی علاتی بہن سلمہ سے نکاح کیا۔ اب ان دونوں سے کس کا نکاح باقی اور کس کا باطل ہے۔

ف اگر زید ہندہ کو طلاق دیدے تو آیا قبل اختتام عدت اس کی علاتی بہن مسماۃ سلمہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتے چونکہ زید نے ہندہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے اُس کی علاتی بہن سلمہ کو بھی اپنے نکاح میں لایا ہے۔ اس لئے سلمہ کا نکاح شرعاً فاسد و باطل ہے۔ پس زید پر واجب ہے کہ سلمہ سے علیحدہ ہوجائے اور اگر قاضی کو اس کا علم ہو تو قاضی پر واجب ہے کہ ان دونوں کو علیحدہ کردے۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری جلد (۱) صفحہ ۲۷۰ میں ہے۔

وان تزوجهما فى عقدين فنكاح الاخيرة فاسد ويجب

عليه ان يفارقها ولو علم القاضى بذلك يفرق بينهما

اگر زید سلمہ سے نکاح کرکے وطی ہی کرلیا ہے۔ تو ایسی حالت میں سلمہ کو عدت طلاق تین حیض کامل اور درصورت حمل تا وضع حمل بیٹھنا ہوگا۔ اور اس عدت کے ختم تک زید کا ہندہ سے بھی وطی کرنا حرام ہوگا۔ اور بعد عدت جائز

اگر زید نے محض سلمہ سے نکاح کیا ہے۔ اور وطی نہیں کی ہے تو ایسی حالت میں ہندہ سے وطی کرنا جائز ہے فتاوی رد المحتار جلد (۲ صفحہ ۲۹۳) میں ہے

ولو علم فهو الصحيح والثاني باطل وله وطئ الاولى الا ان يطاء

الثانية فتحرم الاولى الى انقضاء عدة الثانية۔

ف ۲ چونکہ ہندہ بحالت عدت زید کے نکاح میں من وجہ باقی رہتی ہے اس لئے قبل اختتام عدت بھی اُس کی علاتی بہن سلمہ سے نکاح حرام ہے

چنانچہ بحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ میں ہے۔ (وحرم تزوج اخت

معتدته) وشمل الاخت نسبا ورضاعا۔ واللہ اعلم بالصواب

کتاب الرضاع

الاستفتاء

کلثوم اپنے خالہ زاد بھائی زید کا دودھ زید کی والدہ زینب سے پی ہے اب زید کے چھوٹے بھائی عمر سے کلثوم کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

جائز نہیں کیونکہ عمر کلثوم کی مرضعہ کے فروع سے ہے عالمگیری جلد اول

صفحہ ۳۴۳ یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولہما وفروعہما

من النسب والرضاع جمیعاً جامع الرموز صفحہ ۲۱۸ میں ہے یحرم علی الرضیع

ہما
اولادہما واولادہا واولادہ المتقدمہ والمتاخرۃ لانہم اخوۃ واخوات لہ من قبل الام والاب او واحد

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

اگر کوئی شخص اپنی عورت کا دودھ بلا ضرورت اپنے استعمال میں لائے یعنی خود نوش کرے تو اُس کے متعلق کیا حکم ہے۔ کوئی ظرف میں نکالکر پینے سے کیا ہوتا ہے۔ اور پستاں کو منہ لگاکر پینے سے کیا۔

الجواب

مرد اگر اپنی عورت کا دودھ بے ضرورت نوش کرے تو اُس پر عورت حرام نہیں ہوتی۔ فتاوائے قاضی خاں باب الرضاع صفحہ (۴۱۸) میں ہے۔

اذا مص الرجل ثدی امراتہ وشرب لبنہا لم تحرم علیہ امراتہ لما قلنا انہ لا رضاع بعد الفصال۔ مگر شیر خوار بچوں کے سوائے ہو مرد یا عورت آدمی کو آدمی کا دودھ چاہے اپنی عورت کا ہو یا غیر کا ضرورتاً ہو یا بے ضرورت استعمال کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ درمختار برحاشیۂ ردالمحتار جلد (۲) صفحہ (۴۱۳) مطبوعہ مصر میں ہے۔ ولو بعد الفطام محرم وعلیہ الفتوی یعنے ایام شیرخواری کے بعد عورت کا دودھ پینا حرام ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دو حقیقی بہن ہندہ۔ وکلثوم زید و بکر کی زوجہ ہیں یعنے ہندہ زید کی زوجہ ہے اور کلثوم بکر کی زید کو چار فرزند ہیں اور بکر کی لڑکی کا دودہ زید کا فرزند صغیر ایام رضاعت میں پیا ایسی صورت میں زید کا فرزند اول اُس لڑکی کو بیاہ کر سکتا ہے یا نہیں۔ بیبوا نوجروا

الجواب

صورت مسئولہ میں زید کے فرزند اول کا نکاح بکر کی لڑکی سے جائز ہے کیونکہ یہ لڑکی زید کے فرزند اول کے چھوٹے بھائی کی رضاعی بہن ہے جس سے شرعاً نکاح درست ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد (۱) صفحہ (۳۴۳) میں ہے

وتحل اخت اخیہ رضاعاً الخ کذافی الکافی واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے جس کی عمر پچاس سال ہے۔ اپنے نواسے اور پوتی کے منہ میں انکی ماں مرنے کے بعد اپنے پستان دینا شروع کیا۔ شان آلہی سے اُسمیں دودہ اُتر آیا۔ یہ دونوں پینے لگے۔ اس وقت ایک کی عمر دو سال تھی اور دوسرے کی دو سال دو مہینے۔ پس ایسی صورتمیں کیا رضاعت

ثابت ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

صورت مسئولہ میں رضاعت ثابت ہے۔ ان دونوں کا نکاح حرام ہے
کیونکہ شرعاً ضعیفہ عورت جس کی عمر سن ایاس کو پہونچگئی ہے۔ اُس کے
دودھ پلانے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ فتاوائے درمختار
برحاشیہ رد المحتار مطبوعہ مصر صفحہ (۴۱۳) میں ہے۔ الرضاع هو
لغة بفتح وكسر مص الثدي وشرعاً مص من ثدي آدمية ولو بكراً او ميتة
او آيسة واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے زنا کیا اسکے
بعد ہندہ نے خالد سے نکاح کیا اور ایک لڑکا بھی ہوا۔ جس کا دودھ کریمہ کو
پلایا اب زید زانی کا کریمہ سے نکاح درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

زید کا نکاح کریمہ سے درست ہے اگرچہ فتاوی خلاصہ میں بذریعہ عبارت
(ولو كان من الزنا وارضعت بلبن الزنا يحرم على الزاني)
یہ تصریح کی گئی ہے کہ زانیہ اگر زنا سے حاملہ ہو اور نکاح کا دودھ کسی لڑکی کو
پلائے تو وہ لڑکی زانی پر حرام ہے۔ مگر صاحب فتح القدیر نے

ان کے اس قول کی اس بناپر تردید کی ہے کہ صاحب خلاصہ کا قول
کتب مشہورہ کے ایک مسلمہ مسئلہ کے خلاف ہے کیونکہ کتب
مشہورہ میں یہ بات ثابت ہے کہ غیر زوج کے دودھ سے دودھ پی ہوئی
لڑکی مرضعہ کے موجودہ زوج پر حرام نہیں ہے۔ جب ایک زوج
کے دودھ سے دودھ پی ہوئی لڑکی مرضعہ کے دوسرے زوج کے لئے
جائز ہے تو پھر صاحب خلاصہ کا یہ کہنا کہ غیر لبن زنا سے دودھ پی ہوئی
لڑکی زانی کے لئے حرام ہے۔ مردود و غیر مقبول ہے۔ کیونکہ یہ امر مسلم ہے
جب متن فتوے کا کوئی قول مشہور شرح کے خلاف ہو تو
اس شرح کے خلاف میں متن کا قول قبول نہیں کیا جاتا بلکہ رد کیا جاتا ہے
چنانچہ فتاوی شامی جلد (۲) مطبوعہ مصر صفحہ (۴۲۲) میں فتح القدیر سے
منقول ہے۔ وان ما فی الخلاصة من انها لو ارضعت لا بلبن
الزانی تحرم على الزانی مردود لان المسطور فی الکتب المشهورة
ان الرضيعة بلبن غير الزوج لا تحرم على الزوج كما تقدم
فی قوله طلق ذات لبن الخ وكلام الخلاصة يقتضی تحريمها
بالاولى وما فی الفتاوی اذا خالف ما فی المشاهير من الشروح
لا يقبل منحة الخالق على بحر الرائق جلد (۳) صفحہ (۲۴۳)
میں ہے۔ اقول ما قاله فی الخلاصة رده فی فتح القدير

بانہ خالف لما فی الکتب المشہورۃ لانہ یقتضی تحریم بنت

المرضعۃ بلبن غیر الزوج علی الزوج بطریق اولیٰ یعنی ان

المنصوص علیہ فی الکتب المشہورۃ انہ لوکان اللبن لغیر الزوج

لا یحرم الرضیعۃ علی الزوج وقول الخلاصہ لو ارضعت لا بلبن الزنا

یحرم علی الزانی یقتضی خلاف المسطور فی الکتب المشہورۃ فہو مردود

پس صورت مسئولہ میں بربنائے روایات کتب مشہورہ زانی کا مزنیہ کی رضاعی لڑکی سے جسنے زوج کے دودھ سے دودھ پیا ہے نکاح کرنا جائز ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی لڑکی مریم کا دودھ زینب کی لڑکی فاطمہ اور کلثوم کا لڑکا عمرو دونوں نے پیا اب عمرو کا بھائی زید از زینب کی لڑکی یعنے مسماۃ فاطمہ کے ساتھ شادی کرنا چاہے تو اُس کا عقد جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

چونکہ زینب کی لڑکی فاطمہ زید کے نسبتی بھائی عمرو کی رضاعی بہن ہے بنابریں فاطمہ کا نکاح زید کے ساتھ شرعاً جائز ہے۔ فتاویٰ درمختار حاشیہ ردالمحتار جلد (۲) صفحہ (۴۱۸) میں ہے۔ (وتحل اخت اخیہ رضاعاً)

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو بیبیاں ہیں حمیدہ اور محمودہ۔ محمودہ نے حمیدہ کے نواسے حامد کو اور حمیدہ کی دوسری لڑکی سے نواسی سماۃ علیمہ ان ہر دو کو دودھ پلایا اب حامد کا نکاح علیمہ کی دوسری بہن حلیمہ سے شرعاً درست ہے یا نہیں۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی زید حامد کا رضاعی باپ ہے۔ اور رضاعی باپ کے جس قدر فروع نکلیں وہ رضاعی بیٹے پر حرام ہیں۔ پس صورت مسئولہ میں چونکہ حلیمہ زید کے فروع سے ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ حامد کا نکاح حرام ہے۔ جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد ۱ صفحہ (۳۴۳) میں ہے۔ ویحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا حتى ان المرضعة لو ولدت من هذا الرجل او غيره قبل هذا الارضاع او بعده او ارضعت رضيعا او ولد لهذا الرجل من غير هذه المرأة قبل هذا الارضاع او بعده او ارضعت امرأة من لبنه رضيعا فالكل اخوة الرضيع واخواته واولادهم اولاد اخوته واخواته واخو الرجل عمه واخته عمته واخو المرضعة خاله واختها خالته وكذا في الجد والجدة انتهى۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ زید نے چھ ماہ کی عمر میں ہندہ کا دودھ سعیدہ کے ساتھ نوش کیا اور اس وقت سعیدہ کی عمر ساڑھے تین سال کی تھی کیا ہندہ کی تیسری یا چوتھی یا پانچویں لڑکی سے زید کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی ہندہ زید کی مرضعہ یعنے دودھ پلانیوالی ہے اور مرضعہ کی تمام اولاد شرعاً رضیع یعنے دودھ پینے والے پر حرام ہے۔ بنابریں ہندہ کی تمام اولاد زید پر حرام ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۳۴۳ میں ہے۔ ویحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعاً۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الحج

الاستفتاء

عورت کا حج بدل مرد ادا کرے تو جائز ہے۔ یا اس کے لئے عورت کی ضرورت ہے

اور افضلیت کس میں ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

مرد عورت کے جانب سے حج بدل ادا کرسکتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک شخص نے اپنی والدہ کی جانب سے جو مرگئی تھیں۔ حج کرنیکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تھی آپ نے اس کو اجازت دی چنانچہ محیط سرخسی کے صفحہ (۱۹) میں ہے۔

ولو احج الوارث عنه رجلا او حج عن نفسه سقط عن الميت حجة الاسلام انشاء الله لما روى ان النبي صلى الله عليه وسلم ساله رجل وقال ان امى ماتت ولم تحج افاحج عنها فقال عليه السلام نعم۔

بلکہ مرد ہی حج بدل ادا کرے تو اولے و افضل ہے۔ عورت کا حج بدل ادا کرنا مکروہ ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ حج بدل ادا کرنے والا حج کیا ہوا ہو اگر نہیں کیا ہے تو بھی دوسرے کے جانب سے حج بدل ادا کرسکتا ہے اور افضل یہ ہے کہ یہ شخص عاقل بالغ حر اور حج کے طریق و ارکان سے واقف ہو۔

جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد ا صفحہ ۲۵۷ والافضل للانسان اذا اراد ان يحج رجلاً عن نفسه ان يحج عن نفسه ومع هذا لو احج رجلا لم يحج عن نفسه حجة الاسلام يجوز عندنا وسقط الحج عن الامر كذا في المحيط السرخسي وفي الكرماني الافضل ان يكون عالماً بطريق الحج وافعاله ويكون حرا عاقلا بالغا كذا في غاية السروجي

شرح الهداية ولو احج عن امرأة او عبد او امة باذن السيد جاز ويكره

هكذا في المحيط السرخسي رد المختار شامي صفحہ (۲۴۷) جلد (۲) وعلل

في الفتح الكراهة في المرءة بما في المبسوط من ان حجها انقص اذ لا رمل

عليها۔ ولا سعي في بطن الوادي ولا رفع صوت بالتلبية ولا حلق

والله اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص حج وعمرہ کی ایک ہی نیت کیا۔ اور میقات یلملم سے احرام باندھا۔ ایسے احرام سے داخل مکہ معظمہ ہوکر حسب قاعدہ سات طواف کیا بعد صفا ومروہ دوڑا احرام باقی رکھکر عرفات کو گیا۔ شب کو منا میں رہ کر صبح کو حلق کرکر احرام کھولدیا۔ ایسی حالت میں سب احکام حج وعمرہ کے ادا ہوئے یا نہیں۔ حاجی کو شبہ ہوا کہ میرا عمرہ باقی ہے بعد حج کے پھر نیت عمرہ کی باندھکر مسجد عمرہ کو گیا ہے۔ احرام بھی نیت کے ساتھ دوسرا باندھا اور عمرہ بھی لایا۔ مگر یہ بعد حج اور ایام تشریق کے ہوا۔ پس بیان فرمادیں کہ عمرہ وحج جو اول ادا ہوا صحیح ہے یا نہیں۔ کیا دوسری نیت سے احرام باندھنا ضروری تھا اور ان دونوں صورت میں حج اُس کا پورا ہوا یا کیسا حج کا نقص رہا۔ یا دم دینا لازم آیا۔ یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سب سے پہلے قافلہ مکہ معظمہ میں پہنچتے ہی جو طواف ادا کیا جاتا ہے اسکو شرعًا
طواف قدوم کہتے ہیں۔ اور دسویں تاریخ کو منا سے خانۂ کعبہ میں آکر جو طواف
ادا کیا جاتا ہے۔ اُسکو طواف رکن اور طواف زیارت کہتے ہیں اس
طواف کے بعد حجاج پھر منا کو رمی جمار کے لئے واپس چلے جاتے ہیں۔
منا میں رمیِ جمار سے فارغ ہونے کے بعد جب حجاج اپنے مکان کو واپس
ہوتے ہیں تو بوقت واپسی و رخصت اُن پر پھر خانۂ کعبہ کا
طواف واجب ہے جس کو طواف صدر کہتے ہیں۔ صورت مسئولہ میں
یلملم سے جو ایک ساتھ حج و عمرہ کی نیت ہے اسکو شرعًا حج قران کہا جاتا ہے
اور ایسے حاجی کو قارن کہتے ہیں اور قارن پر واجب ہے کہ اولًا عمرہ کیلئے
طواف وسعی کرے۔ اوس کے بعد مناسک حج کو شروع کرے۔
اگر کوئی قارن حج کے لئے پہلے طواف وسعی کرلے اور عمرہ کے لئے
بعد کرے تو پہلے جو طواف وسعی کیا ہے۔ وہ عمرہ کے لئے ہو جائیگا
اور دوسرا حج کے لئے ہوگا۔ اور اس نے جو نیت کی تھی کہ پہلا طواف وسعی
حج کے لئے ہے۔ اور دوسرا عمرہ کے لئے اُس کی یہ نیت لغو
اور بیکار ہوگی۔ جیسا کہ بحر الرائق جلد دوم مطبوعہ مصر باب القران صفحہ ۳۸۶
میں ہے یعنی یأتی با فعال العمرة اولاً من الطواف والسعی

بين الصفا والمروة والرمل في الاشواط الثلثة والسعي بين

الميلين الاخضرين ثم صلوة ركعتي الطواف ثم يأتي بافعال

الحج كلها بادياً بطواف القدوم وسعي بعده ان شاء

وهذا الترتيب اعني تقديم العمرة في افعال الحج واجب لقوله تعالى

فمن تمتع بالعمرة الى الحج جعل الحج غاية وهو شامل للقران والتمتع

كما قدمناه فافاد انه لو طاف اولاً للحجة وسعى لهما ثم طاف للعمرة وسعى لهما

فطوافه الاول وسعيه يكون للعمرة ونيته لغو صورت مسئولہ میں اگرچہ سائل نے

طواف قدوم وسعی وغیرہ حج کی نیت سے ادا کیا ہے۔ مگر بحکم شرع

وہ سب عمرہ کے لئے ہوجائیگا پس اگر سائل نے طواف زیارت میں رمل

کرلیا ہے۔ اور طواف زیارت کے لئے سعی صفا ومروہ بھی ادا کیا ہے

تو اُس کا عمرہ اور حج دونوں ادا ہو گئے۔ فتح القدیر شرح ہدایہ جلد دوم

مطبوعہ مصر صفحہ (۲۱۴) میں ہے۔ وان لم يطف لعمرته فما قدم مكة

بل طاف وسعي ينوي عن حجته ثم وقف بعرفة لم

يكن رافضاً لعمرته وكان طوافه وسعيه لهما وهو حل لم يطف للحج

فيرمل في طواف الزيارة ويسعى بعده طواف قدوم شرعاً سنت ہے

چنانچہ سیدھے عرفات کو چلے جانیکی صورت میں ساقط ہوجاتا ہے۔ بنابریں

جب طواف زیارت ادا کرلیا جائے تو اس کے فوت ہونے سے کوئی حرج

نہیں ہے۔ چنانچہ کنز کی کتاب الحج صفحہ ۲۳ میں ہے۔ من لم یدخل مکة ووقف بعرفه سقط عنه طواف القدوم اور اسی کے بین السطور عینی شرح کنز میں منقول ہے۔ ولا شئ علیه لان طواف الزیارة یغنی عنه کالفرض یغنی عن تحیة المسجد اور بحر الرائق جلد (۲) صفحہ (۳۶۹) میں ہے ولا شئ علیه بترکه لانه سنة ولان طواف الزیارة اغنی عنه اگر سائل نے طواف زیارت کرلیا ہے۔ تو اُس سے طواف قدوم ساقط ہوگیا۔ اور طواف زیارت کے بعد سعی صفا ومروہ نہیں کی ہے تو ایسی صورت میں البتہ اس کی سعی ترک ہوگئی اور ترک سعی کی صورت میں دم لازم آتا ہے۔ اور حج میں نقصان نہیں آتا جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد (۱) کتاب الحج مطبوعہ مصر صفحہ (۲۴۷) میں ہے۔ ومن ترک السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجه تام کذا فی الهدایة پس صورت مسئولہ میں سائل کا حج وعمرہ دونوں بربنائے روایت سابقہ کامل ہوگئے۔ البتہ اس کے ذمہ ترک سعی کی جنایت (دم) یعنے ایک بکری لازم آتی ہے پس سائل کو چاہئے کہ اس وقت جنایت میں ایک بکری ادا کردے۔ جنایت کفارہ ہے اور جسقدر کفارات ہیں اگرچہ ان کی ادائی تاخیر کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ مگر آخر عمر میں جبکہ اُس کو یہ معلوم ہوجائے کہ اگر اس کفارہ کو اس وقت ادا نہ کیا جائے تو اسکے ذمہ واجب رہجائیگا۔ پس ایسی حالتمیں اس کا ادا کرنا واجب ولازم ہے

اگر بدون ادا کئے مرجائے تو وہ شرعاً گنہگار ہوگا۔ اس وقت اس پر واجب ہے
کہ اپنے ورثا کو وصیت کردے۔ اگر بدون وصیت کئے مرجاوے تو ورثا پر اسکا
ادا کرنا واجب نہیں اگر وہ اپنی جانب سے تبرعاً ادا کریں تو جائز ہو جائیگا
جیسا کہ رد المحتار شامی جلد دوم مطبوعہ مصر صفحہ (۲۰۵) باب الجنایات
میں ہے (تنبیہ) فی شرح المقایة للقاری ثم
الکفارات کلها واجبة علی التراخی فیکون مؤدیا
فی ای وقت وانما یتضیق علیه الوجوب فی آخر عمره فی وقت یغلب
علی ظنه انه لو لم یؤده لفات فان لم یؤد فیه حتی مات أثم وعلیه
الوصیة به ولو لم یوص لم یجب علی الورثة ولو تبرعوا عنه جاز الا الصوم۔
پس بہتر یہ ہے کہ سائل خود بعجلت عجیلہ اس دم کو خود ہی ادا کر کے ذمہ سے
سبکدوش ہو جائے۔ سائل نے دوبارہ جو عمرہ کیا ہے وہ تبرع ہے
اس کی ضرورت نہیں تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت مرد کی جانب سے
حج بدل ادا کر سکتی ہے۔ یا نہیں۔ اور حج بدل کے لئے حج کیا ہو شخص
درکار ہے یا حج نہیں کیا ہوا بھی حج بدل کر سکتا ہے سوا توجروا

الجواب

حج بدل ادا کرنے کے لئے شرعاً مرد یا عورت حج کئے ہوئے شخص کی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ عورت اور حج نہیں کیا ہوا شخص بھی حج بدل ادا کرسکتا ہے۔ فتاوی درمختار بر ردمختار جلد ۲ صفحہ ۲۴۷ باب الحج عن الغیر میں ہے۔ (فجاز حج الصرورة) بمهلة من لم یحج (والمرأة ولو امة (والعبد وغیرہ) کالمراهق۔ مگر بہتر اور افضل یہ ہے کہ حج بدل کے لئے مرد اور حج کیا ہوا حر یعنی آزاد اور مسائل حج سے واقف شخص مقرر کیا جائے۔ اسی مقام پر درمختار میں ہے۔ وعدم اولی لعدم الخلاف اور ردمختار شامی میں ہے۔ وقال فی الفتح ایضا والافضل ان یکون قد حج عن نفسه حجة الاسلام خروجا عن الخلاف ثم قال والافضل احجاج الحر العالم بالمناسك الذی حج عن نفسه بلکہ فتاوائے فتح میں یہ صراحت کی ہے کہ جس شخص پر ایک دفعہ صحت اور سواری اور خرچ راہ واہل وعیال ادائی کے لئے حاصل ہوگیا تھا اور پھر اس نے حج نہیں کیا ہے۔ تو ایسے شخص کا غیر کے لئے حج بدل ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ چنانچہ اسی جگہ ردالمحتار میں ہے۔ ثم قال فی الفتح بعد ما اطال فی الاستدلال والذی یقتضیه النظر ان حج الضرورة غیرہ ان کان بعد تحقق الوجوب علیه

بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم

اور صفحہ (۲۴۸) میں ہے قال فی البحر والحق انها سرطة

على الامام لقولهم والافضل ان يحرمه على الضرورة

المأمور الذي اجتمعت فيه شروط الحج ولم يحج عن نفسه

لانه ابعد بالتاخير۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الطلاق

باب العدة

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے خاوند کا گاؤں سے ایک میل کے فاصلہ پر ذاتی باغ میں انتقال ہوا۔ اب ہندہ اس مقام میں تکمیل عدت کے لئے مقیم ہے مگر چونکہ باغ آبادی سے باہر واقع ہے جس سے ہندہ کو اپنے جان ومال کی حفاظت کا خوف ہے۔ اس لئے اگر گاؤں میں نیکے

ذاتی مکان میں اندرون عدت منتقل ہو جاوے تو کیا شرعاً جائز ہے یا نہیں

بینوا توجروا۔

الجواب

عدۃ والی عورت کو جب اپنی جان و مال کا خوف ہے۔ اور بدون نکلنے کے چارہ نہیں تو ایسی حالت میں اس کو مکان منتقل کرنے کی اجازت ہے فتاوی عالمگیری صفحہ ۵۲۳ جلد ۱ مطبوعہ مصر میں ہے۔

ان اضطرت الی الخروج من بیتھا بان خافت سقوط منزلھا

اوخافت علی مالھا فلا بأس عند ذلک ان تنتقل۔

واللہ اعلم بالصواب۔

باب الظہار

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میران شاہ درویش اور اس کی زوجہ دونوں بیمار تھے۔ اور ایسی حالت میں اس کا بچہ بھی فوت ہو گیا۔ اس اثنا میں زن و مرد کے درمیان جھگڑا و فساد واقع ہوا اور غصہ کی حالت میں مرد کی زبان سے یہ لفظ نکلا۔ کہ تو ماں ہے تشبیہ

کسی اجزا محرمہ سے نہیں دی اور نہ عورت کو علیحدہ کرنیکی غرض تھی۔
بے قصد فقط یہ لفظ کہا کہ تو ماں ہے۔ اوس وقت سے اب تک
ہر ایک علیحدہ ہیں۔ کیا وہ عورت اس پر حرام ہوتی ہے یا کفارہ
لازم آتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عورت کو ماں کہنے سے نہ تو ظہار ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ کفارہ لازم آتا ہے
اور نہ اس پر عورت حرام ہوتی ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد اول صفحہ (۵۰۷)
میں ہے۔ لوقال لها انت امی لا یکون مظاهراً الخ هكذا فی فتح
القدیر فتاوی ردالمحتار شامی جلد ۲ صفحہ ۵۸۹ میں ہے۔ واحترز به
عن نحو انت امی بلا تشبیه فانه باطل وان نوی۔ قائل کو چاہیئے کہ
آئندہ سے ایسے لفظ زبان سے نہ نکالے اس لفظ سے اگرچہ کوئی حرمت
نہیں آتی مگر یہ شرعاً مکروہ ہے۔ فتاوی درمختار [illegible] والمحتار
جلد ۲ صفحہ (۵۹۲) میں ہے۔ ویکره قوله انت امی ویا ابنتی
ویا اختی ونحوه اور فتاوے عالمگیریہ کے صفحہ ۵۰۷ میں ہے۔ وینبغی
ان یکون مکروها ومثله ان یقول یا ابنتی یا امی
ونحوه۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندہ کا نکاح زید سے ہوا۔ اور وہ بوقت نکاح بالغہ نہ تھی وہ کہتی ہے کہ بالغہ ہونے کے بعد میں شوہر کے ساتھ چار مہینے رہی۔ مگر خاوند بسبب عنین ہونے کے مجھ پر قادر نہ ہو سکا۔ اس لئے میں علیٰحدگی و مفارقت چاہتی ہوں اور زید کا بیان ہے کہ ہندہ جھوٹی ہے۔ بلکہ میں اس سے جماع کیا ہوں اور میں مرد ہوں زوجہ تہمت لگاتی ہے۔ اور جبکہ میں مرد ہوں پس کیونکر اپنی زوجہ کو علیحدہ کر سکتا ہوں۔ اس صورت میں ازروئے شریعت محمدی کیا کرنا چاہیئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جبکہ زوجہ کو زوج عنین اور غیر قادر ہونے کا دعویٰ ہے اور زوج اسکی تکذیب کرتے ہوئے اس کے ساتھ مجامعت کرنے کا اقرار کرتا ہے تو ایسی حالت میں زوجہ کو چاہیئے کہ قاضی یعنے حاکم عدالت کے پاس اپنا دعوے پیش کرے کیونکہ اس معاملہ میں مہلت وغیرہ دینے کا حق شرعاً حاکم عدالت کے سوائے کسی اور کو نہیں ہے۔ بحر الرائق جلد ۴

صفحہ (۱۳۵) مطبوعہ مصر میں ہے۔ قال فی الخانیۃ ایضا و باجل العنین

لا یکون الا عند قاضی مصر او مدینۃ فلا یعتبر تاجیل المرأۃ ولا تاجیل غیرها

عدالت میں دعوائے ہونے کے بعد اگر مابین زوج وزوجہ کے جماع میں اختلاف
ہو جائے۔ تو قاضی کو چاہئیے کہ جاننے والی عورتوں کو مقرر کر کے یہ حکم دے
کہ زوجہ کی حالت دیکھیں آیا وہ اس وقت ثیبہ ہے یا باکرہ۔ اگر
عورتوں کی تحقیق سے ثیبہ ثابت ہو جائے تو حاکم کو چاہئیے کہ زوج کو
اس طرح قسم کھلائے کہ (میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اس عورت
سے جماع کیا ہے۔) زوج کے قسم کہانے کی صورت میں زوجہ کو تفریق و فسخ
نکاح وتاجیل کا کوئی حق نہیں ہے۔ قاضی کو چاہئیے کہ زوجہ کو جواب دیدے
اگر زوج قسم کہانے سے انکار کرے۔ یا عورتوں کی تحقیق سے زوجہ باکرہ
ثابت ہو جائے تو ایسی حالتیں قاضی کو چاہئیے کہ زوج کو ایک سال ہلالی
مہلت دے تا کہ وہ اس درمیان میں زوجہ پر قادر ہونے کی سعی کرے
بعد ختم مدت حاکم کو چاہئیے کہ ان دونوں کو حاضر کر کے استفسار کرے
اگر زوج نے مجامعت کی ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ دونوں میں
تفریق کرادیجائے اور اگر دونوں میں اختلاف پیدا ہو یعنے زوج جماع
کرنے کا دعوے کرے اور زوجہ اُس سے انکار کرے تو ایسی حالتیں
حاکم کو چاہئیے کہ عورتوں کے ذریعہ سے دوبارہ تحقیق کرے کہ وہ ثیبہ ہے
یا باکرہ اگر ثیبہ ہے تو زوج کو اسیطرح سے قسم کھلائے جیسے پہلے ذکر ہوا
اگر زوج قسم کھالے تو اسی کا لحاظ کرے اور زوجہ کو عدم تفریق کے متعلق

جواب دیدے۔ اگر زوج قسم سے انکار کرے یا زوجہ بعد تحقیق باکرہ ثابت ہو تو زوجہ کو اختیار دیا جائیگا کہ یا تو تفریق کرے یا اسی کے ساتھ رہے اگر زوجہ تفریق چاہتی ہے تو قاضی کو چاہیئے کہ دونوں میں تفریق کرادے۔ اور اگر اسی کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو اس کو پھر تفریق کا حق حاصل نہیں ہے شرح وقایہ جلد (۲) صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ مجتبائی دہلی باب العنین میں ہے وان اختلفا وکانت ثیبا او بکرا فقد نظرت النساء فقلن ثیب حلف وان حلف بطل حقها وان نکل وقلن بکرا اجل ولو اجل ثم اختلفا فالتقسیم هنا کما مر وبطل حقها بعد ما حیث یبطل ثمه کما لو اختارته کنز الدقائق برحاشیہ بحر الرائق جلد (۲) کتاب العنین میں ہے۔ واجل سنة لو عنینا او خصیا فان وطئ والا بانت بالتفریق ان طلبت فلو قال وطئت وانکرت وقلن بکر خیرت وان کانت ثیبا صدق فه محلفه واختارته بطل حقها بحر الرائق جلد (۲) کتاب العنین میں ہے۔ وحاصله انها ان کانت ثیبا فالقول قوله فی الوطئ ابتداء وانتهاء مع یمینه فان نکل فی الابتداء یوجل سنة ولا یؤجله الا اذا ثبت عدم الوصول الیها وان نکل فی الانتهاء تخیر للفرقة۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید اور اس کی زوجہ

ہندہ میں چھ سال سے تعلقات خانہ داری بالکل مفقود ہیں اور یہ نزاع عقد کے چار ماہ بعد سے اب تک برابر چلی جارہی ہے علی ہذا النفقہ کی حالت بھی اس وقت سے یہ دیکھی جاتی ہے کہ مہینوں میں جاکر کبھی دو چار روپیہ دیا یا نہیں۔ اس حالت پر بھی عورت برداشت کی ہوئی تھی۔ ایک روز مجبور ہوکر عورت نے طلاق کی درخواست کی تو زید طلاق نامہ لکھنے بیٹھا۔ عورت جو الفاظ کہتی جاتی تھی زید بھی وہی الفاظ اپنے منہ سے ادا کرکے قلم سے کاغذ پر لکھتا جاتا تھا۔ جو اس وقت موجود ہے۔ اس کے قبل بھی کئی مرتبہ زبان سے لفظ طلاق استعمال کیا ہے۔ اور ایک دو دفعہ اسی طور سے لکھدیا ہے مستورات کو مسئلہ سے علم نہ ہونے کی وجہ وہ پرچہ گم ہوگیا معلوم نہیں اس میں کتنی طلاقیں مرقوم تھیں مگر بعض معتبر اشخاص گم شدہ طلاق نامہ کے گواہ ہیں اور موجودہ طلاق نامہ کے لکھتے وقت اُس مقام پر سوائے ہندہ کی بہن کے کوئی اور نہ تھا۔ اور وہ اس طلاق نامہ کی گواہ ہے۔ اور وہ اس بات کی بھی گواہ ہے کہ زید ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتا جاتا تھا۔ اور قلم سے لکھتا جاتا تھا۔ پس وہ الفاظ یہ ہیں تیرا اختیار ہے کدھر بھی جائیں تو چھوڑ دیا۔ اب پوچھنا کس کو ہے۔ اور میرا اختیار نہیں تو خود مختار ہے۔ میرا دعویٰ کچھ بھی نہیں۔ میرے سے کھانا کپڑا کچھ

نہیں ہوسکتا۔ طلاق دیا میرا تو ہوگیا۔ اس کے قبل بھی ایک طلاق نامہ لکھا گیا تھا۔ اُس کو بھی زید نے چاک کردیا۔ جس کا کچھ حصہ اس وقت موجود ہے۔ اس طلاق نامہ کو بھی لکھکر ہندہ کے حوالہ کرنے کے بعد کچھ وقفہ پر اُسکو چھین کر چاک کرنا چاہا جس کی کشمکش سے اکثر حصہ اُس کاغذ کا ہندہ کے ہاتھ رہگیا۔ اس آخری طلاق نامہ کے بعد سے ابتک اس قدر مدت گذری کہ جسمیں ہندہ تین حیض سے فارغ ہو چکی ہے پس ایسی صورت میں ہندہ پر کس قدر طلاقیں ہوئیں اگر ہوئیں تو کونسی طلاقیں ہوئیں رجعی ہوئیں یا بائن ہوئیں یا مغلظہ ہندہ زید کی زوجہ ہے یا نہیں۔ ہندہ کو زید سے مثل غیروں کے گوشہ ہونا چاہیئے یا نہیں

بینوا توجروا

الجواب

شریعت میں یہ لفظ یعنے تیرا اختیار ہے کدھر بھی جا (اِخْتَارِی) کے معنی میں ہے ۔ اور امیرا اختیار نہیں تو خود مختار ہے۔ (اَمْرُكِ بِیَدِكِ) کے معنے میں ہے ۔ اس قسم کے الفاظ جبکہ مذاکرہ طلاق کے وقت کہے جاتے ہیں تو ان کے لئے یہ حکم ہے کہ ہر ایک سے بلانیت ایک طلاق بائن ہوتی ہے در مختار بر حاشیہ رد المحتار جلد (۲)

صفحہ ۴۷۴ میں ہے۔ (الکنایات) لاتطلق بھا قضاءً الا بنیة

او دلالۃ الحال) وھی حالۃ مذاکرۃ الطلاق او الغضب (فنحو اخرجی

اذھبی وقومی وتقنعی وتخمری استتری یحتمل رد او نحو خلیۃ بریۃ حرام بائن

یصلح سبا او نحو اعتدی واستبری رحمک انت واحدۃ انت حرۃ اختاری امرک

بیدک سرحتک فارقتک لا یحتمل السب والرد ففی حالۃ الرضاء) ای غیر الغضب

والمذاکرۃ (تتوقف الاقسام علی نیۃ وفی الغضب الاولان وفی المذاکرۃ الطلاق الاول فقط)

ویقع بالاخیرین وان لم ینو لان مع الدلالۃ لا یصدق قضاء فی نفی النیۃ لانھا اقوی لکونھا ظاھرۃ والنیۃ باطنۃ

پس صورت مسئولہ میں جبکہ زوج نے اِن الفاظ کو عورت کے طلاق چاہنے پر زبان سے ادا کیا اور لکھ دیا ہے۔ اس لئے زوجہ پر لفظ (تیرا اختیار ہے کدھر بھی جا) سے طلاق بائن ہوئی اور اوس کے بعد اخیر میں (طلاق دی۔) جو کہا اُس سے ایک طلاق صریح واقع ہوئی۔ اور جب سابق میں بھی کئی دفعہ زبان سے طلاق کا لفظ ادا کیا گیا ہے اُس پر غور کیا جائے اگر سابق میں تین دفعہ صراحۃً طلاق کا لفظ ادا ہوا ہے تو ہندہ پر اوسی وقت طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ ایسی صورت میں دوبارہ پہلے شوہر سے نکاح کرنے کے لئے تحلیل یعنے دوسرے خاوند سے نکاح کرنیکی ضرورت ہے۔ اور اگر سابق میں ایک دفعہ یا دو دفعہ صراحۃً طلاق کہی گئی تھی۔ اور عدۃ ختم ہونے کے پہلے یہ طلاق نامہ لکھدیا گیا ہے تو پہلے وقت طلاق رجعی اور اس طلاق نامہ کے پہلے لفظ سے طلاق بائن

اور اخیر لفظ (طلاق دی) اس سے رجعی اس طرح تین طلاقیں واقع ہوئیں جو مغلظہ کی صورت ہے۔ کیونکہ طلاق رجعی کے بعد طلاق بائن اور بائن کے بعد رجعی ہو سکتی ہے۔ فتاوائے درمختار مطبوعہ مصر برحاشیہ ردالمحتار جلد (۲) صفحہ (۱۸۴) میں ہے۔ المصریح یلحق المصریح و) یلحق (البائن) بشرط العدۃ (والبائن یلحق المصریح لا) یلحق البائن (البائن) اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول مگر یہ ساری صورتیں ملحقات یعنی مکرر طلاق ہونے کی اسی وقت ہیں۔ جبکہ زوج یہ ساری طلاقیں طلاق اول یعنی سب سے پہلے طلاق کی عدت میں دے۔ اگر پہلی طلاق کی عدت ختم ہونیکے بعد مکرر طلاق دی ہے تو وہ طلاقیں بیکار ہیں۔ کیونکہ ختم عدت کے بعد زوجہ زوج کے نکاح سے خارج ہو جاتی ہے۔ اس لئے بعد والی طلاق بے محل ہیں۔ فتاوائے ردالمحتار کے جلد ۲ صفحہ ۴۸۱ عبارت سابق الذکر بشرط العدۃ کی شرح میں ہے۔ (قولہ لشرط العدۃ) ھذا الشرط لا بد منہ فی جمع صور الالحاق فالاولی تاخیرہ عنہا پس اس طلاق نامہ کی تحریر کے بعد اگر اس وقت تین مہینے دس روز گذر گئے ہیں تو زوجہ عدۃ سے بھی فارغ ہو گئی اب وہ زوج اول کے سوا جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے اس زوج سے اوس کو کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس کو اس سے گوشہ ہونا چاہئے

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا۔ اور بعد وفات اس کے دفتر میں زوجہ کے نام طلاق نامہ لکھا ہوا پایا گیا۔ کیا ایسی حالتمیں زوجہ وراثت سے محروم ہوگی۔ اور ورثہ اسکو حصہ دینے سے احتراز کر سکتے ہیں؟

الجواب

زوج کی وفات کے بعد اس کے دفتر میں جو طلاق نامہ پایا جاتا ہے اس سے زوجہ محروم الارث نہیں ہوتی اور نہ ورثہ اوسکو حصہ سے باز رکھ سکتے ہیں۔ بلکہ اس وقت بھی وہ حسب سہام شرعیہ اپنا پورا حصہ پانے کی مستحق ہے۔ فتاوائے حمادیہ جلد اول صفحہ ۲۲۹ میں ہے۔

سئل فی رجل مات و وجد مکتوبا بدفترہ بعد موتہ انہ طلق زوجتہ فھل اذا امتنعت الورثۃ من اعطاء الزوجۃ نصیبھا من الترکۃ بسبب ذلک لایجابون لذلک ویکون للزوجۃ شرعا اخذ نصیبھا من الترکۃ بطریق الارث الشرعی واخذ موخر صداقھا ومجرد ما وجد مکتوبا بالدفتر من الطلاق لایکون مانعا للزوجۃ من المیراث والامن موخر الصداق ولایسری علیھا حین کانت منکرۃ اجاب نعم۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق مغلظہ دی ہے۔ اور اس کے صلب سے ایک لڑکی مسماۃ زینب ایک سالہ موجود ہے۔ زید میں مقدرت نہیں ہے کہ مسماۃ زینب مذکورہ کا حق رضاعت وحضانت ادا کرے ایسے وقت میں زید کے کوئی قرابتدار بلا اخذ حق رضاعت وحضانت تبرعاً زینب کی پرورش کرنیکے مستحق ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی صورت مسئولہ میں زید کی مفلسی ومحتاجی کے ساتھ اگر زید کی مطلقہ زوجہ یعنے والدۂ زینب کو بھی مفت رضاعت وحضانت سے انکار ہے تو ایسی حالت میں زید کے وہ قرابتدار جن کو شرعاً حق حضانت حاصل ہے۔ مسماۃ زینب کی حضانت مفت ادا کرنے کی مستحق ہیں فتاوے انقرویہ جلد (۱) صفحہ (۱۰۰) کے حاشیہ میں فتاوائے امین الدین سے منقول ہے۔ صرح علماءنا ان العمہ لو طلبت بلا اجر یقال للام اما ان تمسکیہ بلا اجر او تدفعیہ بالعمۃ والظاھر ان العمۃ لیست بقید بل کل من لاحق لہ فی الحضانۃ کذلک فتاوائے واقعات المفتین صفحہ (۴۶) کے حاشیہ

میں بحرالرائق سے منقول ہے۔ والظاہر ان العمة لیست فدا

بل کل حاصه کذلك بل الخالة اولی لانها من قرابة الام

واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الاجارة

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فقہائے متقدمین نے موذن و معلم وحفاظ و پیش امام وغیرہ امور دین انجام دینے والے اشخاص کے لئے اجرت لینا ناجائز بتلایا ہے اور فقہائے متاخرین نے جائز رکھا ہے۔ پس غرض یہ ہے کہ وجوہ جواز کتب فقہیہ سے مع دلائل و حوالہ بیان کئے جائیں۔ اور یہ بھی ظاہر فرمایا جائے کہ متقدمین کے فتاوے عدم جواز اجرت کے متعلق منسوخ سمجھے جائیں یا کیا اور مذکورہ دو گروہ میں کس کے قول پر عمل کیا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب

فقہائے متاخرین نے تکمیل امور دینیہ پر اجرت لینے کو اس وجہ سے

جائز رکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں جو حضرات ان خدمات کو انجام دیتے تھے
ان کے لئے سلطنت کی جانب سے وظائف و انعام مقرر تھے۔
جس سے ان کے ضروریات معیشت میں کوئی تنگی نہیں واقع ہوتی تھی۔ بدیں وجہ
وہ اجرت لینے کو مکروہ جانتے تھے۔ اور حسبۃً للہ ان خدمات کی
انجام دہی ہوا کرتی تھی۔ صاحب عنایہ لکھتے ہیں۔ وقالوا انما کرہ
المتقدمون ذلک لانہ کان للمعلمین عطیات من بیت
المال فکانوا مستغنین عما لابد لہم من امر معاشہم وقد کان فی الناس
رغبۃ فی التعلم بطریق الحسبۃ ولم یبق ذلک موجودہ زمانہ میں
جبکہ ان حضرات کے لئے کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے اور نہ کوئی
تعلیم پانے والا بدون شرط گردانے ان کی خدمت کرتا ہے اگر حسبۃً للہ
اس کام کی انجام دہی کریں تو فکر معاش کے لئے کوئی اور ذریعہ اختیار کرنیکی
ضرورت پڑتی ہے۔ اور اگر معاش ہی کی فکر کی جائے تو ان امور کی انجام دہی
جو ضروریات دین سے ہیں۔ رہجاتی ہے اس لئے ان امور کی ادائی پر
اجرت لینے کو علمائے متاخرین نے جائز رکھا ہے لو یہ بات بتائی گئی کہ
اختلاف اوقات سے احکام شرع میں بھی اختلاف ہوجاتا ہے۔ چنانچہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ
کے زمانہ میں عورتیں مساجد میں نماز کے لئے آیا کرتی تھیں۔ مگر حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے بمقتضائے زمانہ اس کو موقوف کر دیا ۔ بنا بریں متاخرین اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں اور اس زمانہ کے بیشک امور شرعیہ پر اجرت لینا ناجائز تھا ۔ مگر موجودہ زمانہ میں بھی اگر اسی پر عمل رہے تو اکثر امور دین جیسے تعلیم قرآن وغیرہ مفقود و ناپید ہو جائینگے اس لئے امور دینیہ پر اجرت لینا جائز ہے ۔ اور اسی پر فتوے دیا گیا ہی

کفایہ شرح ہدایہ میں ہے ۔ وهم ائمة بلخ فانهم قد اختاروا قول اهل المدينة وقالوا ان المتقدمين من اصحابنا بنوا الجواب على ما شاهدوا في عصرهم من رغبة الناس في التعليم بطريق الحسبة ومروة المتعلمين في مجازاة الاحسان بالاحسان من غير شرط واما في زماننا فقد انعدم المعنيان جميعا فقلنا بجواز الاستيجار كي لا يتعطل هذا الباب ولا يبعد ان يختلف الحكم باختلاف الاوقات الا ترى ان النساء كن يخرجن الى الجماعات في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم واني بكر حتى منعهن من ذلك عمر وكان ما راه صوابا وكذا افتى بجواز الاجارة على تعليم الفقه وقال الامام خير احزم يجوز في زماننا للامام والموذن والمعلم اخذ الاجرة كذا في الروضة والذخيرة ہدایہ میں ہے وبعض مشايخنا استحسنوا الاستيجار على تعلم القران لانه ظهر التواني في

الامور الدينيه في الامتناع تضييع حفظ القرآن وعلم الفقه
اور تنقیح حامدیہ صفحہ (۱۲۶) میں ہے۔ والفتوى في زماننا على وجوب
الاجرة وجواز الاجارة لظهور التواني في الامور الدينيه ولانقطاع
وظائف المعلمين من بيت المال وقلة المروة في الاغنياء اما في ذلك
الزمان فانما كره اصحابنا ذلك لقوة حرصهم على الحسبة ووفور عطائهم في بيت المال
وكثرة المروة في التجار والاغنياء وكانوا مستغنين عن الاجرة نصاب الاحتساب من احوال آتيه
روایات سابقہ سے ظاہر ہے کہ امور دینیہ کی انجام دہی پر اجرت لینے کو
فقہا نے اس وجہ سے جائز رکھا ہے کہ اس زمانہ میں منجانب سلطنت
وقوم معلمین وغیرہ کے لئے کوئی معاش وآمدنی مقرر نہیں ہے اگر ان کو
اجرت نہ دیجائیگی تو اس کی انجام دہی نہ ہوگی۔ پس جن حضرات کو کہ متقدمین کے لئے
منجانب سرکار یا قوم معاش مقرر ہے یا خود وہ اپنے گھر کے آسودہ ہیں ایسے
اشخاص کے لئے ان امور پر اجرت لینا شرعاً ناجائز ہے۔ کیونکہ ابن ماجہ میں
عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قال
علمت ناسا من اهل الصفة القرآن والكتابة فاهدى الي رجل منهم قوسا
فقلت ليست بمال وارمي عنها في سبيل الله فسالت رسول الله صلى الله
عليه وسلم عنها فقال ان سرك ان تطوق بها طوقا من نار فاقبلها اور
اسی میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قال

علمت رجلا القرآن فاهدى الي قوسا فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله

عليه وسلم فقال ان اخذتها اخذت قوسا من نار فرددتها۔

یعنی عبادہ بن صامت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما نے تعلیم قرآن کے عوض میں قوس لی تھی جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قوس نار ہے گلے میں اس کی طوق ڈالی جائیگی بمجرد اس قول کے پھر واپس کردی گئی۔ اور ظاہر ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مکروہ جانتے ہیں پس صورت مسئولہ میں اجرت لینا اغنیا کے لئے مکروہ اور غریبوں کے لئے ضرورۃً جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الرھن والقرض

الاستفتاء

زید نے عمرو کو کچھ رقم اس شرط سے قرض دی کہ اگر مدت پر ادا کی جائے تو اصل رقم لیجائیگی۔ ورنہ بعد ختم مدت اصل رقم سے اسیقدر رقم بطور تاوان زیادہ دینا ہوگا پس اس طریقہ سے قرض دینا اور جرمانہ دینا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس طریقہ سے قرض دینا ناجائز اور تاوان لینا حرام ہے۔ کیونکہ اس قرض میں منفعت ذاتی مشروط ہے جو سود کے مشابہ ہونیکی وجہ سے حرام ہے جیسا کہ محیط سرخسی صفحہ ۱۹۸ میں ہے ولا یجوز قرض جر منفعة لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن قرض جر منفعة ولانہ یحصل لہ زیادة منفعة مالیة فیشبہ الربوا انتہی۔ اور در مختار صفحہ ۵۹۹ میں ہے۔ وفی الخلاصة القرض بالشرط حرام والشرط لغو وفی الاشباہ کل قرض جر نفعا حرام واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زمین کو (۵۰۰) روپیوں کے مقابل اور پانچ سال کے وعدہ سے عمرو کے پاس اس شرط پر رہن رکھا کہ اس کی کاشتکاری میرے متعلق رہیگی اور طرفین کی رضامندی سے یہ بات بھی طے ہوئی کہ مرتہن تحصیل سرکاری کامل یا نصف اور نصف اجرت کاشتکاری دیا کریگا۔ اور جو کچھ محاصل از قسم غلہ وغیرہ اس زمین سے حاصل ہوگا۔ اس میں نصف حصہ مرتہن کا ہوگا آیا اس طریقہ سے مرتہن کا سالانہ نصف حصہ لینا علاوہ ان پانچسو روپیہ (۵۰۰) کے جو ختم مدت رہن پر لئے جائینگے جائز ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مرتہن کا نصف حصہ حاصل زمین مرہونہ سے لینا اگر رہن کے وقت
شرط ٹھیرایا گیا ہے۔ یعنی راہن و مرتہن دونوں اس بات کو جانتے ہیں
کہ یہ نصف حاصل زمین دینے کی شرط پر مرتہن نے راہن کو رقم دی ہے
اور اگر یہ شرط نہ کی جاتی تو رقم نہ ملتی۔ پس ایسی صورت میں یہ رقم مرتہن کے
لئے حرام ہے۔ اور رہن ناجائز۔ کیونکہ یہ صورت قرض بالمنفعتہ کی ہے
جو شرعاً سود ہونیکی وجہ سے حرام ہے۔ فتاوے شامی جلد (۵) مطبوعہ مصر
صفحہ (۳۲۰) میں ہے۔ شو رابب فی جواھر الفتاوے

اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ وھو
ربا والا فلا باس اور اگر یہ نصف یہ حصہ شرط نہیں ٹھیرا ہے
بلکہ راہن نے مرتہن کے لئے بخوشی تمام بلا کسی مجبوری کے مباح کردیا ہے
اور اجازت دیدی ہے تو ایسی صورت میں مرتہن کا اس سے فائدہ اٹھانا
جائز ہے۔ درمختار برحاشیہ ردالمحتار جلد ۵ صفحہ (۳۲۰) میں ہے۔

(لا الانتفاع بہ مطلقا) حالا باستخدام ولا سکنی ولا لبس
ولا اجارۃ ولا اعارۃ سواء کان من مرتھن اور اھن (الا باذن) کل للآخر
مگر اس صورت کو بھی فقہا نے بربنائے احتیاط مکروہ تحریر کیا ہے اور
یہ وجہ بتائی ہے کہ اس میں ربوا یعنے سود کا شبہ اور شائبہ ہے۔

جیسا کہ حموی شرح اشباہ والنظائر مطبوعہ مصطفائی صفحہ (۳۱۰) میں ہے

والاحتیاط فی الاحتراز عنہ فلیتأمل لما فیہ من شبہۃ الربوا۔

اور یہی عبارت فتاوی ابراہیم شاہی قلمی صفحہ (۱۲۵) میں بھی ہے۔ اور اگر مرتہن نے راہن کے اس مباح کردہ نفع کو اس بنا پر قبول کیا ہے کہ یہ اس رہن کا نفع ہے۔ اگر راہن اس کو میرے لئے مباح نہ کرتا تو میں اسکو ہرگز رقم نہ دیتا۔ پس یہ صورت بعینہٖ شرط کی صورت ہے جو سابق میں ناجائز بتائی گئی ہے۔ فتاوی ردالمحتار شامی جلد (۵) مطبوعہ مصر صفحہ (۳۲۰) میں ہے۔ والغالب من احوال الناس انہم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراہم وہذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وہو مما یعین المنع۔

زمین مرہونہ کا خراج یعنے محصول سرکاری راہن کے ذمہ ہے کیونکہ اس کی مملوکہ ہے اور جو کچھ اس کی حفاظت وبقاء کے مصارف ہونگے وہ شرعاً راہن ہی کے ذمہ رہینگے۔ درمختار برحاشیہ ردالمحتار جلد (۵) مطبوعہ مصر صفحہ (۳۲۳) میں ہے۔ (ومؤنۃ الرہن والخراج) والعشر (علی الراہن) والاصل فیہ ان کل ما یحتاج الیہ لمصلحۃ الرہن بنفسہ وتبقیتہ فعلی الراہن لانہ ملکہ۔ اور جو چیز کہ شرعاً راہن کے ذمہ پر ہے۔ اگر بدون حکم راہن کے مرتہن اسکو ادا کردے۔ تو یہ مرتہن کا

احسان ہے۔ راہن کو اس کا ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۴ میں ہے۔ وکل ما وجب علی احدھما فاداہ الآخر کان متبرعاً۔ اگر راہن یا قاضی کے حکم سے مرتہن نے اسکو ادا کیا ہے تو راہن پر اس کا ادا کرنا واجب ہے۔ فتاوای عالمگیری جلد ۵ کتاب الرھن صفحہ ۵۱۴ میں ہے۔ ولو ادی المرتھن ما یجب علی الراھن بامر القاضی او بامر صاحبہ رجع علیہ وکذلک الراھن اذا ادی ما یجب علی المرتھن بامر القاضی او بامر صاحبہ یرجع علیہ کذا فی الظھیریۃ۔ پس صورت مسئولہ میں از روئے شرع شریف سرکاری محصول ادا کرنے کا راہن مستحق ہے اور جب راہن نے مرتہن کو ادائی محصول سرکاری کی اجازت دی ہے تو ایسی صورت میں بعد ادائی محصول مرتہن کو حق ہے کہ راہن سے ادا کر لے اجرت کاشتکاری راہن ہی کے متعلق ہے۔ کیونکہ زمین مرہونہ میں کاشتکاری کرنیکا راہن ہی مستحق ہے بلکہ مرتہن اگر اس زمین میں اپنی طرف سے بیج بوئے تو رہن باطل ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ فتاوی ردالمحتار شامی جلد (۵) سطر (۶) صفحہ (۳۴۴) میں فتاوای بزازیہ سے منقول ہے۔ وان اخذ المرتھن الارض مزارعۃ بطل الرھن لو البذر منہ ولو من الراھن فلا۔ لہذا مرتہن زمین مرہونہ میں زراعت کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اور اس پر

نہ تو محصول سرکاری لازم ہے اور نہ اجرت کاشتکاری بلکہ یہ سارے کام راہن کے ہیں۔ اور وہی اس کا مستحق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ زید اپنی ایک چیز عمرو کے پاس بمعاوضہ رقم رہن رکھوایا۔ زید نے کچھ دن بعد رقم ادا کر دی۔ اور ابھی شئے مرہونہ واپس لینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ طغیانی سے عمرو کا مکان منہدم ہو گیا۔ اب عمرو کا بیان ہے کہ شئے مرہونہ بھی اس میں تلف ہو گئی ایسی صورت میں ایا عمرو پر اس کا تاوان دینا شرعًا واجب ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب

صورت مسئولہ میں جبکہ زر رہن ادا کر دیا گیا ہے اور شئے مرہونہ واپس نہیں لی گئی تو ایسی حالت میں شئے مرہونہ عمرو کے پاس امانت ہے اور امانت کے متعلق شرعًا یہ حکم ہے کہ جب امین نے اس شئے کی اپنے مال کی طرح حفاظت کی ہے اور عمداً تلف نہیں کیا۔ پس اس پر اس کے تلف ہونے سے تاوان نہیں آتا البتہ اس کو اس بات پر حلف کرنا ہوگا کہ شئے مرہونہ باوجود کامل حفاظت کرنے کے میرے پاس سے تلف ہو گئی۔ رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ کے کتاب الودیعۃ صفحہ (۱۸۵) میں ہے

اتفق الائمه علي ان الوديعة من القرب المندوب اليها

وان فی حفظها تو ابا وانها امانه محضه وان الضمان لایجب
علی المودع الا بالتعدی وان القول قوله فی السلم والرد علی
الاطلاق مع یمینه ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

کتاب الحظر والاباحۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ شریعت میں کیا ہے۔
بینوا توجروا۔

الجواب

عقیقہ مباح ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد ۵ صفحہ (۳۶۲) میں ہے۔
العقیقه عن الغلام مباحه لا سنه ولا واجبه۔ فتاوی شامی جلد ۵ کتاب الاضحیۃ
صفحہ (۲۲۱) میں ہے۔ تو یحق عند الحلق عقیقۃ اباحۃ علی ما فی الجامع
المحبوبی او تطوعا علی ما فی شرح الطحاوی واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ میں ہڈیوں کا توڑنا جائز
ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عقیقہ میں ہڈیوں کا توڑنا نہ توڑنا دونوں مباح ہے۔ فتاوی شامی جلد (۵) صفحہ (۲۲۱) میں ہے۔ سواء فرق لحمها نيئا وطبخه بحموصة او بدونها مع كسر عظمها والله اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ کے لئے کوئی تاریخ معین ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

عقیقہ ولادت سے ساتویں روز کرنا چاہئیے فتاوی عالمگیری صفحہ (۳۶۲) جلد (۵) میں ہے العقيقة عن الغلام وعن الجارية وهي ذبح شاة في سابع الولادة والله اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نام کس وقت رکھنا چاہئیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یوم ولادت سے ساتویں روز نام رکھنا مستحب ہے۔ فتاوی شامی جلد (۵) صفحہ (۲۲۱) میں ہے۔ يستحب لمن ولد له ولد ان يسميه يوم أسبوعه۔ والله اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

لڑکے یا لڑکی کی حجامت کرکے سر کے بالوں کو چاندی سے وزن کرکے فقیروں کو دینا لازمی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حجامت کے بعد بالوں کو چاندی یا سونے سے وزن کرکے فقرا کو دینا مستحب ہے۔ فتاوی شامی جلد ۵ صفحہ (۲۳۱) میں ہے۔ ویستحب ان یحلق راسہ ویتصدق عند الائمۃ الثلاثۃ بزنۃ شعرہ فضۃ او ذھبا۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا عقیقہ میں وہی شروط ہیں جو قربانی میں ہوا کرتے ہیں۔ مریض و عیب دار بکری سے عقیقہ ہوگا یا نہیں اگر کر دیا جائے تو قبول ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

جو شروط کہ قربانی میں ہیں وہی عقیقہ میں بھی ہیں۔ شامی جلد ۵ صفحہ (۲۲۱) میں ہے۔ (وھی شاۃ تصلح للاضحیۃ) پس اگر مریض یا عیب دار بکری سے عقیقہ کیا جائے تو قبول نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

قرآن شریف کی اوراق گردانی انگشت کو لب لگا کر کرنے کے متعلق کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

آدمی کا تھوک شرعاً پاک ہے البتہ وہ شخص جسکے منہ میں دنبل ہو گیا ہو یا منہ سے خون و پیپ نکلتا ہے یا منہ میں پھوڑا ہو گیا ہے۔ یا کوئی ایسا مرض ہے جس سے منہ میں سخت و ناگوار بو آتی ہے یا شراب خوار ہے تو ایسے شخص کا تھوک نجس ہے عینی شرح بخاری مصری باب البصاق والمخاط صفحہ ۹۴۶ جلد اول میں ہے

الزاق طاہر ان کان من فوطاہر واما اذا کان من فم من شرب
الخمر ینبغی ان یکون نجسا فی حالۃ شربہ لان
سورہ فی ذلک الوقت نجس فکذلک بصاقہ وکذا اذا
کان من فم من فی فمہ جراحۃ اودمل یخرج منہ دم او قیح

بنا برین اگر وہ شخص جس کے منہ میں امراض سابقہ سے کسی قسم کا مرض ہو اگر ضرورت کے وقت لب لگا کر قرآن شریف کے اوراق گردانے تو مضائقہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

علم منطق و حکمت جس کے اصول دین کے خلاف ہیں۔ اور جسکے موجدین

ملحدان یونان ہیں اور اس کا ترجمہ عربی میں کیا گیا ہے آیا اس علم کا عربی زبان سے پڑھنا یا مدرسین سے پڑھوانا جائز ہے یا نہیں اور جس مدرسہ میں ایسے علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ اس میں مدد کرنا یا لوگوں کو اس کی نسبت ترغیب دینی جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز نہیں ہے تو ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

جو علوم کہ سنت نبوی کے مخالف ہیں اور جن سے انسان کے ذہن میں اعتقادات فاسدہ اور مذاہب باطلہ کی تائید ثابت ہوتی ہے۔ ایسے علوم کا پڑھنا پڑھانا لکھنا سنانا یا اس کی تائید کرنی بالکل ناجائز ہے۔ جامع الرموز کشوری کے صفحہ (۲۴۴) میں تحفۃ المسترشدین سے منقول ہے اہ لایجوز ان یتعلم

و یتعلم و یستمع و یکتب کل علم ضد السنۃ کالنحو و نقص اللہ یو، کا قاویل

یعرد بھا الفلاسفۃ او یقرر للدرس الباطل المعتقد الفاسد بنا برین فلسفہ کا وہ حصہ جس میں حکمائے توحید و ذات باری کے متعلقات سے بحث کی ہے ان لوگوں کے لئے جنکو ان اقوال کے دیکھنے کے بعد عقائد اسلامی میں خلل واقع ہونیکا اندیشہ ہے۔ قطعاً حرام ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ فلسفہ مستقل علم نہیں ہے بلکہ اس کے چار جزو ہیں جسمیں ہندسہ و حساب بھی ایک جزو ہے۔ اور منطق دوسرا جزو ہے یہ دونوں علم کلام میں شریک ہیں بقدر ضرورت انکا سیکھنا ان لوگوں کے لئے

درست و مباح ہے جن کو ان کے سیکھنے کے بعد اپنے عقاید دین میں کسی قسم کا خلل واقع ہونیکا اندیشہ نہیں ہے فتاوائے شامی جلد ۱ صفحہ (۳۱) میں ہے (قوله والفلسفه) هو لفظ یونانی و تعریبه الحکمۃ المموهة ای مزینة الظاهر فاسدة الباطن کالقول بقدم العالم وغیره من المکفرات فی المحرمات وذکر فی الاحیاء انها لیست علماً برأسها بل هی اربعة اجزاء احدها الهندسة والحساب وهما مباحان ولا یمنع منهما الامن یخاف علیه ان یتجاوزهما الی علوم مذمومه والثانی المنطق وهو بحث عن وجه الدلیل وشروطه وهما داخلان فی علم الکلام۔

پس جبکہ بقدر ضرورت علوم حکمیہ کا پڑہنا درست اور مباح ہے تو اس کو مدرسوں کے ذریعہ تعلیم دلوانا اور اس مدرسہ کی جہاں اسی قدر تعلیم ہوتی ہے تائید کرنا بھی درست ہے کیونکہ امر مباح کی تائید بھی مباح و درست ہے البتہ علوم فلسفہ کو اس حد تک پڑہنا کہ جس میں پڑہنے والے کے عقائد بگڑتے اور اسلام کے منافی اصول ذہن نشین ہوتے ہیں حرام وکفر ہے۔ درمختار برحاشیہ ردالمحتار جلد ۱ صفحہ (۳۱) میں ہے وحرام وهو علم الفلسفة والشعبذة والتنجیم والرمل وعلوم الطبائعیین والسحر والکهانة فتاوائے عالمگیری جلد ۵ صفحہ (۲۷۸) میں ہے وعلم یجب الاجتناب عنه وهو السحر وعلم الحکمة والطلسمات

پر ان معتقدات کے موافق اعتقاد رکھنے والا شرعاً کافر ہے اور جن مدارس میں ان کی اس طریقہ سے تعلیم دیجاتی ہے تائید کرنی حرام ہے اور تائید کرنے والا عند اللہ گنہگار ہے کیونکہ کفر و حرام کی تائید بھی شرعاً کفر و حرام ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

علم دین معاش حاصل کرنے کے لئے سیکھنا جائز ہے یا نہیں اور کونسے علم کا پڑھنا جائز ہے۔ اور کہاں تک۔ بینوا توجروا۔

الجواب

علم دین اپنی حاجت کے موافق پڑھنا فرض عین ہے اور اپنی حاجت سے زیادہ مسلمانوں کے نفع پہونچانیکی غرض سے پڑھنا فرض کفایہ ہے اور اسمیں اچھی طرح ملکہ اور کمال پیدا کرنا مستحب ہے درمختار برحاشیہ ردالمحتار جلد (۲) صفحہ (۳۰) میں ہے۔ واعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین وھو بقدر مایحتاج الیہ فی دینہ وفرض کفایۃ وھو مازاد علیہ لنفع غیرہ ومندوباً وھو التبحر فی الفقہ وعلم القلب علوم دینیہ کو نیک نیتی سے پڑھنا تمام نیکیوں میں افضل ہے اسیطرح علم کی زیادتی میں بھی کوشش کرنا سب پر فضیلت رکھتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اس کی طلب میں اپنے فرایض میں نقصان نہ ڈالے بلکہ اپنے فرایض کی تکمیل بھی کرتا جائے۔ اور اس میں کوشاں رہے۔

نیک نیتی کے یہ معنی ہیں کہ علم خالص خداتعالیٰ کے احکام اور معرفت اور
آخرت کے کام آنے کے لئے پڑھے۔ اور دنیا طلبی اور عزت وجاہ واسباب
مطلوب نہ ہو اگر کوئی شخص محض جہل سے نکلنے اور لوگوں کے نفع پہنچانے
اور علم کو باقی رکھنے کی نیت سے پڑھے۔ اور ثواب اُخروی
ومعرفت الٰہی اس سے مقصود نہ ہو تو اسکو بھی بعض فقہا نے نیک نیتی
میں شمار کیا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری کے جلد ۵ صفحہ (۳۷۸)
میں فتاوی وجیز کردری سے منقول ہے۔ طلب العلم والفقه
اذا صحت النية افضل من جميع اعمال البر وكذا الاشتغال
في زيادة العلم اذا صحت النية لانه اعم نفعا لكن
بشرط ان لا يدخل النقصان في فرائضه وصحة النية ان
يقصد وجه الله تعالى والآخرة لا طلب الدنيا والجاه ولو اراد الخروج
من الجهل ومنفعة الخلق واحياء العلم فقيل تصح النية ايضا
كما في الوجيز للكردري۔

اور جو لوگ اس طریقہ سے اپنی نیت درست کرنے پر قادر نہیں ہیں اور
اس سے منافع دنیوی چاہتے ہیں تو ان کے لئے اس فعل پر کوئی
اُخروی ثواب مرتب نہیں ہے۔ البتہ ان کے لئے اس کو ترک کردینے
سے پڑھنا افضل ہے شاید کہ اس کے مشغلہ سے ان کی نیت درست ہوجائے

اور دنیا کے ساتھ آخرت کا ثواب بھی ہاتھ آجائے فتاوی عالمگیری کے جلد (۵) صفحہ (۳۷۸) میں فتاوائے غرائب سے منقول ہے۔ وان لم یقدر علی الصحیح السنة والتعلیم ادصل من ترکہ کذا فی الغرائب۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

زبان انگریزی جو اہل کتاب یعنے نصاریٰ کی زبان ہے اس کا سیکھنا سکھانا یا سیکھنے سکھانے میں کوشش کرنا بغرض حصول معاش جائز ہے یا نہیں فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے کسی صحابی کو تحصیل زبان اہل کتاب کے لئے حکم فرمایا ہے۔ یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مشکوٰۃ شریف کے صفحہ (۳۹۹) باب السلام میں ترمذی سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کے لئے حکم فرمایا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود کی جو تحریریں حضرت کے پاس آتی تھیں وہ سریانی زبان میں ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے ان کے جواب اور سمجھنے میں اکثر یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں زبان کی لاعلمی سے کچھ کمی و زیادتی واقع ہو جائے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کے متعلق ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ارشاد مبارک کے بعد نصف مہینہ بھی کامل نہیں گذرا تھا۔

کہ زید نے سریانی زبان سیکھ لی اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب
کبھی یہود کے پاس کچھ لکھنا ہوتا یا ان کا خط پڑھنا ہوتا تو آپ ہی لکھتے
اور پڑھتے تھے چنانچہ مروی ہے۔ عن زید بن ثابت قال
امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتعلم السریانیۃ
وفی روایۃ انہ امرنی ان اتعلم کتاب یہود وقال انی ما آمن یہود
علی کتاب قال فما مرّ بی نصف شہر حتی تعلمت
فکان اذا کتب الی یہود کتبت واذا کتبوا الیہ
قرأت لہ کتابہم رواہ الترمذی۔

پس اس حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ ضرورت کے وقت غیر زبان کا
سیکھنا درست ہے کیونکہ زبان کے سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ
جس زبان کے سیکھنے سے دین میں کوئی حرج یا نقصان ہوتا ہے بیشک اس کا
سیکھنا ناجائز ہے زبان غیر کا حاصل کرنا بھی ایک علم ہے اور حصول
معاش اور قوام دنیا کے لئے جو علوم کارآمد ہیں ان کا سیکھنا انسان پر
شرعاً فرض کفایہ ہے بنابریں طب[۱]۔ حساب[۲]۔ نحو[۳]۔ لغت[۴] یعنے
زبان کا علم۔ کلام[۵]۔ قرارت[۶]۔ علم میراث[۷]۔ کتابت[۸]۔ معانی[۹]۔ بیان[۱۰]
صناعی[۱۱]۔ باغبانی[۱۲]۔ جواہر تراشی[۱۳]۔ فصادی[۱۴]۔ جو علوم کہ انسان کو دنیوی
منفعت پہونچاتے ہیں۔ ان کا پڑھنا۔ اور سیکھنا انسان پر فرض ہے۔

فتاوی شامی جلد ا صفحہ (۳۰) میں فتاوی تبیین المحارم سے منقول ہے

قال فی تبیین المحارم واما فرض الکفایة من العلم فهو کل علم لا یستغنی عنه فی قوام امور الدنیا کالطب والحساب والنحو واللغة والکلام والقراءة واسانید الاحادیث وقسمة الوصایا والمواریث والکتابة والمعانی والبدائع والبیان والاصول ومعرفة الناسخ والمنسوخ والعام والخاص والنص والظاهر وکل هذه آلة لعلم التفسیر والحدیث وکذا علم الآثار والاخبار والعلم بالرجال واسامیهم واسامی الصحابة وصفاتهم والعلم بالعدالة فی الروایة والعلم باحوالهم لیتمیز الضعیف من القوی والعلم باعمارهم واصول الصناعات والفلاحة کالحیاکة والسیاسة والحجامة

پس انگریزی زبان یا اور کوئی زبان جبکہ اوسمیں دین کا کوئی خلل نہیں ہے انسان کو حصول معاش کے لئے اوس کا سیکھنا جائز ہے بنابریں مولانا عبد الحی لکھنوی علیہ الرحمہ مجموع الفتاوی کے صفحہ (۲۹۱) میں تحریر فرماتے ہیں

انگریزی پڑہنا اور زبان سیکھنا جائز ہے بشرطیکہ منجر تخلل دینی کی طرف نہ ہو

حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

عربی کے سوا دوسری زبان میں مثلاً فارسی جو آتش پرستان ایران کی زبان ہے اور اُردو جسکو ہندوستان کے ہنود بہ نسبت مسلمانوں کے کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور زبان گجراتی جو محض مشرکان گجرات کی زبان ہے اور انگریزی و مرہٹی و سنسکرت و افغانی و کسٹری و تلنگی و پنجابی و چینی و عبرانی و جبشی وغیرہ وغیرہ مختلف مختلف شہروں اور ملکوں میں برتی جاتی ہیں جو کفار و اہل اسلام کی مستعملہ زبانیں ہیں ان زبانوں میں کتب دینیہ کا ترجمہ کرنا اور درس و تدریس و اشاعت اسلام کرنا اور وعظ و نصیحت کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس فعل کا مانع گنہگار ہے یا مستحق ثواب۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عربی زبان دنیا کی تمام زبانوں سے افضل واعلیٰ ہے جو شخص اس زبان کو سیکھتا اور سیکھاتا ہے وہ آخرت میں ثواب کا مستحق ہے درمختار کے صفحہ (۸۹۱) میں ہے

للعربیة فضل علی سائر الالسن وھو لسان اھل الجنة من تعلمھا او یعلم غیرہ فھو ماجور۔ اور فتاوای عالمگیری کی جلد ۵ صفحہ (۳۰۸) میں بھی فتاوائے سراجیہ سے اسی طرح منقول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں عرب کو تین وجہ سے دوست رکھتا ہوں ایک تو یہ کہ میں عربی ہوں اور دوسرا یہ کہ قرآن عربی ہے اور تیسرا یہ کہ اہل جنت کی

زبان عربی ہے۔ درمختار کے صفحہ (۱۹۸) میں ہے۔ وفی الحدیث

احب العرب لثلاث لانی عربی والقران عربی ولسان

اهل الجنة فی الجنة عربی۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن اور اہل جنت کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے عربی زبان نہایت مرغوب ہے بدیں وجہ عربی زبان دنیا کی تمام زبانوں پر افضل سمجھی گئی ہے اور جبکہ اس کا سیکھنے اور سکھانیوالا مستحق ثواب ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ علوم دینیہ کی تعلیم وتعلم اسی زبانمیں رکھیں چنانچہ متقدمین علمار باوجودیکہ اکثر عجمی ہیں مگر انہوں نے اپنے تصانیف وتالیفات کو عربی زبان میں ہی رواج دیا اگر علمائے سلف اس زبان کی اس طریقہ سے حفاظت نہ کرتے تو اس وقت قرآن شریف جو اصل ایمان ہے اس عظمت وشان کیساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ رہتا۔ اگرچہ متقدمین علمار کو بھی ہر ہر زمانہ میں عامۂ ناس کی تلقین وتعلیم کے لئے غیر زبانمیں احکام دین سمجھانیکی ضرورت تھی مگر ان حضرات نے علوم دین حدیث وفقہ وتفسیر وغیرہ کا سلسلہ اکثر عربی ہی میں رکھا پس موجودہ زمانہ میں بھی عربی کا رواج کم کرنا اور عام طریقہ سے علوم دینیہ کا غیر زبان میں ترجمہ کرنا اور رواج دینا درست نہیں عربی کے بعد فارسی زبان بھی شریعت میں باوقعت سمجھی گئی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی اہل جنت کی زبان فرمایا ہے

چنانچہ فتاوائے درالمختار بر ردالمحتار جلد (۱) صفحہ (۳۲۹) میں اس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وحصة المودعی بالفارسیة لمرتبها محدث لسان اهل الجنة العربیة والفارسیة الدریہ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم رح نے بھی نماز میں فارسی زبان سے تکبیر کہنے کو جائز رکھا۔ اور بعض علمائے سلف نے علوم دینیہ کا بھی اس زبان میں رواج دیا۔ پس ان دو زبانوں کے سوا کسی اور زبان کی شریعت میں فضیلت نہیں آئی۔ بوقت ضرورت جبکہ بعض دیہاتی مسلمانوں کو مسائل دین ان کی زبان میں تلقین کرنی پڑے اگر ضروری مسائل ان کی زبان میں سمجھائے جائیں۔ اور خاص ان کے لئے بطور رسالہ کے کچھ مسائل لکھ بھی دئے جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر اسکے ساتھ ان میں سے بعض افراد کو عربی سیکھنے کی طرف بھی ضرور آمادہ اور مجبور کرنا چاہیئے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث الی کافۃ الناس تھے یا نہیں؟ اور اگر تھے تو غیر مذہب لوگوں کی زبان حاصل کر کے اسی زبان میں تبلیغ کرنا علماء کو جو اپنے آپ کو وارث انبیا کہتے ہیں ضروری ہے یا نہیں؟ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے دنیا کی زبانوں کا علم عطا کیا گیا یا نہیں؟ اور آپ نے بطور اعجاز کافروں کی زبان میں کلام کیا تھا

یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیشک کافۂ ناس کی طرف مبعوث ہیں چنانچہ حدیث صحیح (بعثت الی الناس کافۃ) سے ثابت ہے۔ بربنائے حدیث صحیح (العلماء ورثۃ الانبیاء) علماء کا انبیاء کے وارث ہونا ثابت ہے۔ اور ان کو وراثت اسی تبلیغ احکام کے متعلق ملی ہے چنانچہ بمقتضائے حدیث صحیح (فلیبلغ الشاھد الغائب) ہر ایک جاننے والے کے لئے لاعلم پر تبلیغ کرنا واجب گردانا گیا ہے۔ چونکہ زید بن ثابت رضی کی حدیث (امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتعلم السریانیۃ وفی روایۃ انہ امرنی ان اتعلم کتاب یھود وقال انی ما آمن یھود علی کتاب قال فما مرّ بی نصف شھر حتّٰی تعلمت فکان اذا کتب الی یھود کتبت واذا کتبوا الیہ قرأت لہ کتابھم رواہ الترمذی) سے بروقت ضرورت زبان غیر کا سیکھنا شرعاً جائز گردانا گیا ہے۔ اس لئے علماء اگر بغرض تعلیم ناس زبان غیر کو اس طریقہ سے کہ منجر بہ خلل دین نہ ہو سیکھیں اور حسب ضرورت لوگوں کو اس زبان میں احکام شرعیہ کی تلقین کریں تو مناسب ہے

ف حدیث شریف سے اس قدر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین و آخرین کا علم دیا گیا تھا چنانچہ آپ فرماتے ہیں (اوتیت علم الاولین و الاخرین) اس میں زبانوں کے علم کے متعلق کوئی خاص لفظ نہیں ہے۔

حدیث صحیح سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حبشیوں کی زبان کے چند لفظ زبان مبارک سے ادا فرمائے تھے۔ اور حبشی اوس زمانہ میں کافر تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

مولوی شیخ عبد اللہ کوئیلم یوروپین جنکو سلطان ترکی نے شیخ الاسلام کا خطاب عنایت فرمایا ہے۔ اور وہ قوم کے انگریز ہیں زبان انگریزی میں تبلیغ اسلام فرماتے ہیں۔ اور متعدد رسائل دربارۂ تبلیغ اسلام انگریزی میں شایع کئے ہیں۔ اور وعظ بھی اس زبان میں فرماتے ہیں آیا یہ فعل انکا ثواب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مولوی صاحب موصوف کی زبان مادری چونکہ انگریزی ہے اسلئے انکو تبلیغ احکام اسی زبان میں کرنی بہ نسبت عربی کے آسان ہے۔ اور خصوصاً جبکہ عوامِ یورپ عربی نہیں جانتے پس ان کے لئے انگریزی

ہی میں تبلیغ کرنی چاہیے۔ کیونکہ حضرت شارع میں غیر زبان سے کام لینا ثابت ہے۔ جیسا کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ مگر مولوی صاحب پر اس کے ساتھ عربی کا رواج دینا جو قرآنی زبان ہے اور تمام زبانوں پر افضل ہے۔ لازم ہے تاکہ مسلمانان یورپ قرآن شریف کی تلاوت اور اوس کے لفظی تاثیرات سے فیضیاب ہوں اور اسکے سیکھنے اور سکھانیکا اجر بھی انہیں حاصل ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

جو حضرات علم انگریزی پڑھنے یا پڑھانیکے مانع ہیں اور زبان مذکور کو بہت بری سمجھتے ہیں اور خود ماہران انگریزی سے خلا ملا رکھتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ کھانا پینا بھی روا رکھتے ہیں۔ ان کے لئے کیا حکم ہے

الجواب

انگریزی داں اگر شراب و خنزیر وغیرہ محرمات شرعیہ استعمال کرتے ہیں یا ان کے عقائد مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف ہیں تو ایسے لوگوں سے ان کے ہمخیال ہو کر میل جول رکھنا شرعاً ممنوع ہے۔ کیونکہ ان کی صحبت سے ملنے والے پر ضرور برا اثر پڑتا ہے اور جو شخص ان سے اتحاد و خلوص رکھے وہ گنہگار ہے۔ اور جو انگریزی داں محرمات شرعیہ میں مرتکب نہیں ہیں۔ اور ان کے خیالات بھی مسلمانوں کے

موافق ہیں۔ تو ایسے لوگوں سے ملاقات رکھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں
واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

سراج الملۃ والدین بادشاہ حبیب اللہ خان والی ملک افغانستان
خلد اللہ ملکہ جو زبان انگریزی جانتے ہیں اور جنہوں نے علیگڈھ کالج اور انجمن
حمایت الاسلام کالج کو جس میں انگریزی تعلیم ہوتی ہے۔ امداد فرما کر معقول
رقمیں عنایت فرمائیں ہیں انہیں علمائے دین اور حامیان شرع متین
کیا سمجھتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سنا جاتا ہے کہ آجکل علیگڈھ کالج کے طلبہ وغیرہ کے خیالات
سابق کی طرح عقائد اسلامی کے خلاف نہیں ہیں۔ اور نہ اس قسم کی
کوئی تعلیم دیجاتی ہے۔ اس واقعہ کے سچ ہونیکی صورت میں بیشک
علیگڈھ کالج علم معاش (جو انسان پر فرض کفایہ ہے) سکھانے کے لئے
مفید عام مدرسہ ہے پس سراج الملۃ والدین کا اسکی تائید کرنا
قابل اجر فعل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص تبدیل مذہب کر سکتا ہے

یا نہیں؟ جیسے شافعی سے حنفی یا اس کے برعکس۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر کسی حنفی یا شافعی نے دنیوی نفع کے لئے یا بدون کسی دلیل کے بے سوچے سمجھے کسی کے کہنے پر تبدیل مذہب کر لیا ہے تو اُس شخص نے چونکہ اپنے پہلے مذہب کی توہین کی ہے اور اسکو خفیف جانا ہے۔ اس لئے آخرت میں گنہگار و مستحق عذاب ہے اور دنیا میں اس پر تعزیر لگائی جائیگی۔ اگر اس کا مبلغ علم دین میں پایۂ اجتہاد کو پہونچا ہوا ہے اور اپنے اجتہاد میں مذہب کے بدلنے سے شریعت کی کوئی بھلائی جانتا ہے تو ایسے شخص کے لئے تبدیل مذہب جائز ہے درمختار بر ردمحتار شامی جلد (۳) صفحہ (۱۹۶) میں ہے۔ ارتحل الی مذهب الشافعی یعزر سراجیه اور اسی جگہ ردمحتار میں ہے ای اذا کان ارتحاله لا لغرض محمود شرعا اور اسی صفحہ (۱۹۶) میں تاتارخانیہ سے منقول ہے۔ ولو ان رجلا برئ من مذهبه باجتهاد وضح له کان محمودا ماجورا اما انتقال غیره من غیر دلیل بل لما یرغب من عرض الدنیا وشهوتها فهو المذموم الآثم المستوجب للتادیب والتعزیر لارتکابه المنکر فی الدین واستخفافه بدینه

ومذھبہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ کہ پچّا بٹّو یعنے گوندنا جو بہلاوین کے تیل سے منقش کرکے سوئیوں کے کوچنے سے مضروب کرتے ہیں۔ جو درست ہونیکے بعد سبز رنگ کا نقش پختہ ہو جاتا ہے یہ فعل ہندوستان میں اکثر ہنود کا ہے۔ مسلمانوں کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت جائز ہے یا نہیں۔ سنا جاتا ہے کہ عرب و مصر کے مسلمان کثرت سے یہ فعل کرتے ہیں اس کا جواب بحوالہ کتب مُستندہ عطا کیا جائے

الجواب

پچّا بٹّو جسکو عربی میں وشم کہتے ہیں جسکی تفصیل مستفتی نے کی ہے یہ فعل شرعاً فاعل اور مفعول یعنے پچّا لگانیوالے اور جس پر لگایا جاتا ہے دونوں کے لئے حرام ہے۔ اور جس مقام پر یہ لگایا جاتا ہے وہ مقام نجس ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا ازالہ علاج سے ممکن ہے تو انسان پر اس کا دور کرنا واجب ہے۔ اور اگر بغیر جراحی کرنیکے ممکن نہیں ہے تو اسوقت یہ دیکھا جائے کہ جراحی سے جان یا عضو کے تلف ہونے اور عضو کو سخت نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے یا نہیں۔ اگر اندیشہ ہے تو اس کا دفع کرنا واجب نہیں اگر اندیشہ نہیں ہے تو دفع کرنا واجب ہے۔ اندیشہ کی صورتیں

اگر توبہ واثق کرلیجائے تو پھر اس کے باقی رہنے سے کوئی حرج نہیں اور اندیشہ نہ ہونیکی صورت میں تاخیر کرنا موجب عصیان ہے۔ ترمذی مجتبائی کے صفحہ (۱۰۲) حاشیہ میں طیبی سے منقول ہے۔ لعن اللہ الواشمات

الوشم هو ان یغرز ابرۃ وبحوها فی البدن حتی یسیل الدم ثم یحشی بالکحل والنورۃ فیخضر والمستوشمۃ من طلبت فعل ذلک وهو حرام علی الفاعلۃ والمفعول بها والموضع الذی وشم یصیر نجسا فان امکن ازالتہ بالعلاج وجب وان لم یمکن الا بالجرح فان خاف منہ التلف او فوات عضو او منفعۃ او شیئا فاحشا فی عضو ظاهر لم یجب ازالتہ واذا تاب لم یبق علیہ اثم وان لم یخف شیئا من ذلک لزمہ ازالتہ ویعصی بتاخیرہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ عورتیں اکثر اس فعل کی مرتکب تھیں۔ اس لئے حکم انہیں کے متعلق دیا گیا اسوقت اگر کوئی مرد اس میں مرتکب ہو تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ جانوروں کو خصی کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

خصی کرنے سے اگر کوئی منفعت ہے تو جائز ہے ورنہ حرام ہے فتاوای عالمگیری جلد (۵) صفحہ (۳۵۷) میں ہے۔ خصاء بنی آدم حرام بالاتفاق۔ واما خصاء الفرس فقد ذکر شمس الائمة الحلوانی فی شرحه انه لا باس به عند اصحابنا واما فی غیره من البهائم فلا باس به اذا کان فیه منفعة واذا لم یکن فیه منفعة او دفع ضرر فهو حرام کذا فی الذخیرة درمختار شامی جلد (۵) صفحہ (۲۵۷) میں ہے۔ (و) جاز (خصاء) البهائم حتی الهرة اما خصاء الآدمی فحرام قیل والفرس وقیدوه بالمنفعة والا فحرام۔

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہر ایک مسلمان کو کس قدر

لانبی ڈاڑھی رکھنی چاہئیے۔ اور اس بارہ میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے
بدلائل کتب معتبرہ ایما فرماکر ثواب دارین حاصل فرمایا جائے۔

الجواب

داڑھی اگر مٹھی سے زیادہ ہو جائے تو اسکو کترنا مسنون ہے اس سے کم ہونیکی صورت میں کترنا جائز نہیں۔ علمائے احناف کا یہی قول ہے جیساکہ درمختار مطبوعہ مصریہ حاشیہ ردمحتار جلد (۵) صفحہ ۲۶۹ میں ہے
ولا بأس بنتف الشيب واخذ اطراف اللحية والسنة فيها القبضة
اور ردمحتار میں ہے وهو ان يقبض الرجل لحيته فما زاد منها
على قبضة قطعه كذا ذكر محمد في كتاب الآثار عن
الامام وقال به ناخذ محيط اسی طرح فتاوی عالمگیری کے جلد (۵)
صفحہ (۳۵۸) میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حرام چیزوں سے دوا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

حرام چیزوں سے علاج کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ مریض کو یا تو بطور خود اس بات کا یقین ہو کہ اس کے استعمال سے شفا ہوگی

یا کوئی مسلمان طبیب اسکو یہ بات لکھے اور اس حرام شئے کے سوا اس بیماری کے لئے کوئی اور جائز دوا بھی نہ ہو۔ ورنہ شئے حرام سے علاج کرنا ناجائز ہے۔ فتاوائے ردالمحتار جلد (۴) صفحہ (۲۲۴) میں ہے۔

صاحب الخلاصة والنهاية اختار جوازه ان علم ان فيه شفاء ولم يجد دواء غيره قال في النهاية وفي التهذيب يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي اذا اخبره طبيب مسلم ان فيه شفاءه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه

اور اگر کوئی طبیب جائز چیز دوا ہوتے ہوئے باوجود یہ کہے کہ اس حرام چیز سے جلد نفع ہوگا تو ایسی حالتمیں حرام چیز کے استعمال کرنیکو بعضوں نے جائز رکھا ہے اور بعض ناجائز۔ ردالمحتار کے اسی صفحہ (۲۲۴) میں ہے

وان قال الطبيب يتعجل شفاءك به فيه وجهان ایسا ہی اگر بیمار باوجود دوسری دوا ہوتے ہوئے شراب کو بطور دوا کے استعمال کرے تو اس میں بھی علماء کے دو قول ہیں چنانچہ اسی جگہ ہے۔ وهل يجوز شرب العليل من الخمر للتداوي فيه وجهان كذا ذكره الامام التمرتاشي كذا في الذخيرة۔ چونکہ خاص ان دونوں مسئلوں میں علماء کا اختلاف ہے اسلئے احتیاط بیمار کا جلد صحت حاصل کرنے کے لئے حرام چیز سے علاج کرنا اور دوسری دوا ہوتے ہوئے شراب کا

بطور دوا کے استعمال کرنا جائز ہے۔

کتاب الذبائح

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت اور کمسن لڑکے اور دیوانہ کا ذبیحہ ہر حال میں جائز ہے یا کسی خاص صورت میں افتوا جزاکم اللہ خیر الجزاء

الجواب

عورت اور کمسن لڑکا اور دیوانہ اگر اس بات کو جانتے ہیں کہ ذبح کے وقت بسم اللہ کہنے سے ذبیحہ حلال ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذبح سے دم مسفوح یعنے حرام خون خارج کرنا مقصود ہے اور انکو گلے کی رگیں اچھی طرح کاٹنا بھی آتا ہے۔ تو ایسی حالتیں ان کا بسم اللہ اللہ اکبر کہکر ذبح کرنا درست ہے ہدایہ کتاب الذبائح صفحہ (۴۱۸) میں ہے

وتحل اذا کان یعقل التسمیۃ والذبحۃ ویضبط وان کان صبیًا او مجنونًا او امرأۃ ھا۔ اور اگر انکو امور مذکورہ سے کسی ایک امر کا بھی علم

نہیں ہے تو ان کا ذبیحہ درست ہے۔ ہدایہ صفحہ (۴۱۸) میں ہے

واما اذا کان لا یضبط ولا یعقل التسمیہ والذبیحۃ لا تحل لان التسمیۃ
علی الذبیحۃ شرط بالنص وذلک بالقصد وصحۃ القصد بما ذکرنا

ذبح کے لئے ذبح کرنیوالا پاک ہونا شرط نہیں ہے۔ حالت جنابت
وحیض ونفاس میں بھی ذبح کرنا درست ہے جامع الرموز صفحہ (۴۹۱)
میں ہے۔ وشرط لحل الذبح کون الذابح مسلما او کتابیا

حربیا او تغلبیا او ذمیا ولو کان الکتابی حربیا فحل ذبح
الذمی کذبیح الابرص بلا کراھۃ کحبیرہ وطبحہ
وان کان غیرہ اولی کما فی المنیۃ او کان الشخص الکتابی
امراۃ حائضۃ او نفساء او جنبا کما فی النتف واللہ اعلم بالصواب

کتاب البیوع

الاستفتاء

چرم قربانی جو بطور بیع سلم بیچے جاتے ہیں۔ اُن میں اچھے بُرے بیکار
سب شریک ہوتے ہیں حالانکہ بعض غیر قابل الانتفاع ہیں کیا اس قسم کی

بیع سلم درست ہے بینوا توجروا

الجواب

چرم کی بیع اسوقت جائز رکھی گئی ہے جبکہ اُس کی مقدار یعنے طول و عرض
اور اسکی قسم یعنے گائی اور بکری کا اور اس کی تعداد واضح طور سے بیع سلم
کے وقت بیان کردیجائے چنانچہ فتاوائے ردالمحتار شامی
جلد ۴ صفحہ (۲۱۳) میں ہے۔ قال فی الفتح ولا فی الجلود
عددا وکذا فی الاخشاب والجوالقات والفراء
والثیاب المخیطة والخفاف والقلانس الا ان
یذکر العدد لقصد التعدد فی المسلم فیه
ضبطا للکمیة ثم یذکر ما یقع به الضبط کان یذکر فی الجلود مقدارا
من الطول والعرض بعد النوع کجلود البقر والغنم اور ذخیرہ میں ہے ان سلم فی
الجلود ضربا معلوما یجوز لانتفاء المنازعة
بیع سلم کی صحت کے لئے فقہا نے سات شروط مقرر کئے ہیں اگر ان میں
سے ایک بھی فوت ہو تو بیع سلم ناجائز ہے منجملہ ان کے ایک شرط بیان
صفة مسلم فیہ ہے یعنے پہلے ہی سے یہ بیان کردیا جائے
کہ مشتری کو مبیع مسلم فیہ جید یعنے عمدہ دیجائیگی۔ یا ردی یعنے خراب
ہدایہ مصطفائی باب السلم صفحہ (۷۹) میں ہے۔ ولا یصح السلم

عند ابی حنیفة الا بسبع شرائط جنس معلوم کقولنا حنطة او شعیر و نوع معلوم کقولنا سقیة او بخسیة وصفة معلومة کقولنا جید او ردی فتاوای شامی جلد (۴) صفحہ (۲۱۵) میں ہے (وشرطه) ای شرط صحته التی تذکر فی العقد سبعة (بیان جنس) (بیان نوع) کمسقی او بعلی (وصفه) کجید او ردی الخ

پس صورت مسؤلہ میں اگر پہلے ہی سے عمدہ اور خراب کی علیحدہ علیحدہ قیمت مقرر کر کے ہر ایک کی الگ الگ عقد کر لیجائے تو اس قسم بیع سلم درست ہے ورنہ ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں مشتری کا نقصان ہے۔ جو بوقت اخذ مبیع جھگڑا پیدا کرنیوالا ہے ہدایہ مع کفایہ باب السلم صفحہ (۸۴) میں ہے۔ وکل ما امکن ضبط صفته ومعرفة مقداره جاز السلم فیه لانه لا یفضی الی المنازعة وما لا یضبط صفته ولا یعرف مقداره لا یجوز السلم فیه لانه دین وبدون الوصف یبقی مجهولا جهالة تفضی الی المنازعة۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے کوئی چیز بغرض امتحان لی کہ بعد امتحان و تصدیق خریدی جائیگی حالت امتحان میں

شئے مبیع جو بغرض امتحان مشتری کے ہاتھ میں گئی تھی مشتری کے فعل اضطراری سے ٹوٹ گئی۔ صورت مسئولہ میں مشتری کے ہاتھ سے جو نقصان بائع کا ہوا اس کا عوض بائع کو ملیگا یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

جو چیز کہ امتحان اور آزمائش کی غرض سے لیجاتی ہے اور جس کے جانچنے اور دکھا لینے کے بعد بیع و شرا ٹھیر نیوالی ہے ایسی چیز کو مشتری اگر عمداً تلف نہ کرے بلکہ اس کے فعل اضطراری سے تلف ہو جائے تو شرعاً اس کے لئے مشتری پر کوئی تاوان واجب نہیں ہے فتاوائے ردالمحتار جلد (۴) صفحہ (۵۳) میں ہے۔ (اما علی سوم النظر فغیر مضمون مطلقاً) بان یقول هاته حتی انظر الیه او حتی اریه غیری ولا یقول فان رضیته اخذته وقوله مطلقاً ای سواء ذکر الثمن اولا۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ایک جائداد عمرو کے پاس بطریق بیع بالوفا بمعاوضہ مبلغ معین رکھنا چاہتا ہے جسکی صورت یہ ہے کہ مدت معینہ تک اگر جائداد واپس لیجائے تو فبہا ورنہ بعد انقضائے مدت وہ جائداد عمرو کی ملک ہو جائیگی۔ اور روپیہ زید کی ملک اور اس اثنا میں جو کچھ نفع

اس جائداد سے حاصل ہوگا۔ اُس کا مالک عمر اور اسکی تعمیر و ترمیم وغیرہ عمرو کے ذمہ رہیگی۔ آیا اس طریقہ سے بیع بالوفار جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بیع وفار کے طریقہ سے جو چیز رکھی جاتی ہے۔ اس کا حکم بعینہ رہن کا ہی ہے یعنے جو احکام کہ شرعاً بعد رہن شئے مرہونہ کے ہیں مبیع بہ بیع بالوفار کے بھی وہی احکام ہیں فتاوے مہدویہ کے جلد (۵) صفحہ (۲۴۷) کتاب الرہن میں ہے۔ فقد وقع الاختلاف فی بیع الوفاء والذی علیہ اکثر المشایخ منهم السید الامام ابو شجاع والقاضی الامام ابو علی السعدی ان حکمہ حکم الرهن وافتی بذلك العلامة الرملی وفی تنقیح الفتاوی الحامدیه ولا ریب فی ان بیع الوفاء حکمه حکم الرهن الاحکام علی ما علیه الاکثر کما فی الخیریه والحاوی الزاهدی وهو الصحیح کما فی جواهر الفتاوی۔

شئے مرہونہ سے نفع حاصل کرنیکے متعلق شرعاً یہ حکم ہے کہ اگر راہن نے مرتہن کے لئے اس سے نفع حاصل کرنا بخوشی تمام بلا کسی مجبوری کے

مباح کر دیا ہے اور اجازت بھی دیدی ہے تو ایسی حالتمیں مرتہن کا اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے درمختار مطبوعہ مصر برحاشیہ ردالمحتار جلد (۵) صفحہ (۳۲۰) مطبوع مصر میں ہے۔ لا الانتفاع به مطلقا لا باستخدام ولا سکنی ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة سواء کان من مرتهن او راهن (الا باذن) کل للآخر۔ مگر اس صورت کو بھی فقہا نے بربنائے احتیاط مکروہ تحریر کیا ہے۔ اور وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں ربوا یعنے سود کا شبہ و شائبہ ہے حموی شرح الاشباہ والنظائر مصطفائی صفحہ (۳۱۰) میں ہے۔ والاحتیاط فی الاجتناب عنه قلت لما فیه من شبهة الربا۔ اگر مرتہن نے راہن سے بوقت رہن یہ شرط ٹھیرائی ہے کہ شئے مرہونہ سے مرتہن ہر قسم کے منافع حاصل کرنیکا مجاز ہے پس ایسی صورتمیں مرتہن کے لئے شئے مرہونہ سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ قرض بالمنفعۃ کی صورت ہے۔ جو سود ہونیکی وجہ سے شرعاً حرام ہے۔ فتاوی شامی جلد (۵) صفحہ (۳۲۰) مطبوعۂ مصر کتاب الرہن میں ہے۔ ثم رأیت فی جواهر الفتاوی اذا کان مشروطا صار قرضا فیه منفعة وهو ربوا والا فلا باس اور اگر مرتہن راہن کے اس مباح کردہ نفع کو اس نیت سے قبول کرتا ہی کہ یہ اس رہن کا نفع ہے اگر راہن اسکو میرے لئے مباح نہ کرتا تو میں ہرگز

رقم نہ دیتا پس یہ صورت بھی بعینہ شرط کی صورت ہے جو سابق میں ناجائز بتائی گئی ہے۔ فتاوے ردالمحتار شامی جلد ۵ صفحہ (۳۴۰) مطبوعہ مصر کتاب الرہن میں ہے۔ والغالب من احوال الناس انہم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراہم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الوقف

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک مسجد قدیم قطب شاہی مع متعلقات مثل حوض و باولی و سرائے و زمین برائے مصارف مسجد جس کے اوقاف مثل مسجد و سرائے حیات نگر و تالاب حیات ماں صاحبہ وغیرہ حسب عرف و عادت قدیم زمانہ قطب شاہی ایک وسیع احاطہ کے اندر واقع ہیں جس کے آثار قدیم مثل باؤلی وسرائے وغیرہ ہنوز موجود ہیں جس کے لئے ایک متولی بھی بغرض صیانت اوقاف

زمانہ سابق میں مقرر کیا گیا تھا جسکو تخمیناً تین سو سال کا عرصہ ہوتا ہے
اسوقت نہ واقف زندہ ہے اور نہ وقف نامہ اور نہ جائداد موقوفہ
مذکورہ کے مسجد پر وقف ہونیکی ولکھی ہوئی شہادت ہے۔ مگر ہر طبقے
کے متولی مع ساکنین اہل محلہ جائداد مذکورہ کے وقف ہونیکی
شہادت سماعی تحریری لسانی دیتے رہے ہے۔ چنانچہ متولیان سابق
و اہل محلہ نے اسی زمین کو موقوفہ تحت مسجد ہونیکے متعلق اسناد
پیش کرکے سرکار سے نزول بھی معاف کروایا ہے۔ اس وقت ایک شخص
مسجد و متعلقات مسجد پر قابض ہے جسکو محاصل کا مسجد کے مصارف میں
صرف ہونے پر اقبال ہے۔ چنانچہ عدالتیں جبکہ اس پر صیانت وقف کے
بارے میں دعوے دائر ہوا۔ وہاں اس نے اسکے متعلق باضابطہ اقرارنامہ
دیا ہے باوجود اسکے پھر اس زمین وسراے متعلقہ مسجد اپنی ملک موہوبہ
بتلاتا ہے جسکے لئے کوئی وثیقہ بجز قبضہ کے پیش نہیں کرتا۔ بنا بریں
سائلین مندرجہ ذیل سوالات کو علمائے دین کی خدمتمیں پیش کرکے
مستدعی ہیں کہ وجوہات مذکورۂ بالا سے وقف ثابت ہے یا نہیں۔
آیا اس قسم کی جائداد موقوفہ ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اور اسکی حفاظت سرکار پر
لازم ہے یا نہیں جوابات شافی معتبر کتب فقہ سے ادا فرما کر عند اللہ
ماجور ہوں۔

سوالات

(۱) اوقاف قدیمہ کے ثبوت اور ان کے تعین مصارف کے لئے شہادت بالتسامع وبالشہرت کافی ہے یا نہیں؟

(۲) حسب عادت وعرف قدیم جائداد مذکورہ موقوفہ سمجھی جائیگی یا نہیں۔

(۳) متولیان سابق کے اقرار شہادت وقف کے ثبوت کے لئے کافی سمجھی جائینگے

(۴) کسی جائداد کے متعلق وقفی یا ملکی نزاع واقع ہونے کی صورت میں اُسکے مصارف وغیرہ کے متعلق متولیان سابق کا عملدر آمد قدیم ثبوت وقف کے لئے حجت بن سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) موقوفات میں تصرفات مثل (بیع و رہن وغیرہ) جائز ہے یا نہیں اور اس قسم کے تصرفات شرعاً باطل سمجھے جائینگے یا نہیں۔ اور متصرف سے اس کا تاوان لیا جائیگا یا نہیں۔ کیا متولی ان تصرفات کیوجہ سے خائن اور غاصب سمجھا جائیگا یا نہیں۔ اور قاضی پر ایسے شخص کا معزول کرنا واجب ہے یا نہیں اور درصورت معزول نہ کرنے کے قاضی عند اللہ گنہگار ہوگا یا نہیں۔؟

جوابات

جواب نمبر (۱) اوقاف قدیمہ کے ثبوت کے لئے شہادت بالتسامع وبالشہرت کافی ہے۔ جیسا کہ واقعات المفتیین کے صفحہ (۱۷۴) میں ہے

تقبل الشهادة على الشهادة في الوقف وكذا شهادة الرجال مع النساء وكذا الشهادة بالسماع ولو صرحا الخ

درمختار کے صفحہ (۵۲۸) میں ہے۔ وتقبل فيه الشهادة على الشهادة وشهادة النساء مع الرجال والشهادة بالشهرة لاثبات اصله وان صرحوا به اى بالسماع في المختار والوقف على معينين حفظا للاوقات القديمة عن الاستهلاك بخلاف غيره انتهى۔ اور اسی طرح مصرف وقف کے ثبوت کیلئے بھی شہادت سماعی شرعاً کافی ہے جیسا کہ فتاوائے ردالمحتار شامی کی جلد (۳) صفحہ (۴۷۱) میں ہے۔ وبيان المصرف من اصله اى وتقبل الشهادة على المصرف بالتسامع كالشهادة على اصله الخ۔

جواب نمبر (۲) شہادت سماعی کے موجود نہ ہونیکی صورتمیں بیشک ازروئے عرف جائداد مذکورہ کے موقوفہ ہونیکا فتویٰ دیا جائیگا۔ اسلئے واقف کے نصوص شارع کے نصوص کیطرح ہوتے ہیں جہاں کہیں کہ شارع کی نص نہ ہو وہاں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے بنابریں جس جائے واقف کی نص نہ ہو وہاں عرف کا لحاظ کیا جائیگا اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو بہت سارے اوقاف قدیمہ تلف ہوجائینگے تعارف کی صورت یہ ہے کہ واقف جب کوئی مسجد وغیرہ بناتا ہے تو ضرور کوئی جائداد معتد بہ بھی اس کے مصارف و مصالح کے لئے وقف کرتا ہے۔ خاص کر وہ مسجد جو نہایت وسیع و شاندار اور ایسی

بیگم کی بناکردہ ہو کہ جنکے متعدد اوقاف اس وقت موجود ہیں مجموعہ
فتاوائے مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کے صفحہ (۴۶) میں ہے۔
درصورت عدم شہادت بالتسامع بنظر عرف فتوے وقف شدن دکاکین
مذکورہ دادہ خواہد شد زیراکہ نصوص واقف مانند نصوص شارع میشوند ہرگاہ
درصورت عدم نص شارع اعتبار عرف است درصورت عدم نص واقف
نیز اعتبار عرف خواہد شد والا یلزم ابطال کثیر
من الاوقاف القدیمہ۔ ومتعارف اینست کہ واقف ہرگاہ مسجد را
وقف میسازد دکاکین وغیرہ نیز برائے مصالح مسجد وقف میسازد
علی الخصوص ہرگاہ مسجد کلان باشد وتعمیر کردہ کسے امیر یا نواب باشد
در اشباہ می آرد۔ نصوص الواقف کنصوص الشارع وفیما
لانص فیہ من الاموال الربویۃ یعتبر فیہ العرف ولاخصوصیۃ
للربوا وانما العرف غیر معتبر فی المنصوص علیہ انتہی۔

جواب نمبر (۲۲) شرع میں ہر ایک عاقل وبالغ کا اقرار اور شہادت معتبر
اور اسکے ذمے لازم گردانا گیا ہے ہدایہ کے صفحہ (۲) میں ہے۔
اذا اقر العاقل البالغ یلحق لزمہ اقرارہ اسی طرح اگر متولی کسی دوسرے
شخص کے ساتھ کسی مکان کے مسجد پر وقف ہونیکی گواہی دے تو شرعاً
وہ گواہی مقبول ومعتبر ہے جیسا کہ درالمختار کے کتاب الوقف

میں ہے۔ ولو شهد المسلمون مع آخر بوقف مكان كذا على المسجد قطاهر كلامهم قبولها انتهى

جواب نمبر (۴) اگر کسی موقوفہ جائداد کا ثبوت منقطع ہو جائے اور تنازع واقع ہو کہ وقفی ہے یا ملکی تو اسکے ثبوت میں مصارف وغیرہ کے متعلق عملدرآمد قدیم کا لحاظ ضرور کیا جائیگا۔ جیسا کہ فتاوائے حمدویہ دوسری جلد کتاب الوقف کے صفحہ (۱۷۸) میں ہے۔

الذی صرح به علمائنا فی الاوقاف القديمة التی مات شهودها واشتبهت مصارفها اذا لم يكن للوقف كتاب فی ديوان القضاة المسمى فی العرف بالسجل وتنازع اهله فيه ينظر الى المعهود من حاله فی ما سبق من الزمان من ان قوامه كيف كانوا يعملون فيبنى الامر عليه انتهى۔

اور فتاوی شامی کے جلد (۳) اور صفحہ (۶۱۶) میں ہے۔

وبه صرح فی الذخيرة حيث قال سئل شيخ الاسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه وقدر ما يصرف الى مستحقيه قال ينظر الى المعهود من حاله فی ما سبق من الزمان من ان قوامه كيف كانوا يعملونه فيه والى من يصرفونه فيبنى على ذلك لان الظاهر انهم كانوا يفعلونه ذلك

علیٰ موافقة شرط الواقف وهو المطعون بمال المسلمين فيعمل على ذلك انتهیٰ

جواب نمبر (۵) موقوفات میں تصرفات مذکورہ ہرگز جائز نہیں اور واقع ہونیکی صورتمیں شرعاً باطل سمجھے جاتے ہیں اور متصرف پر اسکا تاوان لازم آتا ہے۔ متولی تصرفات مذکورہ سے خائن و غاصب سمجھا جاتا ہے اور قاضی پر ایسے شخص کا معزول کرنا واجب ہے۔ اور علیحدہ نہ کرنیکی صورتمیں قاضی عند اللہ گنہگار ہوگا۔ فتاوائے شامی کے جلد ۳ صفحہ ۳۹۹ میں بحر الرائق سے منقول ہے۔ ان امساعه من التعمير خيانة وكذلك لو باع الوقف او بعضه او تصرف تصرفا غير جائز عالما به اور فتاوائے عالمگیری کے صفحہ ۴۴۷ جلد ۲ میں ہے۔ رجل وقف ارضا و دارا و دفعها الى رجل وولاه القيام بذلك فجحدها المدفوع اليه فهو غاصب يخرج الارض من يده والخصم فيه الواقف فان كان الواقف ميتا وجاء اهل الوقف يطلبون به نصب القاضي قيما يخاصمهم فيه فان كان دخل فيه نقص ضمن ما كان من نقصان بعد جحوده ويامر به ما انهدم منهم انتهیٰ۔

فتاوائے رد المحتار شامی کے جلد ۳ صفحہ ۳۹۹ میں ہے۔ (۳۹۹)

وفي الجواهر اذا لم يراعي الوقف يعزله القاضي۔ اور اسی صفحہ میں ہے۔ (وينزع وجوبا) مقتضاه اثم القاضي بتركه والاثم بتوليته الخائن لاشك فيه (بحر)

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد قدیم قطب شاہی زمانہ کی ہے۔ اور اس کے اطراف میں سرائے وزمین ہے جسپر متولیوں نے لوگوں کو مختلف حیثیت سے قابض بنایا ہے۔ اور ان سے نزول وصول کرکے اخراجات مسجد میں صرف کرتے رہے اب ایک شخص اپنے کو ان متولیان سابق کا قائم مقام بتا کر مدعی تولیت ہے۔ اور زمین کو اپنی ملکیت ظاہر کرتا ہے اور متولیان سابق کے تصرفات کو دلیل ملک گردانتا ہی اور ثبوت ملک میں اپنے انہیں تصرفات سابقہ کو وثیقہ ملک موروثی اور قبضۂ تولیت کو قبضۂ مالکانہ تصور کرکے مدعی ملک و تولیت ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر زمین مسجد کی موقوفہ بھی ثابت ہوجائے تو چونکہ اس زمین پر میرا قبضہ بتیس (۳۲) سال سے ہے اس لئے اب یہ زمین موقوفہ نہیں رہی۔ پس آیا مدعی تولیت کا یہ بیان شرعاً صحیح ہے اور بتیس سالہ قبضہ سے جائداد موقوفہ تعریف وقف سے نکلکر ملک میں داخل ہوجاتی ہی اور حسب دعوئے شخص قابض کی ملک ہوجاتی ہے۔ یا نہیں۔

بینوا توجروا۔

الجواب

دعوے کی سماعت کے لئے اگرچہ فقہا کے مختلف اقوال ہیں

بعض پندرہ سال کے بعد دعوے کو ناقابل سماعت لکھتے ہیں اور بعض تیس (۳۰) سال کے بعد اور بعض تینتیس (۳۳) سال کے بعد اور بعض چھتیس (۳۶) سال کے بعد دعوے کو غیر مسموع لکھتے ہیں مگر فقہا کے یہ سارے اختلاف وقف اور میراث کے دعوے کے ماسوائے دعوؤں میں ہیں وقف اور میراث کے دعوے کی سماعت کے لئے شرعاً کوئی میعاد نہیں رکھی گئی - بلکہ یہ دونوں دعوے ہر وقت چاہے کتنی مدت کیوں نہ گذر جائے قابل سماعت ہیں جیسا کہ فتاوائے مہدویہ مصری کی جلد (۲) صفحہ (۶۲۳) میں ہے۔ (سئل) فی رجل من مدینۃ انطاکیۃ واضع یدہ علی منزل مشتمل علی بیت ودکان فھو تحتہ بمدینۃ انطاکیۃ المذکورۃ تلقاھما عن ابیہ وجدہ الی ابیہ ومدۃ وضع یدہ ویدا ابیہ وجدہ نحو مائۃ سنۃ وتسع سنین ولم ینازع من ذکر احد فی تلک المدۃ ثم ادعی الآن ناظر وقف علی واضع الید بان ذلک العقار وقف من جملۃ ما ھو ناظر علیہ ولم یسبق لذلک الناظر ولا لمن قبلہ من النظار وضع یدہ علی العقار المذکور بل ولم یدع احد منھم

بذالك مع مشاهدته للتصرف فهل والحال
هذه لا تسمع دعوى ذلك الناظر حيث كان
واضع اليد منكر الدعواه ذالك ويعمل بوضع اليد
والتصرف المذكور (الجواب) لا تسمع الدعوى
بعد مضى خمس عشرة سنة الا فى الارث والوقف
ووجود عذر شرعى وما فى الخلاصة المدعى
والمدعى عليه اذا كانا فى موضع ولامانع وادعى
بعد ثلاثين سنة وفى المبسوط بعد ثلاث
وثلثين سنة وفى فتاوى العتابى بعد ست
وثلاثين سنة لا تسمع الا ان يكون المدعى غائبا
او مجنونا وليس له ولى او المدعى عليه واليا جائرا
يخاف منه وذالك فيما عدا الارث والوقف كما
فى صرة الفتاوى فذلك قبل صدور النهى
عن سماعها وقد تظاهرت نصوص المتأخرين
على عدم السماع بعدها الا فى المستثنى ولم يقيدوا
دعوى الارث والوقف بمدة افاده فى حواشى الدرر
للعلامة السيد الطحطاوى من اواخر فصل الحبس

وسماع الدعوٰی فی الوقف ولو بعد مضی المدۃ الطویلۃ ھو ماعلیہ القضاۃ والعلماء الاسلاف بمصروان افتی فی تنقیح الحامدیۃ بخلافہ بعد طول المدۃ اور رد مختار مصری مطبوعہ بر حاشیہ رد محتار جلد (۴) صفحہ (۳۴۷) میں ہے۔ حتی لو امر السلطان بعد سماع الدعوٰی بعد خمسۃ عشرۃ سنۃ فسمعھا لم ینفذ قلت فلا تسمع الآن بعدھا الا بامر الا فی الوقف والارث ووجود عذر شرعی وبہ افتی المفتی ابو السعود فلیحفظ۔

پس فتاوائے مہدویہ کے اس جزیہ سے ثابت ہے کہ جائداد موقوفہ پر کسی شخص کا قبضہ اگرچہ وہ اکیانوے سال تک رہا ہو اس جائداد کو وقف سے خارج نہیں کرسکتا۔ اور نہ اس قدر قبضے و تصرف سے وہ شخص قابض و متصرف اس کا مالک بن سکتا ہے۔ اگرچہ تنقیح حامدیہ میں اسکے خلاف فتوائے دیا گیا ہے۔ مگر متقدمین علماء و قضاۃ مصر نے تنقیح حامدیہ کے خلاف یعنے وقف کے دعوے کے لیئے شرعاً کوئی مدت مقرر نہ ہونے کے متعلق فتوائے دیا ہے اور یہی متاخرین کے پاس معتبر ہے۔ پس صورت مسئولہ میں شخص قابض کا تیس (۳۰) سال مدت گذر جانے سے اپنے کو اس کا مالک بتانا اور رشتے

موقوفہ کو وقف سے خارج اور اپنی ملک میں داخل جاننا بالکل لغو ہے
شئے موقوفہ تا حال موقوفہ ہے۔ اور از روئے شریعت اسوقت بھی
اس کا دعوے قابل سماعت ہے۔ اور متولی کا اس طرح ناجائز
قبضہ قابل برخاست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہر ایک محلہ دار اہل اسلام
محلہ کی مسجد کے انتظام وحساب فہمی میں حق رکھتا ہے یا نہیں؟
بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد کے اوقاف اور اس کے انتظام واقف کے ذمہ ہیں جبتک
واقف زندہ ہے اسکو ان اوقاف کی ولایت حاصل ہے متولی کو
مقرر کرنا معزول کرنا حساب وکتاب دیکھنا اسی کا کام ہے فتاوائے
شامی جلد ۳ صفحہ ۴۲۲ میں بحر الرائق سے منقول ہے۔
قال فی البحر الرائق ان الولایۃ للواقف ثابتۃ مدۃ حیوتہ وان لم
یشترطھا وان لہ عزل المتولی۔ پس صورت مسئولہ میں اگر اہل محلہ ایسے
اشخاص ہیں کہ جنھوں نے جائداد کو خود وقف کیا ہے تو انکو بیشک
اس اوقاف کی ولایت حاصل ہے۔ اور حساب وکتاب وعزل وتقرر

متولی بطور خود کر سکتے ہیں۔ اگر وہ خود واقف نہیں ہیں اور واقف بھی
فوت ہو گیا ہے۔ تو ایسی صورتمیں انکو اسکے متعلق حق حاصل نہیں ہے
بلکہ قاضی کو اس کی ولایت و نگرانی کا حق ہے۔ فتاوائے درمختار
بر ردمحتار کے اسی صفحہ (۴۲۲) میں ہے۔ ولایه نصب القیم
الی الواقف ثم لوصیه ثم للقاضی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

حاکم وقت اپنے خاندان میں جو شئے اعزازاً دیتا ہے وہ شئے
بعد وفات معطی لہ بطور متروکہ تقسیم ہو سکتی ہے یا نہیں۔
مثلاً زید کو سرکار سے ایک ہاتھی کی ماہوار ملا کرتی تھی زید کی وفات کے
بعد وہ ماہوار ہندہ زوجہ زید کے قبضہ میں بوجہ صغرسنی اولاد رہی
اب زوجہ کا انتقال ہو گیا پس ماہوار اعزازی جملہ ورثائے زید پر بحیثیت
متروکہ تقسیم ہوگی یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صدق بیان مستفتی عطائے سلطانی متروکہ نہیں ہو سکتی ہے
اور نہ بعد وفات معطی لہا بین ورثاء قابل تقسیم ہے۔
اشباہ والنظائر میں ہے العطاء لایورث واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ متولی وقف نے اراضی موقوفۂ زیر درگاہ کو اپنے قبضہ کی حیثیت سے ایک شخص کے ہاتھ فروخت کردیا۔ سررشتۂ انعام میں جب اس کی دریافت ہوئی تو وثائق سے اراضی مذکورہ موقوف و مشروط باخراجات درگاہ ثابت ہوئے سررشتۂ انعام نے یہ فیصلہ کیا کہ اگرچہ اراضی مذکورہ موقوفہ ہے مگر قبل احکام نفاذ امتناعی بیع و رہن جائداد ہائے موقوفہ کے سنہ ۱۲۱۶ ف میں بیع ہوئی ہے جس پر مشتری بوثیقہ بیعنامہ قابض ہے۔ اس لئے اراضی مذکورہ قابض کے نام بحال رہے اور اس کا سرکاری مقطعہ پن درگاہ کے خرچ میں بانتظام سرکاری صرف ہو اصل خریدار مرگیا ہے اب اس کا بیٹا قابض ہے۔ بربنائے اطلاع سررشتہ اوقاف نے بعد دریافت اس کا وقف ثابت کیا ہے۔ ایسی حالت میں کہ شرعاً جائداد موقوفہ رہن و بیع نہیں ہوسکتی۔ اگر خریدار یا اس کا وارث باوجود اس علم کے اس جائداد موقوفہ سے اپنا قبضہ نہ چھوڑے تو اس کا قبضہ بطور سرکاری اٹھا دیا جاسکتا ہے یا نہیں ازروئے شرع شریف اس کے متعلق جو احکام ہوں براہ کرم اس سے مطلع فرمایا جائے۔

الجواب

چونکہ شرعاً جائداد موقوفہ کی تملیک ناجائز ہے اس لئے بعد
ثبوت وقف خریدار پر واجب ہے کہ اس جائداد کو رد کردے۔
اور حاکم کو چاہئیے کہ خریدار کو رد کرنے کے لئے حکم کرے فتاوائے
مہدویہ جلد (۲) صفحہ (۴۶۸) میں ہے۔ الوقف بعد تمامہ ولزومہ
لا یقبل التملیک وحیث لم یتحقق مسوغ شرعي
لبیع عقار الوقف یکون الواجب ردہ لجہۃ وقفہ۔
اور صفحہ (۴۶۹) میں ہے۔ لا مسوغ لاحد المستحقین بیع شیئ من
الوقف مل ولا لما طرء بدون مسوغ شرعي ویومر المشتری برفع یدہ عن الارض
المذکورۃ حیث تحققت وقفیتہا الوجہ الشرعي۔
اور در صورت رد نہ کرنے کے حاکم بہ جبر رد کر لینے کا مستحق ہے
کیونکہ شرعاً حقوق اللہ کی نگرانی وحفاظت حاکم وقت کے ذمہ
گردانی گئی ہے فتح القدیر جلد (۵) صفحہ (۳۴۴) میں ہے۔
ان الحاکم ھو الذی یتولی حقوق اللہ تعالی فتاوائے رد المحتار
جلد (۵) کے صفحہ (۲۱) میں علامہ قنلی زادہ سے منقول ہے۔
فیجب علی کل قاض عادل عالم وعلی کل قیم امین غیر ظالم ان ینظر فی
الاوقاف۔ واللہ اعلم بالصواب

کتاب الھبہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حالت صحت میں اپنی کل املاک منجملہ چار زوجہ کے ایک زوجہ کو ہبہ کر کے اپنی زندگی ہی میں قبضہ دیدیا اور انتقال کر گیا۔ ان چار زوجہ میں سے کسی کا مہر بھی ادا نہیں کیا تو کیا اس صورت میں یہ زوجات املاک مذکورہ سے اپنا مہر لے سکتی ہیں یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی جب زید اپنی کل املاک حالت صحت میں ہبہ کر کے زوجہ کو قبضہ بھی دیدیا ہے تو اب بعد وفات زید ان املاک سے دیگر زوجات کا زر مہر ادا کرنا شرعاً ناجائز ہے کیونکہ زوجہ کو جو ہبہ کیا جاتا ہے اس کا واپس لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور اسیطرح ہبہ کرنیوالے اور ہبہ لینے والے ان دونوں سے کسی ایک کے فوت ہو جانے سے بھی ہبہ کردہ شئے کا واپس لینا درست نہیں ہدایہ مصطفائی کے

کتاب الہبہ صفحہ (۲۷۴) میں ہے۔ وان وهب هبة لذی رحم محرم منه لم یرجع بها وکذلك ما وهب احد الزوجين للآخر اور صفحہ (۲۷۳) میں ہے۔ واذا وهب هبة لاجنبی فله الرجوع فيها الا ان يعوضه عنها او يزيد زيادة متصلة او يموت احد المتعاقدين بنابریں جبکہ زید کا اپنی حین حیات زوجہ سے بوجہ زوجیت ہبہ کردہ شئے کا واپس لینا شرعاً جائز نہیں تھا پس اب جبکہ زید واہب خود فوت ہوگیا ہے تو ورثائے زید کا ان املاک کو واپس لینا یا ان سے زید کا دین ادا کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

بچوں کو بغرض تعلیم صلوٰۃ و دیگر علوم شرعیہ کس حد تک تنبیہ کرنے اور مارنے کی اجازت ہے۔

الجواب

نماز کے لئے بچوں کو تین بار نرمی کیساتھ ان کی طاقت کے موافق ہاتھ سے

مارنا چاہیئے اس سے زیادہ یا لکڑی سے مارنا جائز ہے اور یہ بھی اسوقت چاہیئے جبکہ بچہ دس سال کے سن کو پہونچے۔ کم عمری کے زمانہ میں مارنا جائز ہے۔ محض دہمکی کافی ہے فتاوائے امداد الفتاح مشہور بہ فتاوائے شرنبلالیہ صفحہ (۱۵۹) میں ہے۔ (وتضرب علیہا لعشر لما روینا وذلک سد لابخشبہ ای لا بالعصا. رفقا بہ وجزاً بحسب طاقتہ ولا یزید علی ثلاث ضربات بیدہ) جامع الرموز صفحہ (۱۳۵) میں ہے۔ وعلیہ ان یضربہ اذا بلغ عشر سنین للصلوٰۃ بالید لا بالخشب الکل فی الملتقط تعلیم کے لئے بھی استاد کو تین بار سے زیادہ مارنے کی اجازت نہیں ہے شرح وہبانیہ صفحہ (۲۰۶) میں ہے۔ (والمعلم یضربہ بحکم الملک بتملیک عن الاب لمصلحۃ التعلم ولا یزید علی ثلاث ضربات بغیر آلۃ جارحۃ) قالہ الطرطوسی اگر اس سے زیادہ مارے جسمیں بچہ ہلاک یا زخمی ہوجائے تو استاد اس کے خون کا ضامن ہوگا اور اس پر تعزیر لگائی جائیگی حاشیہ بحر الرائق منحۃ الخالق صفحہ (۵۲) جلد (۵) میں ہے۔ (لکن فی السویر وشرحہ عن التتمۃ لو ضرب المعلم الصبی ضرباً فاحشاً فانہ یعزرہ ویضمنہ لومات) مگر جس صورتمیں کہ لڑکے کے باپ نے استاد کو تین مار یا اس سے کم مارنے کی اجازت دی تھی اور استاد نے اسیقدر حسب اجازت لڑکے کو مارا جس سے لڑکا مر گیا۔ تو ایسی صورتمیں استاد ضامن نہیں ہے جامع الرموز

صفحہ(۵۳۱) میں ہے (ان للعلم لو ضرب الصبی لم یضربه الا ان یاذن له الاب ان یضرب بلتا او اقل) استاد کو چاہیئے کہ لکڑی سے نہ مارے اگرچہ بچہ کے باپ نے لکڑی سے مارنیکی اجازت دی ہو کیونکہ اسمیں لڑکے کی ہلاکی کا اندیشہ ہے۔ جامع الرموز صفحہ(۵۳۱) میں ہے (لا یضرب با لخشبه وان اذنه الاب) واللہ اعلم با الصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے والد یعنے مسعود صحابی سے تھے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے والد مسعود بن غافل ہیں استیعاب میں مساعید کا ذکر دیکھا گیا۔ اور اصابہ فی احوال الصحابہ۔ تقریب التہذیب تہذیب التہذیب۔ یہ تمام کتابیں دیکھی گئیں مگر کسی جگہ مسعود بن غافل صحابی نہیں بیان کئے گئے استیعاب میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اجداد کا جو ذکر کیا گیا ہے بعینہ عبارت استیعاب درج ذیل ہے جس سے بعد تحقیق معلوم ہوا ہے کہ مسعود حضرت عبداللہ کے والد بلکہ یہ اجداد میں صحابی نہیں ہیں — عبداللہ بن مسعود بن العافل بالعین المنقوطه والفاء ابن حبیب بن سمح بن فار بن

مخروم بن ماهله بن کاهل بن الحارث بن تمیم

بن سعد بن هذیل بن خزیمه بن مدرکة بن الیاس

بن مضر ابو عبد الرحمن الهذلی حلیف بنی زهرة - واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مرد ایسی عورت کو لکھے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرماتے ہیں تو عورت نے لکھا کہ غلط ہے یا جھوٹ ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کو جھوٹ لکھنے سے وہ عورت کافرہ ہوگی یا نہیں۔ اگر کافرہ ہوجائیگی تو پھر مرد کو اسکے ساتھ وطی کرنا بلا تکرار عقد جائز ہے یا نہیں۔ اگر تکرار عقد کی ضرورت ہے تو ایسی صورتمیں عقد جدید کے ساتھ مہر جدید ہوگا یا عقد اول سے جو مہر مقرر تھا اسی پر عقد کرنا ضروری ہوگا۔ یا مرد کو اختیار ہوگا اور شہود میں بجائے دو مردوں کے چار عورتیں کافی ہوسکی ہیں یا نہیں۔ یا ایک مرد کا رہنا ضرور ہے۔

بینوا توجروا۔

الجواب

تکفیر و عدم تکفیر کے متعلق فتویٰ دینے کے لئے شرعاً یہ حکم ہے کہ اولاً کلمات کفر پر غور کیا جائے اگر انہیں متعدد وجوہ ہیں تو حتی الوسع مفتی پر یہ لازم ہے کہ جو پہلو عدم کفر کا ہے اس پر قائل کے قول کو محمول کرے

چونکہ ہر وقت مسلمان کیساتھ نیک گمان رکھنے کی ضرورت ہے اسلئے اگر قائل نے ان الفاظ سے دوسرے معنے لینے کے متعلق اپنی نیت وارادہ ظاھر کیا ہے۔ تواسی کا لحاظ ہوگا اور اگر کفر کے معنے کی نیت کی ہے تو اسکو توبہ وتجدید نکاح کا حکم دیا جائیگا۔ جامع الفصولین جلد (۲) صفحہ (۲۹۸) میں ہے۔ ثم اعلم انہ لو کان فی المسئالة وجوہ توجب الکفر ووجہ واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجہ الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم ثم لو کانت نیة القائل ذالك فھو مسلم ولو کانت نیتہ الوجہ الذی یوجب الکفر لا ینفعہ حمل المفتی کلامہ فیومر بالتوبہ وتجدید النکاح

پس صورت مسؤلہ میں زوجہ نے خاوند سے حدیث سنکر غلط ہے یا جھوٹ ہے جو کہا ہے اس جملہ میں دو احتمال ہیں پہلا احتمال یہ ہے کہ زوجہ کو اس قول سے حدیث کی تکذیب منظور نہیں ہے۔ بلکہ اسکی غرض یہ ہوگی کہ زوج اس کلام کو جو حدیث ہے کہہ رہا ہے۔ زوج کا اسکو حدیث کہنا غلط ہے۔ عورتوں کی اکثر عادت ہوتی ہے کہ مردوں کی طرف یہ خیال رکھتی ہیں کہ مرد خود غرض ہیں اور اپنی غرض کو کسی طرح یہ کہکر کہ یہ قول خدا کا ہے اور یہ قول رسول ہے۔ اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ اور یہ بھی خیال کرتی ہیں کہ مردوں کے لئے عورتوں کیساتھ جھوٹی باتیں کرکے

انکو راضی کرلینا اور سمجھا لینا جائز ہے بنابریں اکثر عورتیں گفتگو کے وقت مردوں کی بات کو غلط اور جھوٹ کہدیا کرتی ہیں۔ ایسے موقعہ میں انکو خدا ورسول کے فرمان کی نسبت بھی یہی خیال گذرتا ہے۔ کہ یہ فی الحقیقت نہ قول خدا ہے اور نہ قول رسول بلکہ خاوند نے محض منانے اور سمجھانے کے لئے اپنی بات کو خدا ورسول کا قول کہہ رہا ہے اس لئے اس کا اس قول کو خدا و رسول کی طرف منسوب کرنا اور حدیث ہے کہنا غلط ہے ایسی صورت مسئولہ میں عورت سے تفصیلاً دریافت کیا جائے اگر عورت نے سابق الذکر خیال سے صرف زوج کو جھوٹا کرنے کے لئے یہ قول کہا ہی تو ایسی صورتمیں عورت کافرہ نہیں ہے کیونکہ اسکی غرض اسوقت نفس حدیث کی تکذیب نہیں ہے۔ بلکہ زوج کو اس قول میں یعنے اسکو اسکے حدیث ہی کہنے میں جھوٹا کہنا مقصود ہے ایسے وقتمیں اس کے اس قول (جھوٹ ہے یا غلط ہے) کے یہ معنے ہونگے کہ زوج کا اس کلام کو حدیث ہی کہنا جھوٹ ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ عورت اس کلام کو حدیث جانکر یہ کہے کہ جھوٹ ہے پس اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ کلام جسکو تم حدیث کہتے ہو یہ کلام خود جھوٹا اور غلط ہے۔ یعنے یہ کلام لغو اور ناقابل اعتبار ہے اسکے معنے کے موافق نہ عمل کرنا چاہیئے اور نہ اعتقاد رکھنے کی ضرورت ہے

پس ایسی صورتمیں نص حدیث کی تکذیب لازم آتی ہے جو تکذیب قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قول کی تکذیب کی جاتی ہے اگر وہ قول احکام شرعی اور امور دین سے متعلق ہے تو ایسے قول کی تکذیب کرنے سے مکذب ومنکر شرعاً کافر ومرتد ہوجاتا ہے۔ فتاوائے درمختار باب المرتد ہے

والکفر لغة الستر وشرعاً تکذیبه صلی الله علیه وسلم فی شیء مما جاء به من الدین ضرورة۔ شرح عقائد مجتبائی صفحہ (۱۲) میں ہے۔ ورد النصوص بان ینکر الاحکام التی دلت علیها النصوص القطعیة من الکتاب والسنة بخلاف الاحاد مثلاً کفر لکونه تکذیباً صریحاً لله تعالیٰ ورسوله صلعم

مگر شرط یہ ہے کہ وہ قول بطریق تواتر قطعی الدلالة ثابت ہوا گر متواتر قطعی الدلالة نہیں ہے تو اسکے انکار سے منکر کافر نہیں ہوتا بلکہ ضال یعنی گمراہ ہوتا ہے۔ جامع الفصولین جلد (۲) صفحہ (۳۰۳) میں ہے۔

روی حدیثاً عن النبی صلی الله علیه وسلم فرده آخر قال بعضهم کفر ومن المتاخرین من قال کفر لو متواتراً شرح عقائد کے حاشیہ میں ابو ورد سے منقول ہے۔ قوله والسنة ای المتواترة مثل المحکم والمفسر منهما واما الظواهر والنصوص فیضلل منکرها ولا یکفر۔ فتاوائے ردالمحتار شامی جلد (۳) صفحہ (۲۹۳) میں ہے۔ ثم نقل فی نور العین عن رسالة الفاضل

الشہیر حسام جلبی من عظماء علماء السلطان سلیم بن بایزید خان مانصہ اذا لم تکن الآیۃ اوالخبر المتواتر قطعی الدلالۃ اولم یکن الخبر متواترًا او کان قطعیا لکن فیہ شبہۃ او لم یکن اجماع الجمیع او کان ولم یکن اجماع الصحابۃ او کان ولم یکن اجماع جمیع الصحابۃ او کان اجماع جمیع الصحابۃ ولم یکن قطعیًا بان لم یثبت بطریق التواتر او کان قطعیًا لکن کان اجماعا سکوتیا ففی کل من ھذہ الصور لا یکون الجحود کفرًا۔

اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول احکام شرعی اور امور دین کے متعلق نہیں ہے تو اس کا منکر شرعًا کافر نہیں ہے فتاوائے عالمگیری جلد دوم باب احکام المرتدین ما یتعلق بالانبیاء علیہم السلام میں ہے۔

قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سالت صدر الاسلام جمال الدین عمن قرأ حدیثا من احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رجل (ہمہ روز خلشہا خواند) قال ان اضاف ذلک الی القاری لا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبطران کان حدیثا یتعلق بالدین واحکام الشرع یکفروان کان حدیثا لا یتعلق بہ لا یکفر وتحمل مقالتہ علی ان ارادبہ قرأۃ عاریہ اولیٰ۔

پس صورت مسئولہ میں عورت نے اگر نفس حدیث کی تکذیب کی ہے اور وہ حدیث احکام شرعیہ اور امور دین کے متعلق متواتر قطعی الدلالۃ ہے تو یقینًا کافرہ ہے اس پر توبہ کرنا اور نکاح کی تجدید کرنا لازم ہے جیسا کہ جامع الفصولین کی عبارت سابقۃ الذکر یوم بالتوبۃ وتجدید النکاح

سے ثابت ہے اور اگر متواتر نہیں ہے یا احکام دین اور امور شرعیہ کے متعلق نہیں ہے تو عورت کافرہ نہیں ہے۔

ف ۲ عورت کے کافرہ ہونیکی صورتمیں جبکہ زوج بعد توبہ و رجوع باسلام نکاح کی تجدید کرنا چاہتا ہے۔ زوج پر مہر کی زیادتی لازم نہیں ہے بلکہ مہر سابق ہی پر نکاح کرنا چاہیئے۔ اور اگر زوج خود زیادتی کرنا چاہتا ہے تو یہ اس پر لازم ہوجائیگا فتاوائے عالمگیری جلد ۱ صفحہ (۳۱۳) میں خلاصہ سے منقول ہے۔ وفتوی القاضی الامام علی انه لایجب بالعقد الثانی شیء الا اذا عنی به الزیادة فی المهر فحینئذ یجب المهر الثانی کذا فی الخلاصة فتاوائے شامی جلد ۲ صفحہ (۴۳۶) میں ہے۔

فی المنیة جدد للحلال نکاحا بمهر یلزم ان جدده لاجل الزیادة لا احتیاطا ای لو جدده لاجل الاحتیاط لا تلزمه الزیادة بلا نزاع کما فی البزازیة

پس صورت مسئولہ میں بدون زیادتی مہر کے نکاح کرنیکی صورت یہ ہے کہ تجدید نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا جائے۔ اگر کیا جائے تو بھی اسی سابق مہر کا ذکر ہو۔ خزانۃ الروایۃ صفحہ (۳۵) میں ہے۔

ثم اراد الزوج ان لایلزمه مهراً اخر بلا خلاف ینبغی ان یجدد النکاح ولو یذکر المهر او یجدد النکاح بذالک المهر فلا یجب علیه مهر اخر۔

ف ۳ عورتوں کی شہادت بدون شرکت مرد کے شرعاً مقبول

ومعتبر نہیں ہے۔ البتہ دایہ کی شہادت ولادت پر حق نسب میں قبول کی جاتی ہے۔ فتاوائے عالمگیری جلد سوم صفحہ ۱۵۱۲ میں ہے

ولاتقبل شهادة النساء وحدهن الا شهادة القابلة على الولادة في حق النسب دون الميراث هكذا في فتاوى قاضيخان۔ والله اعلم بالصواب۔

کتاب الجہاد

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرقہ غیر مقلدین مسمی بہ عامل بالحدیث یا اہل حدیث سنی مذہب میں داخل ہیں یا خارج سوائے اہل سنت وجماعت کے بہتر فرقوں میں سے کسی فرقہ کا نام سنی ہے یا کیا۔ فرقہ عامل بالحدیث یعنے وہابین اپنے سنی ہونیکا جو دعوے کرتے ہیں حق ہے یا باطل۔ مذکورہ بالا فرقہ کی بنا کب سے ہے۔ مذکورہ بالا فرقہ پیدا کے پیشتر جنہوں نے مساجد بنائے ہیں انکے ارادے کے موافق یہ فرقہ والے ان مساجد میں نماز پڑھنے کے مستحق ہیں

یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

صحیحین کی حدیث (علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین عضوا علیہا بالنواجذ) سے یہ ثابت ہے کہ ہر ایک مسلمان پر آن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ان کے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا اور اسکو دانتوں سے مضبوط پکڑنا واجب ولازم ہے اسیطرح ترمذی کے حدیث صحیح (ان اللہ لایجمع امتی علی ضلالۃ ویداللہ علی الجماعۃ من شذ شذ فی النار) سے ثابت ہے کہ جس مذہب پر امت کا اجماع ہو وہی مذہب حق ہے۔ اور جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے۔ اور جو شخص جماعت عامہ سے خارج ہو وہ نار میں داخل ہوگا۔ اور ایک حدیث میں سواد اعظم کے اتباع کا حکم بھی آیا ہے جبکہ حدیث سابق الذکر سے اتباع سنت اور بعد والی حدیثوں سے جماعت عامہ یعنے سواد اعظم کیساتھ رہنے کا حکم ثابت ہے تو اسوقت مذاہب اربعہ (یعنے حنفی) شافعی۔ مالکی حنبلی حنیر اجماع امت ہوگیا ہے۔ اور ہر ایک مذہب کے علماء نے ایک دوسرے کی حقانیت پر فتوے دیدیا ہے۔ ان کے سوائے کوئی اور مذہب حق نہیں ہے۔ اور چونکہ یہی سواد اعظم ہے اس لئے باجماع امت اسکے مجموعہ کا نام سنۃ وجماعۃ رکھا گیا۔ اشباہ والنظائر میں ہے۔

وماخالف الائمة الاربعة مخالف للاجماع وقد صرح فى البحر بان الاجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف الاربعة لانضباط مذاهبهم وكثرة اتباعهم۔

تفسیر احمدی میں ہے۔ قد وقع الاجماع على ان الاتباع انما يجوز للاربع فلا يجوز الاتباع لمن حدث مجتهدا مخالفا لهم۔ اور دوسری جگہ ہے۔ والانصاف ان انحصار المذاهب فى الاربعة واتباعهم فضل الٰہى وقبولية عند الله تعالى لامجال فيه للتوجيهات والادلة۔ اور حافظ ابن حجر شافعی نے فتح المبین فی شرح الاربعین میں لکھا ہے

اما فى زماننا فقال ائمتنا لايجوز تقليد غير الائمة الاربعة الشافعى ومالك وابى حنيفة واحمد رضوان الله عليهم اجمعين۔

اور علامہ ابراہیم بن مرعی مسرحی مالکی نے فتوحات وہبیہ میں لکھا ہے۔ اما فيما بعد ذلك فلا يجوز تقليد غير الائمة الاربعة مالكؒ وابى حنيفةؒ والشافعیؒ واحمدؒ لان هؤلاء عرفت قواعد مذاهبهم واستقرت احكامها وخدمها تابعوهم وحرروها فرعًا فرعًا وحكمًا حكمًا۔

ف فتاوائے شامی کے جلد (۳) صفحہ (۳۱۹) خوارج کے بیان میں
اس طرح صراحت کی گئی ہے۔ کہ سنہ ۱۲۳۳ھ میں خارجیوں کا ایک فرقہ
عبدالوہاب نجدی کا تابع تھا جو اپنے کو حنبلی مذہب ظاہر کیا تھا۔
مگر اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا میں اس کے سوا کوئی مسلمان نہیں اور اسکے
خلاف جتنے اہل مذہب ہیں وہ سب مشرک ہیں۔ چنانچہ وہ اور اسکے
متبعین اہل سنت اور ان کے علما کو قتل کرنا مباح جانتے تھے، اور اسی
بنیاد پر انھوں نے صدہا مسلمانوں کی خونریزی کی۔ اور حرمین شریفین پر
قابض ہو گئے۔ آخر کار خدا تعالے نے مسلمانوں کو ان پر فتح دی
جس سے انکی شان وشوکت ٹوٹ گئی اور ان کے شہر ویران ہو گئے۔

هكذا عبارته والاكتفاء بهم اعتقادهم كفر من خرجوا عليه
كما وقع في زماننا في اتباع عبد الوهاب الذين
خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون
مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم
المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون
اباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم
حتى كسر الله تعالى شوكتهم وخرب بلادهم وظفر بهم
عساكر المسلمين عام ثلاث وثلثين ومائتين والف۔

پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ خارجی فرقہ کے ہیں جو کسی طرح
اہل سنت سے نہیں ہو سکتے ۔ بلکہ علامہ شامی کے اس جملہ (وطعن کرہم عسا
المسلمین) سے تو ان کے مسلمان ہونے میں کلام ہے پس ایسی حالت میں
انکا اپنے کو سُنی کہنا بالکل لغو اور باطل ہے ۔
ف شریعت میں اس قسم کے لوگوں کو کہ جنکے داخل ہونے سے فساد پیدا ہوتا
ہے اور مسلمانوں کو اذیت پہونچتی ہے مسجد میں آنیکی ممانعت کی گئی ہے
در مختار مطبوعہ مجیدی کے صفحہ (۱۰۲) میں ہے ۔ ویمنع منہ
وکذا کل موذ ولو بلسانہ) اور اہل محلہ کو یہ حق دیا گیا ہے کہ
جو ان میں سے نہیں ہے اسکو اپنی مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کریں جیسا
کہ در مختار کے اسی صفحہ (۱۰۲) میں ہے ۔ ولاھل المحلۃ منع من
لیس منھم عن الصلاۃ فیہ پس جبکہ یہ فرقہ اہل سنت وجماعت سے
خارج ہے ۔ اور اعتقادات فاسدہ کی وجہ سے سنیوں کو ان کے مسجد میں
آنے سے اذیت ہوتی ہے ۔ تو سُنیوں کو چاہیئے کہ انکو اپنی مسجد میں
داخل ہونے سے اور نماز پڑھنے سے منع کریں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

حررہ محمد رکن الدین

الاجوبۃ صحیحہ — المجیب مصیب — الاجوبۃ صحیحۃ

محمد لطف اللہ عفا اللہ عنہ — سید محمد عبد الرحمن قادری — محمد قاسم عفی عنہ

اصاب من اجاب — اصاب المجیب — جواب درست ہے۔

محمد عبد القادر عفی اللہ عنہ — شیخ احمد کان اللہ لہ — سلطان حسن محدوی

للہ در المجیب حیث اتی بجواب عجیب

ابو محمد محمد حسینی الحسنی المعروف بالسید خواجہ پیر حسینی القادری الکربولی عفا اللہ عنہ ولوالدیہ

صحتنامہ فتاوائے نظامیہ حصہ اول

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱	مذکر	مذکر	۱۲	۱۱	فی الوجیز الکردری	فی الوجیز للکردری
۲	۱	ماءالبحر	ماءالبحر	″	″	ولو بدلت	ولو ابدلت
″	۱۷	ردالمحتار	وبرد المحتار	۱۵	۹	محرم فی لذہ	محرم فی الدرر
۴	۱۱	فی کل مسجد من	فی کل مسجد	۱۶	۴	عاعادہا	اعادہا۔
۵	۵	پڑھنے کی ضرورت	پڑھنے کی ضرورت	۱۸	۴	والعالماً	والعالم مسلماً
″	″	غسل نماز پڑھتے	قبل نماز پڑھے	۲۲	۸	شرنبلالبہ	شرنبلالیہ
۶	۱۰	لاہم	لاہم	۲۳	۶	شرمبلالیہ	شرنبلالیہ
۷	۹	رانی	رانی	″	۶	حنفیہ	جنبیہ
″	۱۰	زانی	زانی	″	۸	بارہ	بارے
۸	۱۲	نکلاسکا	نکالسکا	۲۵	۸	اون	اُن
۱۱	۱۵	جسے	جسے	۲۶	۴	ہیں	نہیں۔
″	″	طاصناو	طاصا	″	۹	کی اتباع	کا اتباع

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۶	۱۳	کی اتباع	کا اتباع
۳۰	۴	لاتتخذوا	لاتتعدوا
۳۱	۱۲	درالحتار	درالمختار
۴۴	۹	گر	اگر
۴۵	۱۱	علی الراجح	علی المراجح
۴۷	۱۳	بحرالرائق	بحرالرائق
۵	۱۷	المسلمین	للمسلمین
۶۲	۱۷	الموال اللیل	المول اللیل
۶۳	۱۵	لاستطارتہ	لاستطارقہ
۶۵	۵	الاستہ	الاتیۃ
"	۱۲	عن التنتہ	عن التتمہ
۷	"	طلبا علم	طلباے علم
۸۱	۳	سہر	گھر
۸۲	۳	غبنی	عیسی
۸۷	۴	نفرصہا	غیفرضہا
۹۳	۱۷	حصب	عصب
۱۰۶	۱۶	حاملہ ملو	حاملہ ہو
۱۱۳	۱۷	مافعال	مافعال
۱۱۴	۱۳	لعرصہ	لعرقہ
۱۲۰	۱	احرا	اجزائے
۱۲۲	۲	باب اللقیتین	باب الطیبا
۱۲۳	۱۴	الصفہ	النفقۃ
۱۴۵	۱۵	دسل	دسل
۱۴۳	۳	جائی	جائز

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵۰	۱۵	القدادی	القنادی
۱۵۱	۴	صو	جو
"	۵	سسکرت	سنسکرت
۱۶۷	۷	سہرا	بسیرا
۱۷	۵	دوساھن	دراھن
۱۷۳	۱۳	مفردل	معزدل
۱۷۴	۴	وامرحوال	وال
"	۹	لشہادۃ	الشہادۃ
"	۱۴	بہت	بہت
۱۷۹	۱۱	دمع یدہ	وضع یدہ
۱۸۰	۱۳	فذلک	فذلک
۱۸۱	۱	فی اا دقت	فی الوقت
۱۹۴	۱	سکوتیا	سکوتیا
۱۹۸	۲	اعصار	انحصار

اسمیں اور بھی چھوٹی چھوٹی غلطیاں رہ گئی ہیں معمولی ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر دی گئی ہیں — مرتبہ ابوالمعانی شیخ عبدالقادر قیصر منشی فاضل مصحح مجلس اشاعۃ العلوم

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	فن	[illegible]	[illegible]	کیفیت
۷	حکمت بالغہ جلد دوم	مولوی احمد مکرم صاحب چریاکوٹی	علم کلام	۶۰۶	۸ر	قرآن کلام الٰہی ہونیکا ثبوت اور مخالفین کے شبہات کے جواب۔
۸	حکمت بالغہ جلد سوم	؍؍	؍؍	۱۷۱	۷ر	؍؍
۹	السبع الاسبع عربی	؍؍	خطبہ	۲۰	۱۰ پائی	نہایت فصیح و بلیغ بے نقطہ خطبہ۔
۱۰	سرمایۂ نجات	مولوی عبدالجلیل صاحب نعمانی	فقہ	۹۶	۳؍	مسائل ضروریہ و ارکان اسلام و مسائل فقہیہ صوم و صلوٰۃ
۱۱	نقشۂ انوار الفرائض	مولوی فتح الدین صاحب زبیر	فرائض		۳؍	ترکۂ میت کی تقسیم اہل اسلام و تناسخ خود کے موافق۔
۱۲	نقشہ ہائے فقہ اردو	مولوی عبیداللہ صاحب مولوی فاضل۔	فقہ	۵ عدد	۲؍	وضو و نماز کے شرائط و فرائض و واجبات و مفسدات و مکروہات وغیرہا۔
۱۳	خطبہ میلاد النبی اردو	مولوی سجاد مرزا بیگ صاحب	خطبہ	۴۴	۳ر	مختصر حالات پیدائش آنحضرت ؐ
۱۴	العروۃ الوثقیٰ عربی	مولوی سید غلام محمد برہان الدین صاحب مہاجر	میلاد شریف	۱۰۴	ر	ثبوت اور فضیلت اور جواز محفل میلاد۔
۱۵	الوسیلۃ العظمیٰ	.	.	۱۳۷	۴ر	جواز قیام وقت ذکر ولادت آنحضرت ؐ
۱۶	زاد السبیل الی دار الخلیل اردو	مولوی سعداللہ صاحب	مناسک حج و عمرہ	۱۲۰	۴ر	مناسک حج و عمرہ و ممنوعات و مکروہات احرام کا بیان
۱۷	اعظم التجرید اردو	مولوی سلامت اللہ صاحب	تجوید	۴۴	۲؍	قرأت قرآن کا مدلل ثبوت قواعد تجوید کا بیان۔
۱۸	رفع الحجاب عن مسئلۃ الخضاب	؍؍	مسئلہ خضاب	۳۲	۲ر	کالا خضاب جائز ہونیکا ثبوت۔
۱۹	شعائر اللہ فی اثبات فضائل شعر رسول اللہ	؍؍	آثار و موئے مبارک	۷۰	۲ر	موئے مبارک و آثار شریفہ کی زیارت کا ثبوت
۲۰	سعادت الشرافت اردو	؍؍	اخلاق	۴۰	۱ر	آہستہ اور پکار کر ذکر کرنے کا ثبوت۔
۲۱	سفرنامہ حرمین شریفین اردو	مولوی محی الدین صاحب دہلوی	سفرنامہ حج	۲۴۴	۱۲ آنے	حرمین شریفین و احکام حج و عمرہ کا بیان اور اسفار بحری و بری کے [illegible]

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	فن	تعداد صفحات		کیفیت
۲۲	احسن التوضیح فی مسئلۃ التراویح	مولوی مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی	فقہ	۲۲	[illegible]	تراویح کے بیس رکعت کا ثبوت بادلۂ واضحہ
۲۳	تحقیق مسح الجوربین فارسی	,,	,,	۴۴	۱/	پائتابوں پر مسح کرنے کی تحقیق۔
۲۴	فیصلۂ شاہ صاحب دہلوی اردو	,,	تصوف	۲۶	۱/	وحدۃ الوجود کے حق میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا مدلل فیصلہ۔
۲۵	ثبوت ذکر جہر اردو	,,	فقہ	۱۰	۶/	بلند آواز سے ذکر کرنے کا ثبوت
۲۶	تحفۃ السالکین اردو	,,	سلوک	۲۴	۱/	صوفیہ کے ذکر و شغل وغیرہ کی توضیح
۲۷	تفسیر سورۂ اعلیٰ فارسی	,,	تفسیر	۲۴	۱/	سورۂ اعلیٰ کی مفید تفسیر
۲۸	الدلیل الاظہر اردو	,,	فقہ	۱	۶/	کلوخ استنجا کا ثبوت
۲۹	فتاوائے رحمانیہ جلد اول	مولوی محمد رکن الدین صاحب مفتی محکمہ ٹونک	مسائل فقہ	۳۱۶	۱۰/	مسائل دینیہ ضروریہ کا مفید مجموعہ
۳۰	خیر المواعظ جلد اول	مولانا محمد زمان خاں صاحب شہید رح	مواعظ و نصائح	۶۶۰	۷/	اوامر و نواہی صحیح حدیثوں سے بیان کیے گئے ہیں
۳۱	اصطلاحات الصوفیہ عربی	علامہ کمال الدین ابوالغنائم	تصوف	۱۶۸	[illegible]	صوفیوں کے اصطلاحات
۔	۔	عبدالرزاق کاشی۔	۔	۔	۔	نہایت مفید۔
۳۲	مذہب منصور	مولانا مولوی منصور علی خاں صاحب	اتباع سنت	۴۴۴	۱۲/	ہدایات اتباع سنت
۔	۔	مدرس مدرسہ طبیہ آصفیہ	۔	۔	۔	واجتناب از بدعت۔

فتاویٰ نظامیہ

حسب فرمائش

باہتمام

فہرست مضامین فتاویٰ نظامیہ حصہ دوم

مضمون	صفحہ

ضروری اطلاع - اس حصہ کی مجمل فہرست انجمن اشاعۃ العلوم سے کتاب کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔ چونکہ اس سے ہر ایک فتوی کی حقیقت کما حقہ مفصل طور پر معلوم نہیں ہوتی تھی اس لئے راقم نے اسکی یہ تفصیلی فہرست بغرض طبع انجمن میں ارسال کی تھی جس کو کارپردازان انجمن نے غیر ضروری سمجھ کر طبع نہیں کیا۔ راقم کی دانست میں چونکہ کتاب کی حالت کا انکشاف اس کے بغیر دشوار ہے اور ناظرین کے لئے بغیر پوری کتاب دیکھنے کے اس کے پورے مسائل سے واقف ہونا ناممکن ہے اور بروقت ضرورت دریافت طلب مسئلہ کا سہولت سے نکال لینا اس کے بغیر مشکل امر تھا اس لئے راقم نے اس کو بطور خود بغرض افادہ عام طبع کرایا ہے اور فہرست اس کی پانچ سو کاپیاں چھپی ہیں اگر یہ ختم ہوجائیں گی تو پھر حسب ضرورت طبع ہوتی رہیں گی ناظرین کتاب کے ساتھ اس کو بھی ضرور خریدیں تاکہ کتاب سے کماینبغی فائدہ حاصل ہو فقط

محمد رکن الدین عفی عنہ

فہرست مختصر مطبوعات دائرۃ المعارف و اشاعۃ العلوم وغیرہ

کنز العمال عربی للشیخ المتقی الہندی ثم المکی ۸ جلد قیمت

الاستیعاب فی اسماء الاصحاب عربی ـ للحافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ ۲ جلد } قیمت ـ ـ

تہذیب التہذیب عربی للحافظ ابن حجر عسقلانی ۱۲ جلد قیمت

شرح سیر کبیر عربی للعلامۃ السرخسی ۴ جلد ـ قیمت ـ

کتاب الازمنۃ والامکنۃ للامام ابو علی مرزوقی ۲ جلد قیمت

تذکرۃ الحفاظ مع الفہرس عربی للذہبی ۵ جلد قیمت

کتاب الروح عربی للحافظ ابن قیم قیمت ـ ـ

المغرب فی لغۃ الفقہ عربی لابی الفتح المطرزی ۲ جلد قیمت

لسان المیزان عربی للحافظ ابن حجر عسقلانی رح ۶ جلد قیمت

مشکل الآثار عربی للامام ابو جعفر طحاوی ۴ جلد قیمت ـ

الجواہر المضیۃ عربی للعلامۃ عبد القادر الحنفی ۲ جلد قیمت ـ

معجزات نبی الوریٰ ترجمہ خصائص کبریٰ اردو دو جلدوں میں از مولنا عبد الجبار خاں صاحب آصفی ـ قیمت ـ

طی الفراسخ الی منازل البرازخ مع رسائل متعلقہ اردو مطبوعہ آگرہ از مولنا ذو الفقار احمد صاحب ـ قیمت ـ ـ

حقائق المذاہب اردو از سید محمد حسین اغلب عفی عنہ قیمت

رقعات و مضحکات نعمت خاں عالی فارسی از مرزا محمد شیرازی قیمت

مقاصد الاسلام اردو گیارہ ۱۱ جلدوں میں از حضرت مولنا مولوی محمد انوار اللہ خاں صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ ـ قیمت

کتاب العقل اردو مولفہ حضرت ممدوح مغفور ـ قیمت

حقیقۃ الفقہ اردو دو جلدوں میں مولفہ ایضاً ـ قیمت

انوار احمدی مولفہ حضرت مولنا مولوی محمد انوار اللہ خاں صاحب المخاطب بنواب فضیلت جنگ مرحوم ـ قیمت ـ

افادۃ الافہام اردو دو جلدوں میں ردّ ازالۃ الاوہام مولفہ ایضاً قیمت

الکلام المرفوع فی حدیث الموضوع و انوار التمجید فی ادلۃ التوحید مولفہ ایضاً ـ ـ ـ ـ جاری الطبع

التحفۃ البازغہ عربی از مولوی برکات احمد صاحب قیمت

تفسیر روح الایمان تا سورہ بقرہ از مولوی فتح الدین احمد صاحب آزر قیمت

تمدن ہند اردو مترجم از زبان فرانسیسی مولفہ شمس العلما مولنا مولوی سید علی صاحب بلگرامی ـ قیمت ـ

حدیقۃ الاحباب فی احوال الاصحاب اردو از مولوی عبد الحی صاحب قیمت

تذکرۂ سندہ اردو از سید محمد ضامن صاحب کنتوری ـ قیمت

خزینۃ الاصفیاء فارسی اردو دو جلد از غلام سرور صاحب قیمت

آب حیات اردو شمس العلما محمد حسین صاحب آزاد ـ قیمت

الملل و النحل عربی للشہرستانی جزو اول و ثانی ـ قیمت ـ

نور الکریمتین فارسی از قمر الدین حسینی اورنگ آبادی قیمت ـ

ہدیۃ الشیعہ اردو از ابو محمد صاحب ـ قیمت ـ ـ

المعلن

محمد حیدر شریف عفی عنہ

دفتر مجلس اشاعۃ العلوم مدرسہ نظامیہ بلدہ حیدرآباد دکن

مطبوعہ مجلس اشاعۃ الاسلام پریس چھتہ بازار

فہرست مضامین فتاوی نظامیہ جلد ثانی

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الطہارۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ نماز جنازے کے لئے جو وضو کیا جاتا ہے اس سے فرض نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب

وضو چاہے کسی غرض سے کیا جائے اس سے ہر قسم کی نماز فرض و نفل

وغیرہ درست ہے رد المحتار جلد (۱) صفحہ (۷۵) کتاب الطہارۃ میں ہے کل وضوء تصح بہ الصلوٰۃ اسی صفحہ میں ہے ان الصلوٰۃ تصح عندنا بالوضوء ولو لم یکن منویاً۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ حدیث شریف اتی سباطۃ قوم الخ میں ناصیہ سے شارع کی کیا مراد ہے۔

الجواب

ناصیہ سر کے سامنے والے حصے کے بالوں کا نام ہے جو پیشانی کے ختم پر ہوا کرتے ہیں مجمع البحار جلد سوم صفحہ (۳۶۴) میں ہے فی نواصیہا الخیر ھی الشعر المسترسل فی مقدم الرأس الجوہرۃ النیرہ شرح قدوری جلد (۱) صفحہ (۴) میں ہے والناصیۃ ھی الشعر المائل إلی ناحیۃ الجبھۃ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ بحالت جنابت وحیض و نفاس آیات قرآنی یا تسبیح وتہلیل وتحمید یا اسمائے الٰہی کا بغرض تبرک پڑھنا

جیسے کہ یا علوی ساوات کے وظائف ہیں یا قواعد تجوید کی تعلیم میں آیات قرآنی کا بطور تمثیل پڑھنا جس سے کہ تلاوت قرآن مقصود نہیں از روے مذہب شافعی درست ہے یا نہیں۔

الجواب

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں ناپاک کا قرآن شریف کو بغرض تلاوت ایک کلمہ یا ایک حرف بھی پڑھنا حرام ہے اور جو آیات کہ منسوخ التلاوہ ہیں اور درود شریف وتسبیح وتہلیل و دیگر اذکار قرآن جن کے پڑھنے سے تلاوت مقصود نہیں ہے بلکہ محض برکت یا شکر یا مصیبت کے لئے پڑھے جاتے ہیں جیسے کھانے کے وقت "بسم اللہ" اور کھانے کے بعد "الحمد للہ" اور مصیبت کے وقت "انا للہ" وغیرہ اور تعلیم وتدریس و دعا کے لئے قرآن شریف کو بحالت نجاست پڑھنا حرام نہیں ہے کتاب الانوار باب موجبات الغسل کے صفحہ (۳۳) میں ہے ویحرم علی الجنب قرأۃ القرآن علی قصدہ ولو کلمۃ واحدۃ بل ولو حرفا واحدا ولا یحرم تلاوۃ ما نسخت تلاوتہ ولا التسبیح ولا التہلیل ولا الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاشیہ عبد الحمید شرح منہاج کے جز و اول باب الغسل صفحہ (۱۷) میں ہے وتحل لجنب وحائض ولنفساء اذکاره ای القرآن ومواعظہ وقصصہ واحکامہ لا بقصد القرآن کقولہ فی الاکل بسم اللہ وعند فراغہ الحمد للہ وعند رکوبہ

سبحان اللہ الذی سخر لنا ھذ وعند المصیبۃ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نہایہ بغیتہ المسترشدین باب مایحرم بالحدثین صفحہ (۲۳) میں ہے وتحرم قرأۃ القرآن علی نحو جنب بقصد القرأۃ ولومع غیرھا لامع الاطلاق علی الراجح ولا بقصد غیر القرأۃ کرد غلط وتعلیم وتبرک ودعاء۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ گردن کا مسح شرعاً واجب ہے یا مستحب ہے یا مباح۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

گردن کا مسح مستحب ہے در مختار مطبوعہ بر حاشیہ ردّ محتار مصری جلد (۱) صفحہ (۸۸) میں ہے (ومستحبہ التیامن ومسح الرّقبۃ) بظھر یدیہ (لا الحلقوم) لانہ بدعۃ۔ واللہ اعلم بالصّواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ کوئیں میں ایک بالشت سے

چھوٹی مچھلی مرگئی اور پھول کر اوپر آئی پانی میں نہ بو ہے اور نہ رنگ بدلا احتیاطاً
چالیس ڈول نکالے گئے کیا ایسا پانی شرعاً پاک ہے یا نہیں۔

الجواب

مچھلی و مینڈک وغیرہ جو پانی میں پیدا ہوتے اور اسی میں زندگی کرتے
ہیں ان کے پانی میں مرجانے اور پھولنے پھٹنے سے پانی نجس نہیں ہوتا اس سے
وضو و غسل جائز ہے مگر پھٹ جانے کے بعد جبکہ اس کے اجزاء متفرق ہو کر
پانی میں مخلوط ہو جائیں اس پانی کا پینا یا کھانے پینے کی چیزوں میں ڈالنا درست
نہیں کیونکہ پھولی پھٹی ہوی مردار چیز کے اجزاء اس پانی میں شریک ہو جاتے
ہیں جن کا کھانا حرام ہے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۲۴) کتاب الطہارۃ میں ہے
وموت مایعش فی الماء فیہ لا یفسدہ کالسمک والضفدع
والسرطان وفی غیر الماء قیل غیر السمک یفسدہ وقیل
لا وھو الاصح۔ ولا فرق فی الصحیح بین ان یموت فی الماء
او خارج الماء ثم یلقی فیہ کذا فی التبیین ویستوی الجواب
بین المتفسخ وغیرہ الا انہ یکرہ شرب الماء لانہ لا یخلو
عن اجزاءہ وھو غیر ماکول کذا فی محیط السرخسی درمختار
مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار مصری جلد (۱) صفحہ (۱۲۹) میں ہے فلو
تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لا شربہ لحرمۃ
لحمہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک حوض جو اوپر مقدار دہ دردہ سے کم ہے لیکن تقریباً دو چار ہاتھ کے بعد نیچے جاکر دہ دردہ ہوگیا ہے اوپر کی سطح جو وہ دردہ سے بہت کم ہے مذہب حنفی کے مطابق قابل وضو اور غسل ہے یا نہیں بہت سے نمازیوں کے وضوء سے وہ پانی مستعمل ہوگا یا نہیں۔

الجواب

پانی جبکہ حوض کے منہ تک بھرا رہے اس وقت اس مین ہاتھ پیر ڈالکر استعمال کرنا اور وضوء کرنا بہتر نہیں بلکہ اس میں سے پانی لے کر علٰحدہ وضو کرنا چاہیئے کیونکہ مُنہ تک بھر جانے سے اس کا حکم چھوٹے حوض کا ہو جاتا ہے جس میں نجاست گرنے سے وضو ناجائز ہے اور بربنائے احتیاط ہاتھ پیر ڈال کر استعمال کرنا درست نہیں اور جب حوض کا پانی کم ہوکر اس مقام پر پہنچ جائے جہاں سے اس کی مقدار دہ دردہ ہے تو اس وقت اس کا استعمال ہاتھ پیر ڈال کر کرنا درست ہے۔ درمختار کی کتاب الطہارۃ باب المیاہ صفحہ (۱۳۵) میں ہے ولو اعلاہ عشرا واسفلہ اقل جاز حتی یبلغ الاقل ولو بعکسہ فوقع فیہ نجس لم یجز حتی یبلغ العشر اسی باب میں ردالمحتار صفحہ ۱۲۸

مطلب وضو فی الضاقی میں ہے ولکن الاحتیاط لایخفے فینبغی لمن یبتلی بذلک ان لایغسل اعضاءہ فی ذلک الحوض الصّغیر بل یغترف منه ویغسل خارجه۔ واللّٰه اعلم بالصّواب والیه المرجع والماٰب۔

کتاب الصلوٰۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ محلہ راجگلی مسجد کلان میں نماز تراویح حسب ذیل طریقے پر پڑھائی جاتی ہے۔

(۱) بعد فرض عشاء کے صف اوّل میں پیش امام صاحب کے پیچھے ایک مقتدی بیٹھے ہوئے قرآن مجید دیکھکر سماعت کرتا ہے اور دوسرا شخص اُس کے بازو بیٹھے ہوئے ورق گردانتا ہے جہاں امام سے غلطی ہوی فوراً بتلا دیا۔ مقتدیوں میں صرف ایک شخص جو ورق گردانتا ہے اور رکوع وسجود کے وقت قرآن مجید سامع کے سامنے سے بازو ہٹاتا ہے وہ نماز میں نہیں ہوتا محض اسی کام کے لئے بیٹھا رہتا ہے اس طریقے پر تخمیناً چار سال تک نماز پڑھائی گئی۔

۲ صفِ اوّل میں ایک مقتدی بیٹھے ہوئے قرآن مجید دیکھکر سماعت کرتا ہے اور دوسرا بازو بیٹھے ہوئے رکوع وسجود کے وقت سامع کے سامنے سے قرآن بازو ہٹاتا ہے پہلی رکعت میں قرآن مجید اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھا جاتا ہے رکوع وسجود کے وقت سامع کے بازو والا ابھی قرآن مجید ہٹا کر شریک نماز ہو جاتا ہے اس طرح پر تخمیناً پانچ سال تک نماز تراویح پڑھائی گئی۔

۳ پیش امام صاحب خود اپنے سامنے قرآن مجید رکھکر نماز تراویح پڑھاتے ہیں یعنی اُن کے مصلّے کے آگے جائے سجدے کے قریب ایک ٹیبل یا کرسی پر قرآن مجید کھولکر رکھدیتے ہیں اور اوس کے بازو روشنی کے دو قندیل بھی رکھدئے جاتے ہیں۔ قیام میں جہاں تک صاف حفظ پڑھا گیا وہاں تک تو پڑھتے جائیں اور جس جگہ غلطی ہوئی دیکھکر آگے چلتے ہیں ہر ایک رکعت میں ایک صفحہ جو کھلا ہوا رہتا ہے پڑھ لیتے ہیں اور دوسرے دوگانے میں کھڑے ہوتے وقت ورق اُلٹا لیا جاتا ہے اس طرح گذشتہ رمضان شریف اور اب نماز پڑھائی جاتی ہے پیش امام صاحب کو بائیس (۲۲) یا پچیس (۲۵) پارے حفظ ہیں۔ گذشتہ رمضان شریف میں ایک مولوی صاحب سے میں نے دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ اوپر کی دونوں صورتیں مفسدِ صلوٰۃ ہیں اور تیسری مکروہ۔ اس لئے آپ کی خدمت عالی میں یہ مسئلہ پیش کیا جاتا ہے جو امر صحیح ہو اُس سے مطلع فرمائیے۔

الجواب

شخص خارج نماز اگر نمازی کو لقمہ دے اور نمازی اس کا لقمہ لے لے
تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے عالمگیریہ جلد اوّل باب فیما یفسد الصلوٰۃ میں
ہے وان فتح غیر المصلی علی المصلی فاحدہ بفتحہ تفسد
کذا فی منیۃ المصلی پس پہلے اور دوسرے سوال میں چونکہ خارج
نماز شخص نے امام کو لقمہ دیا ہے اس لئے جن نمازوں میں امام اس کا لقمہ لیا
وہ سب فاسد ہوگئیں امام و مقتدیوں پر ان کا اعادہ واجب ہے۔
ف حافظ قرآن امام اگر بحالت نماز قرآن شریف سامنے رکھکر اس سے
اپنی غلطی صاف کرلے تو نماز میں فساد نہیں آتا درمختار کے مفسدات صلاۃ
میں ہے (وقرأة من مصحف) ای ماهیه قرآن (مطلقاً) لانه
تعلم الا اذا کان حافظاً لما قرأہ بلاحمل عالمگیری کے
مفسدات صلوٰۃ میں ہے ولو کان یحفظ القرآن وقرأه
من مکتوب من غیر حمل المصحف قالوا لا تفسد صلاته
لعدم الامرین ولم یفصّل فی المختصر ولا فی الجامع الصغیر
بین ما اذا قرأ قلیلا او اکثر من المصحف پس صورت مسئولہ
میں امام کو جتنے پارے یاد ہیں ان کی غلطی کو اگر سامنے رکھکر صاف کرلے
تو اس میں فساد نہیں ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے قرآن شریف کے
ورق گردانی نہ کرے بلکہ باریک خط یا بڑی تقطیع کا ایسا قرآن شریف

رو برو رکھے جس کے دو صفحوں میں دو رکعت میں پڑھنے کے مقدار آیات ہوں اور جہاں سے امام کو یاد نہیں ہے اس کو قرآن شریف میں دیکھکر پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید ایک قطعہ زمین باجازت سرکار حاصل کیا اور اُس پر اپنے ذاتی مصارف سے خس پوش مسجد تعمیر کیا جس میں باجماعت نماز ہونے لگی اور خود متولی و مصارف مسجد کا کفیل رہا ایک عرصے کے بعد زید اپنے بھائی عمرو کو اپنا قائم مقام و متولی مقرر کیا اور اُس کے چار سال بعد وہ مسجد محلہ والوں کے چندے سے سفال پوش کردی گئی۔ پھر اٹھارہ سال بعد ایک اور شخص محلہ داروں کی درخواست پر اوس کو پختہ بنا دیا پس بصورت موجودہ مسجد مذکور کا متولی بانی مسجد کا قائم مقام یعنے عمرو سمجھا جائیگا یا وہ شخص جس نے اخیر میں مسجد کو پختہ تعمیر کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عالمگیریہ کی پہلی جلد فصل دوکرہ غلق باب المسجد میں ہے رجل بنی مسجدًا وجعلہ للہ تعالی فھو احق الناس بمرمتہ وعمارتہ

وبسط البواری والحصر والقناديل والاذان والاقامة والامامة ان كان اهلا لذلك وان لم يكن اهلا فالرأى فى ذلك اليه یعنی جو شخص مسجد کی بنیاد قائم کرتا ہے وہی اہل ہونے کی صورت میں متولی ہونے کا مستحق ہے اور اہل نہ ہونے کی صورت میں اسی کو حق ہے کہ دوسرے شخص کو جو اس کا اہل ہو مقرر کرے۔ بنا کے معنے خالی زمین پر بنیاد رکھنے کے ہیں مغرب لغت فقہ کے صفحہ (۴۷) میں ہے (بنی) الدار بناءً وقوله وان كان رجل احد ارضًا (وبناها) اى بنى فيها دارا ونحوها وفى موضع آخر اشتراها غير مبنية اى غير مبنية اى غير مبنى فيها پس صورت مسئولہ میں مسجد کو پختہ بنانے والا شخص مسجد کا بانی نہیں ہے بلکہ بانی وہی شخص ہے جس نے اوس کی ابتدا میں بنیاد قائم کی ہے اور اسی کو اس کی تولیت کا حق ہے بانی نے عمرو کو جو اپنا قائم مقام و متولی بنایا ہے اگر عمرو اس خدمت کا اہل ہے تو یہی تولیت کا مستحق ہے پختہ بنانے والے کو اُس کے مقابل میں کوئی حق نہیں۔ والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ مسجد میں اگر جماعت اول محراب سے علیحدہ ادا کی جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز کے وقت امام کا محراب کے مقابل کھڑے ہونا مسنون اور محراب سے ہٹکر کھڑے ہونا مکروہ ہے رد المحتار کے کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ میں ہے قال فی المعراج وفی مبسوط بکر السنۃ ان یقوم الامام فی المحراب لیعتدل الطرفان اسی صفحہ میں ہے یفھم من قولہ اوالی ساریۃ کراھۃ قیام الامام فی غیر المحراب یہ حکم اسی امام کا ہے جو جماعت اوّل کی امامت کرتا ہے کیونکہ جماعت اوّل کے بعد جماعت ثانی کے لئے امام کو محراب سے علٰحدہ کھڑے ہونا چاہیئے تاکہ تکرار جماعۃ کی کراہت دفع ہو جائے رد المحتار کے باب الامامۃ مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد میں ہے وقد منا فی باب الاذان عن آخر شرح المنیۃ عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ اذا لم تکن الجماعۃ علی الھیئۃ الاولی لاتکرہ الا تکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ کذا فی البزازیہ انتھیٰ وفی التتارخانیہ عن الوالجیۃ وبہ ناخذ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ امام کے ناشائستہ وخلاف شرع افعال کے سبب اکثر مصلی اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے ناراض ہیں

توکیا ایسی حالت میں اس کی امامت درست ہے یانہیں۔

الجواب

جب امام میں فساد ہونے کے سبب مقتدی اس کی اقتدار سے ناراض ہیں توامام کا ان مقتدیوں کو نماز پڑھانا شرعاً مکروہ تحریمی ہے درمختار کے کتاب الصّلوٰۃ باب الامامۃ میں ہے (ولو امّ قوماً وھم له کارھون) ان الکراھة لفساد فیه اولا نھم احق بالامامة منه کرہ له ذلك تحریماً لحدیث ابی داؤد لا یقبل اللہ صلاۃ من تقدم قوماً وھم له کارھون واللہ اعلم بالصّواب والیه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ خطبۂ جمعہ میں امام دوسرے خطبے کے وقت جو منبر سے ایک درجہ اتر کر پھر واپس ہو جاتا ہے شرعاً درست ہے یا نہیں۔

الجواب

بدعت شنیعہ ہے اس لئے قابل احتراز واجتناب ہے ردمحتار جلد (۱) صفحہ (۵۷۶) کتاب الصّلوٰۃ باب الجمعہ میں ہے قال ابن حجر فی التحفة

وبحث بعضہم ان ما اعتید الان من النزول فی الخطبۃ الثانیہ الی درجۃ سفلی ثم العود بدعۃ قبیحۃ شنیعۃ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ جمعہ کے دونوں خطبے نماز جمعہ سے طویل پڑھے جائیں یا کم۔

الجواب

نماز جمعہ سے کم پڑھے جائیں مراقی الفلاح کتاب الصلوۃ باب الجمعہ میں ہے ویسن تخفیف الخطبتین قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ طول الصلوۃ وقصر الخطبۃ من فقہ الرجل طحاوی حاشیہ شرح مراقی الفلاح میں ہے وفی الفتح ومن الفقہ والسنۃ تقصیر الخطبۃ وتطویل الصلوۃ خزانۃ الروایہ باب الجمعہ میں ہے وفیہ (ای الکافی) ایضاً قصر الخطبۃ مندوب الیہ قال علیہ السلام من فقہ الرجل طول الصلوۃ وقصر الخطبۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ خطبہ جمعہ وعیدین

صدہا سال سے عربی میں پڑھا جاتا ہے خطبہ نصیحت ہے عام مسلمان عربی زبان نہیں سمجھتے بلکہ ان کی مادری زبان اردو ہے اس لئے وہ نصیحت سے مستفید جب ہونگے کہ خطبہ بجائے عربی کے اردو میں سنایا جائے یا عربی کے ساتھ اردو ترجمہ کر دیا جائے کیا شریعت نبوی میں ایسے عمل کی اجازت ہے یا نہیں بحوالہ کتب معتبرۂ حنفیہ جواب مرحمت ہو۔

الجواب

قرآن شریف کو بحالت نماز غیر زبان عربی میں پڑھنا ہمارے آئمۂ ثلثہ کے پاس درصورت عجز جائز رکھا گیا ہے اور جب پڑھنے والا عربی میں پڑھنے پر قادر ہو تو پھر غیر زبان میں پڑھنے کی اجازت نہیں اس مسئلے میں اگرچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبین سے خلاف فرمایا ہے مگر تمام علماء احناف کے پاس صاحبین کے قول پر فتوی ہے اور اصح روایات میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرنا ثابت ہے۔ قراۃ قرآن کے سوا خطبۂ جمعہ وعیدین وتشہد و قنوت وغیرہ اذکار نماز میں بھی ہمارے آئمۂ ثلثہ کی یہی رائے ہے درمختار کے کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ میں ہے۔ وشرطا عجزه وعلی هذا الخلاف الخطبة وجميع اذكار الصلوة اسی جگہ ہے قيد القرأة بالعجز لان الاصح رجوعه الى قولهما وعليه الفتوى ردمحتار میں ہے وفى الهداية وشرح المجمع وعليه الاعتماد ہدایہ کے کتاب الصلوۃ

باب صفۃ الصّلوۃ میں ہے ویروی رجوعہ فی اصل المسئلۃ
الی قولہما (وعلیہ الاعتماد) والخطبۃ والتشہد علی
ھذا الخلاف اسی جگہ عنایہ میں ہے قولہ (ویروی رجوعہ)
روی ابوبکر الرازی ان ابا حنیفۃ رجع الی قولہما
(وعلیہ الاعتماد) لانہ بمنزلۃ الاجماع عالمگیریہ کتاب الصّلوۃ
باب صفۃ الصّلوۃ میں ہے وعلی ھذا الخلاف جمیع اذکار الصّلوۃ
من التشہد والقنوت والدعاء وتسبیحات الرکوع والسّجود
وکذا کل مالیس بعربیۃ کالترکیۃ والزنجیۃ والحبشیۃ
والنبطیۃ ھکذا فی فتاوی قاضی خان فوائد اسمیہ جلد اوّل
باب صفۃ الصّلوۃ میں ہے وقولہما ھو المعول علیہ وعلیہ
عامۃ المحققین وبہ یفتی ملتقی الابحر فصل فی صفۃ الشروع میں ہے
والیہ صح رجوع الامام وعلیہ الفتوی قالہ العینی وغیرہ
اسی جگہ ہے وغیر الفارسیۃ من الالسن مثلہا ھو الصّحیح خطبۂ
اولیٰ کی ابتداء میں خداوند عالم کی شان کے موافق حمد و ثنا، اس کے
بعد کلمۂ شہادت پھر درود شریف اور موعظۂ حسنہ جس میں قرآن شریف
کی کوئی آیت بھی ہو مسنون ہے اس کے بعد تین آیات کی مقدار بیٹھنا پھر
خطبۂ ثانیہ میں بھی حمد و ثناء و کلمۂ شہادت و درود شریف کا اعادہ کرنا اور
موعظہ حسنہ کے بدلے مومنین و مومنات کے لئے دعا و استغفار کرنا مسنون
ہے اور دعا کے پہلے خلفاء راشدین اور عمّین مکرّمین حمزہ وعباس رضی اللہ عنہما

کا ذکر مستحسن ہے ان تمام سنتوں کے باوجود دونوں خطبوں کو اس قدر مختصر پڑھنا مسنون ہے کہ قرآن شریف کے طوال مفصل سوروں سے کسی سورہ کے برابر اور نماز جمعہ سے کم ہو خطبہ کو طویل پڑھنا اور مذکورہ سنتوں سے کسی سنت کو ترک کرنا مکروہ ہے مراقی الفلاح مصری کے باب الجمعہ میں ہے

وسن بداءته بحمد الله والثناء عليه بما هو اهله والشهادتين والصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم والعظة والتذكير وقراءة اٰية من القران وسن خطبتان والجلوس بين الخطبتين جلسة خفيفة وظاهر الرواية مقدار ثلاث اٰيات (وسن اعادة الحمد والثناء والصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم في ابتداء الخطبة الثانية) وذكر الخلفاء الراشدين والعمين مستحسن بذلك جرى التوارث) وسن الدعاء فيها اى الخطبة الثانية للمومنين والمومنات) مكان الوعظ (بالاستغفار لهم وليسن ان يسمع القوم الخطبة ويسن تخفيف الخطبتين) قال ابن مسعود رضى الله عنه طول الصلاة وقصر الخطبة من فقه الرجل (بقدر سورة من طوال المفصل) كذا في المعراج الدراية ولكن يراعى الحال بما هو دون ذلك فانه اذا جاء من بذكر وان قل يكون خطبة (و يكره التطويل) من غير قيد برد في الشتاء لقصر الزمان وفي الصيف للضرر بالزحام والحر (و ترك شئ من السنن التى بيناها) نصاب الاحتساب کے باب

سابع عشر میں ہے ذکر فی شرح الکرخی قال ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ لا یطول الخطبۃ فانہ صلعم امر بقصر الخطبۃ وقد قال الحسن عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ یخطب خطبۃ خفیفۃ یفتتح بالحمد للہ ویثنی علیہ ویتشہد ویصلی علی النبی علیہ السلام ویعظ ویذکر ویقرأ سورۃ ویجلس جلسۃ خفیفۃ ثم یقوم فیخطب اخری یفتتح بالحمد للہ ویثنی علیہ ویتشہد ویصلی علی النبی علیہ السلام ویدعو للمومنین والمومنات ویکون قدر الخطبتین قدر سورۃ من طوال المفصل پس جبکہ خطبے میں اس قدر سنتوں کا لحاظ ضروری ہے تو مسنون خطبہ عربی زبان میں پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ اردو میں کرنا طوالت و مضرت سامعین کے باعث مکروہ ہے خصوصاً اردو اشعار میں خطبے کا ترجمہ منبر پر پڑھا جانا نہایت نازیبا و قبیح ہے نصاب الاحتساب کے باب الثالث والستون میں ہے فی الحدیث من اشراط الساعۃ ان توضع الاخیار و ترفع الاشرار وان تقرء المثناۃ علی رؤس الناس والمثناۃ ھی التی تسمی بالفارسیۃ دوبیتی من الصحاح والفقہ فی معناہ انہ غناء وانہ حرام فی غیر المنبر فما ظنک فی موضع مستعد للوعظ والنصیحۃ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ سجدۂ تلاوت رکوع میں

ادا ہوتا ہے یا نہیں اور رکوع کے وقت اس کے لئے نیت کی ضرورت ہے یا نہیں - بینوا توجروا۔

الجواب

آیۃ سجدہ اگر ختم سورہ میں ہے تو اس کو پڑھکر نماز کے لئے رکوع کرنا بہتر ہے اگر سجدۂ تلاوت ادا کر کے کھڑا ہو جائے تو چاہیئے کہ دوسرے سورۃ کے کچھ آیات اس کے ساتھ ملا کر نماز کے لئے رکوع کرے اگر آیت سجدہ سورۃ میں ایسی جگہ واقع ہے کہ اس کے چند آیات کے بعد سورہ ختم ہوتا ہے تو ایسی حالت میں مصلی کو اختیار ہے کہ آیۃ سجدہ ہی پر رکوع کر کے سجدے کو اسی میں ادا کر دے یا سجدۂ تلاوت کے بعد کھڑا ہو جائے اور باقی آیتیں پڑھکر رکوع کرے بسوط السرخسی جلد ثانی باب السجدہ میں ہے وان کانت السجدۃ عند ختم السورۃ فان رکع لھا فحسن وان سجد لھا ثم قام فلابد ان یقرأ ایات من سورۃ اخرے ثم یرکع اسی صفحہ میں ہے واذا قرأھا فی صلاتہ وھو فی اخر السورۃ الا ایات بقین بعدھا فان شاء رکع وان شاء سجد لھا عالمگیریہ باب السجدہ میں ہے ثم یقوم ویختم السورۃ ویرکع رکوع میں سجدۂ تلاوت اس وقت ادا ہوتا ہے جبکہ رکوع کے پہلے سجدہ کی بھی نیت کرلے اگر بغیر نیت کے رکوع میں چلا جائے اور بحالت رکوع سجدہ کی نیت کرے تو اس سے سجدہ ادا نہیں ہوتا عالمگیریہ کے باب السجدہ

میں ہے ولو قرأ آیة السجدة فی الصلاة فاراد ان یرکع بها یحتاج الی النیة عند الرکوع فان لم یوجد منه النیة عند الرکوع لا یجزیه عن السجدة۔ واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ آیۃ سجدہ کی عبارت پڑھنے کے بغیر اگر دیکھ کر معنی سمجھے جائیں تو اس سے سجدہ لازم آتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سجدۂ تلاوت آیت سجدہ کے حروف کو صحیح اور آواز سے پڑھے بغیر واجب نہیں ہوتا اگر ایسی خفیف آواز سے پڑھا کہ جس کو وہ خود سنتا ہے یا کوئی دوسرا اگر اس کے منہ کے پاس کان رکھے تو سن سکتا ہے تو اس سے سجدہ لازم آتا ہے بغیر آواز کے محض لب ہلانے سے سجدہ لازم نہیں آتا عالمگیریہ کے باب سجدہ تلاوت میں ہے رجل قرأ آیة السجدة لا یلزمه السجدة بتحریك الشفتین وانما تجب اذا صحح الحروف وحصل به صوت سمع هو او غیره اذا قرب اذنه الی فمه کذا فی فتاوی قاضی خان۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ آیت سجدہ پڑھتے ہی فی الفور سجدہ کرنا ضروری ہے یا بعد بھی کر سکتے ہیں۔

الجواب

آیت سجدہ پڑھتے ہی فی الفور سجدہ کرنا لازم نہیں ہے تاخیر و توقّف سے بھی ادا کرنا جائز ہے عالمگیریہ میں ہے وفی العیاتیہ اداءھا لیس علی الفور حتی لو ادّاھا فی ایّ وقت کان یکون مؤدیا لا قاضیًا کذا فی التتارخانیہ۔ واللہ اعلم بالصّواب والیہ المرجع والماٰب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ گراموفون وغیرہ غیر ذی عقل وغیر ذی روح اشیاء سے اگر آیت سجدہ کی آواز سننے میں آئے تو کیا سامع پر سجدہ لازم آئیگا یا نہیں۔

الجواب

گراموفون اور صدائے کوہ یا پرندہ وغیرہ غیر ذی روح وغیر ذی عقل

سے اگر آیت سجدہ سنی جائے تو سجدہ لازم نہیں آتا خلاصہ کے باب السجدہ میں ہے ولا یجب اذا سمعھا من طیر ھو المختار اسی جگہ میں ہے وان سمعھا من الصدیٰ لا یجب علیہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تلاوت کرنیوالے یا نماز پڑھنے والے کے قریب جب لوگ بیٹھے ہوں تو اس کو آیت سجدہ آہستہ پڑھنی چاہیئے یا آواز سے۔

الجواب

اگر لوگ باوضو اور سجدہ کرنے کے قابل ہیں اور فی الحال ان کو سجدہ کرنا کوئی بار نہیں ہے تو ایسی حالت میں نماز پڑھنے والے یا تلاوت کرنیوالے کے لئے آیت سجدہ آواز سے پڑھنا سزاوار ہے اور اگر حاضرین بے وضو ہیں اور یہ شخص جانتا ہے کہ آیۃ سجدہ سنکر یہ سجدہ نہیں کرینگے تو آہستہ پڑھنا چاہیئے فتاوی خلاصہ کے باب السجدہ میں ہے القاری اذا کان عندہ قوم ان کانوا متھئین للسجود ویقع فی قلبہ انہ لا یشق علیھم اداء السجدۃ ینبغی ان یقرأ جھراً وان کانوا محدثین ویظن انھم یسمعون ولا یسجدون ینبغی ان یقرأ

فی نفسہ سواء کان فی الصلوٰۃ او خارج الصلوٰۃ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ سنّت موکدہ قبل الفرض وبعد الفرض کے درمیان بات کرنا یا کوئی وظیفہ پڑھنا یا کھانا پینا درست ہے یا نہیں۔

۲۔ فرض کے بعد صحت توڑ کر سنّت پڑھنے کے لئے جگہ بدلنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

سنّت قبلی یعنی فرض کے پہلے کی سنّت اور سنّت بعدی یعنی فرض کے بعد کی سنّت ان دونوں سنّتوں کے اور فرض کے درمیان بات کرنا یا کھانا پینا یا کوئی اور فعل جو تحریمۂ نماز کے منافی ہو کرنا یا فرض وسنّت بعدی کے درمیان سوائے مقدار اللّٰھم انت السّلام ومنک السلام الخ کے کوئی وظیفہ یا درود پڑھنا سنّت کے ثواب کو ناقص وکم کر دیتا ہے درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الوتر والنوافل میں ہے ولو تکلم بین السنّۃ والفرض لا یسقطھا ولکن ینقص ثوابھا وکذا کل عمل ینافی التحریمۃ علی الاصح عالمگیریہ کے کتاب الصلوٰۃ باب النوافل میں ہے

ولو تکلم بعد الفریضۃ هل تسقط السنۃ قیل تسقط وقیل
لا ولکن ینقص ثوابہ قبل التکلم کذا فی البحر قنیہ کے
باب السنن میں ہے الکلام بعد الفرض لا یسقط السنۃ ولکن
ینقص ثوابها وکل عمل ینافی التحریمۃ ایضًا قال رضی اللہ تعالیٰ
هو الاصح رد المحتار کے کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ میں ہے قولہ
الا بقدر اللهم انت السلام لما رواہ مسلم والترمذی عن
عائشۃ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد الا
بقدر اللهم انت السلام تبارکت یا ذوالجلال والاکرام
واما ما ورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلوۃ
فلا دلالۃ فیہ علی الاتیان بها قبل السنۃ بل یحمل علی
الاتیان بها بعدها لان السنۃ من لواحق الفریضۃ و
توابعها ومکملاتها فلم تکن اجنبیۃ عنها فما یفعل بعدها
یطلق علیہ انہ عقیب الفریضۃ وقول عائشۃ رضی اللہ
تعالیٰ عنها لا یفید انہ کان یقول ذلک بعینہ بل کان
یقعد بمقدار ما یسعہ ونحوہ فلا ینافی ما فی الصحیحین
من انہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی دبر کل صلوۃ مکتوبۃ
لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ کذا فی الفتح فی باب
الوتر والنوافل۔

۲۵ ادائے فرض کے بعد صف توڑنا مستحب ہے اور سنّت دوسری

جگہ پڑھنا بہتر ہے درمختار میں ہے یستحب کسر الصّفوف اور ردالمحتار
میں ہے ونص فی المحیط علی انہ سنۃ کما فی الحلیۃ اور عالمگیریہ
کے کتاب الصلوۃ باب النوافل میں ہے واما السنن التی بعد
الفرائض فیأتی بھا فی المسجد فی مکانٍ صلی فیہ فرضہ والاولی
ان یتخطی خطوۃ والامام یتأخر عن مکانٍ صلی فیہ فرضہ
کذا فی الکافی۔ واللہ اعلم بالصّواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ دعا بین الخطبتین مستحب
ہے یا جائز اور بحالت سجدہ پیر اٹھا لینے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں۔

الجواب

اگرچہ امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خطیب کے خطبۂ جمعہ
میں دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت کلام کرنا مباح ہے۔ مگر
امام محمد رح اس کو مکروہ فرماتے ہیں اس لئے جمعہ کی ساعتِ اجابت
فوت نہ ہونے کے لحاظ سے اگر بین الخطبتین دعا مانگی جائے تو دل میں
مانگنا چاہیئے فتاوی برجندی کشوری کے صفحہ (۱۷۱) فصل الجمعہ میں
ہے وقال ابو یوسف رحمۃ اللہ لا ارا بأسًا بالکلام
اذا قعد الامام بین الخطبتین وقال محمد رح اکرہ ذلک کذا

فی الظہیریہ مراقی الفلاح شرح انوار الایضاح کے باب الجمعہ میں ہے واختلفا فی جلوسہ اذا سکت فعند ابی یوسفؒ یباح وعند محمدؒ لا یباح اسی صفحہ میں ہے والدعا المستجاب وقت الاقامۃ یحصل بالقلب لا باللسان حاشیہ طحاوی میں ہے قولہ والدعاء الخ ای یوم الجمعۃ او فی ساعۃ الجمعۃ المفسرۃ علی الصحیح بانہا من خروج الامام الی فراغہ من الصّلوٰۃ رد المحتار جلد (۱) صفحہ (۵۷۸) باب الجمعہ میں ہے قال فی المعراج الدرایۃ فسن الدعاء بقلبہ لا بلسانہ لانہ مامور بالسکوت۔

ف ۲ بحالت سجدہ دونوں پیر اُٹھانے سے سجدہ جائز نہیں ہوتا فتاوی شرنبلالیہ کے صفحہ (۲۴۹) باب ارکان صلاۃ میں ہے وفی مختصر الکرخی سجد ورفع اصابع رجلیہ عن الارض لا یجوز کذا فی الخلاصہ والبزازی وضع القدم لوضع اصابعہ وان وضع اصبعاً واحداً ولا یکون وضعاً الا بتوجیہہا نحو القبلۃ لیتحقق السجود بہما والا فہو وضع ظاہر القدم سواء وہو غیر معتبر۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ امام سورۂ جمعہ میں

ان کنتم تعلمون کو تعلمون دو دفعہ کہکر پھر اوس کی صحت کرلے اور
واذکر اللہ کثیرا کی جگہ (یذکرکم) دو تین دفعہ کہکر پھر اوس کی صحت
کرلے تو کیا اوس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اعادہ کی ضرورت ہے
یا سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔

الجواب

نماز میں اگر کوئی شخص قرآن کے کسی لفظ یا کسی اعراب کو غلط پڑھکر
پھر اوس کی اصلاح کرلے تو اس سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے نہ سجدۂ سہو
آتا ہے عالمگیریہ جلد (۱) کتاب الصلوٰۃ فصل زلۃ القاری میں ہے ذکر
فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطاء فاحش ثم رجع وقرأ
صحیحًا قال عندی صلوٰتہ جائزۃ وکذلک الاعراب ولو
قرأ النصب مکان الرفع والرفع مکان النصب او الخفض
مکان الرفع او النصب لا تفسد صلوٰتہ۔ واللہ اعلم
بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ تصور شیخ بحالت نماز شرعًا
درست ہے یا نہیں اور اس تصور سے اگر کسی کو نماز کی حالت میں وجد وبیخودی
اس درجہ لاحق ہو کہ کانپ کر گر پڑے یا آواز سے روے تو کیا نماز باقی رہیگی

یا فاسد ہوگی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مصلی کو چاہیئے کہ نماز میں خداوند عالم کا تصور کرے اور دل کو تمام علائق دنیا سے خالی کر کے معبود حقیقی کی طرف اس طرح متوجہ کرے کہ گویا مصلی خداوند عالم کو دیکھ رہا ہے اور اس کے رو برو نہایت مودب کھڑا ہے اگر یہ تصور قائم نہیں ہوسکتا تو اسطرح تصور کرے کہ گویا خداوند عالم اسکو دیکھ رہا ہے اس لئے اسکی عبادت میں اس طرح کھڑا ہو جیسے شہنشاہ اعظم کے روبرو نہایت عجز و انکسار و ادب کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور تمام حرکات و سکنات میں اسی کا خیال رکھتا ہے حدیث صحیح ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک کی شرح میں عینی شرح بخاری جلد (۱) صفحہ (۳۳۵) میں ہے قولہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک قال النووی ھذا اصل عظیم من اصول الدین وقاعدۃ مھمۃ من قواعد المسلمین وعمدۃ الصدیقین وبغیۃ السالکین وکنز العارفین وآداب الصالحین وتلخیص معناہ ان تعبد اللہ عبادۃ من یری اللہ تعالیٰ ویراہ اللہ تعالیٰ فانہ لا یستبقی شیئا من الخضوع والاخلاص وحفظ القلب والجوارح ومراعاۃ الادب مادام فی عبادتہ وقولہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنی انک انما تراعی الادب اذا رأیتہ ورآک لکونہ یراک لا لکونک تراہ وھذا المعنی

موجود وان امر تره لانه یراك وحاصله الحث علی کمال الاخلاص فی العبادة ونهایة المراقبة فیها فتح الباری جلد (۱) صفحہ (۱۱) میں ہے احسان العبادة الاخلاص فیها والخشوع وفراغ البال حال التلبس بها ومراقبة المعبود واشار فی الجواب الی حالتین ارفعهما ان یغلب علیه مشاهدة الحق بقلبه حتی کانه یراه بعینه وهو قوله کانك تراه ای وهو یراك والثانیة ان یستحضر ان الحق مطلع علیه یری کل ما یعمل وهو قوله فانه یراك وهاتان الحالتان یثمرهما معرفة الله وخشیته پس صورت مسئولہ میں بحالت نماز خداوند عالم کے سوا کسی چیز کا تصور درست نہیں البتہ خارج از نماز اوراد و وظائف میں شیخ کا تصور کرنا مشائخ چشتیہ کے پاس رکن اعظم سمجھا گیا چنانچہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی القول الجمیل فی بیان سواء السبیل میں مشائخ چشتیہ کے اشغال واذکار میں۔ فرماتے ہیں قالوا الرکن الاعظم ربط القلب بالشیخ علی وصف المحبة والتعظیم وملاحظة صورته مگر مولانا نے ایسے موقع میں بھی توجہ الی اللہ ہی کو لازم وضروری گردانا ہے۔ چنانچہ اسی عبارت کے متصل فرماتے ہیں قلت ان للہ تعالی مظاهر کثیرة (الی قوله) فلا علیك ان لا تتوجه الا الی الله ولا تربط قلبك الابه۔

ف۲ بے خودی وبیہوشی اور پکار کر رونے سے نماز فاسد ہوتی ہے درمختار

کے مفسدات صلوۃ میں ہے لقی من المفسدات ارتداد بقلبہ وموت وجنون واغماء اسی فصل میں ہے (والانین والتاوہ والبکاء بصوت) یحصل بہ حروف لوجع اومصیبۃ صورت مسئولہ میں تصور شیخ سے بےخود و بےہوش ہوکر گر پڑنا یا آواز سے اس طرح رونا کہ اس میں کچھ الفاظ بھی زبان سے نکلیں شرعاً مفسد نماز ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ مسمی حسین بن عبد اللہ جامع مسجد تعلقہ آرمور ضلع نظام آباد کا پیش امام ہے جس کے اعتقادات حسب ذیل ہیں۔ اور شخص مذکور تعلقے میں نائب قاضی بھی ہے تو اس شخص کے اسلام میں اہل سنت وجماعت کا کیا خیال ہے اور کیا اس شخص کی امامت درست ہے یا نہیں اور کیا اس کو ہمارے مساجد و مجالس میں آنے دینا جائز ہے یا نہیں اور کیا ایسے شخص سے سلام وکلام کے روابط رکھنا جائز ہے یا نہیں اور حاکم اسلام کو اس کی نسبت کیا کرنا چاہیئے۔

(۱) ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ تقلید کرنا بدعت ہے بلکہ جو قول قوی ہو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

(۲) ندائے غیر اللہ جائز نہیں۔ اس لئے یارسول اللہ۔ یا محمد۔ کہنا کفر و شرک ہے۔

(۳) توسل و استغاثہ و استمداد بالکل ناجائز ہے۔

(۴) مولود شریف پڑھنا بدعت اور ناجائز ہے کیونکہ ایک وقت میں مولود شریف مختلف مقامات میں ہوتا رہتا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ آپ کی ایک (روح مبارک) اون مختلف مقامات میں آسکے۔

(۵) اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاق دے تو وہ اس کو پھر رجوع کر سکتا ہے کیونکہ یہ بمنزل ایک طلاق کے ہے۔ چنانچہ اسی کی بنا ر پر شخص مذکور نے بعض مسلمانوں کو اس قسم کا فتویٰ ہی دیدیا اور انہوں نے اپنی عورتوں کو تین طلاق دینے کے بعد واپس بھی کرلیا۔

(۶) بزرگوں کے نام سے جو نیاز کی جاتی ہے اور کھانا پکایا جاتا ہے اوسکے کھانے سے نجاست کھانا اچھا ہے۔

(۷) مسجد میں ایک طغرا لگا ہوا تھا جس میں یہ لکھا ہوا تھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ اللہ محمد ۔ علی ۔ فاطمہ ۔ حسن ۔ حسین ۔ شخص مذکور نے اس طغرے کو چاک کردیا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ اس کا رکھنا شرک ہے۔

(۸) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آئے اور چلے گئے اب منجملہ مردوں کے وہ بھی ایک مردہ ہیں اور مردے اپنی قبر کا غلاف تک درست نہیں کرسکتے اور وہ اپنی ذات کو نفع نہیں پہنچا سکتے ہیں تو زندوں کو توسل سے کیا نفع پہنچا سکتے ہیں۔

(۹) شخص مذکور اور اوس کا مرشد مولوی عباس ولایتی کبھی کبھی دورہ کرتے ہوئے آکر مسلمانان تعلقہ موصوفہ کو اپنے اعتقادات کی تعلیم بھی دیتے

اور یہ کہتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں تم ہماری اتباع کرو۔ اور توسّل استمداد تقلید آئمہ سے بچو کیونکہ یہ جائز نہیں۔

الجواب

جو لوگ کہ آئمہ اربعہ کی تقلید کے منکر اور تقلید کو بدعت جانتے ہیں اور توسّل واستعانت واستمداد بزرگان کو ناجائز و نذر و نیاز کے کھانے کو نجس مانتے ہیں اور ندار غیر اللہ مثلاً یا رسول اللہ و یا محمدؐ کہنے کو شرک و کفر کہتے ہیں ایسے لوگ اہل سنت والجماعت سے خارج اور متبعین محمد بن عبد الوہاب نجدی ہیں اہل سنت ان کو غیر مقلّدین و وہابیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ان کا مذہب باطل ہونے کے سبب اہل سنّت کے پاس نماز وغیر نماز میں ان کی اقتدا و اتباع درست نہیں۔ پس اہل سنّت کو چاہیئے کہ ایسے اشخاص کو اپنے مساجد سے خارج اور آنے سے منع کریں اور ان کے ساتھ میل جول نہ کریں کیونکہ ان کی ملاقات سے عقائد میں فرق آنے کا اندیشہ ہے تفسیر احمدی میں ہے۔ قد وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز للاربع فلا یجوز الاتباع لمن حدث مجتہدًا مخالفًا لھم الاشباہ والنظائر میں ہے ومن خالف الائمۃ الاربعۃ مخالف للاجماع وقد صرح فی التحریر ان الاجماع انعقد علی عدم العمل لمذہب مخالف الاربعۃ لانضباط مذاہبھم وکثرۃ اتباعھم درمختار مطبوعہ محمدی کے صفحہ (۱۰۲) میں ہے ویمنع

مد وكذا كل موذٍ فلو بلسانه اسی صفحہ میں ہے بل ولاهل المحلة منعہ من بسر منتهم عن الصلوٰة فيه - واللہ اعلم بالصواب -

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ایک امام بعد فرض نماز کے اپنے تمام مقتدیوں کو مسجد میں ذکر لا الٰہ الا اللہ پکار کر کہنے کے لئے حکم کرتا ہے جس سے مسجد میں شور وغل رہتا ہے اور دوسرے مصلیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے کیا شرعاً یہ فعل درست ہے -

(۲) داڑھی کس قدر لانبی رکھنے کا حکم ہے -

(۳) بچوں کو نماز کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت ہے یا نہیں -

الجواب

مسجد میں اس طرح پکار کر ذکر کرنا کہ جس سے دوسرے نمازیوں کی نماز اور قرأت میں خلل آئے شرعاً مکروہ ہے - درمختار کتاب الصلوٰۃ باب ما یکرہ فی الصلاۃ میں ہے ویکرہ رفع صوت بذکر اسی جگہ ردالمحتار جلد (۱) صفحہ (۴۶۳) میں ہے اجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغيرها الا ان يشوش جهرهم علی نائم او مصل او قار الخ -

(۲) داڑھی ایک مشت لانبی رکھنے کا حکم ہے اس سے زائد ہو جائے تو کترانے کی

اجازت ہے رد المحتار جلد (۵) صفحہ (۲۶۹) کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء میں ہے (قولہ والسنۃ فیھا القبضۃ) وھو ان یقبض الرجل لحیتہ فما زاد منھا علی قبضۃ قطعہ کذا ذکر محمد فی کتاب الاٰثار عن الامام قال وبہ ناخذ محیط۔

(۳) بچوں کو نماز سکھانے کا چونکہ شریعت میں حکم ہے اس لئے اگر اوقات نماز میں سات برس سے زیادہ عمر کے بچے ہاتھ پیر دھو کر نماز کے لئے مسجد میں آئیں تو درست ہے خارج اوقات نماز بچوں کو روکنا چاہیئے کیونکہ ان کی بے احتیاطی وبے طہارتی سے فرشِ مسجد کے نجس ہونے کا اندیشہ ہے عالمگیریہ جلد (۵) صفحہ (۳۲۱) کتاب الحظر والاباحۃ باب الخامس میں ہے والرابع عشر ان نبرہ عن النجاسات الصبیان والمجانین والاقامۃ الحدود واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ جماعت کے لحاظ سے اگر کوئی شخص سنت فجر ترک کردے تو اس کے بعد پڑھنا چاہیئے یا نہیں۔

الجواب

شیخین کے پاس سنت فجر کی تنہا قضا نہیں ہے اور یہی قول قوی ہے ہدایہ کتاب الصلوٰۃ باب ادراک الفریضہ میں ہے واذا فاتتہ رکعتا الفجر

لا یقضیهما قبل طلوع الشمس ولا بعد ارتفاعها عند ابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد رحـ احب الیّ ان یقضیهما الی وقت الزوال۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں میت کو غسل دینا درست ہے یا نہیں۔

الجواب

مسجد کو نجاست سے پاک رکھنے کا حکم ہے لہذا مسجد و صحن مسجد کی اس حد میں جہاں نماز ہوا کرتی ہے میت کو غسل دینا درست نہیں البتہ احاطۂ مسجد کے کسی کنارہ میں جہاں کسی وقت نماز نہیں ہوتی بلکہ محض نمازیوں کے حوائج ضروری رفع کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے اگر میت کو غسل دیا جاے تو مضائقہ نہیں۔
عالمگیریہ جلد (۵) صفحہ (۳۲۱) کتاب الحظر والاباحۃ باب الخامس میں ہے۔
والرابع عشر ان ینزہ عن النجاسات والصبیان والمجانین واقامۃ الحدود۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ میت کو صندوق میں بند

کرکے زمین میں اس خیال سے سونپا گیا تھا کہ چند ماہ بعد اوس کو نقل کر کے دوسرے مقام میں دفن کیا جائیگا پھر اس خیال سے درگذر کرکے اب یہ چاہتے ہیں کہ اسی مقام میں دفن کریں پس میت کو صندوق سے علیحدہ کرکے دفن کرنا چاہیئے یا صندوق کے ساتھ۔ بینوا توجروا۔

الجواب

چونکہ شریعت میں ضرورت کے وقت میت کو صندوق میں رکھ کر دفن کرنے کی اجازت ہے۔اس لئے صورت مسئولہ میں صندوق کے ساتھ دفن کرنا مناسب ہے۔ درمختار کے کتاب الجنائز میں ہے (ولا بأس باتخاذ تابوت) ولو من حجر او حدید (له عند الحاجة) کرخاوة الارض منتہی الارب مطبوعہ مصطفائی لاہور کے جلد (۱) صفحہ (۱۶۸) میں ہے (تابوت) صندوق۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ مسافر تین روز کے سفر میں دو شب راہ میں رہا اور کامل تیسرے روز اپنے وطن میں یا جہاں جانا تھا پہونچا یا دو شب درمیان منزل میں گذرے اور تیسرے روز دوپہر کو جہاں ارادہ تھا وہاں پہونچا اس صورت میں نماز قصر پڑھے یا حضر کامل تین روز میں اور دو ونیم روز میں فرق ہے یا دونوں برابر ہیں حیدرآباد دکن میں کتنے کوس کی

مسافت میں مسافر پر قصر کا حکم دیا جاتا ہے تیس یا پچیس کوس کی مسافت ایسی ہے
کہ وہاں انسان ریل پر دوپہر میں پہونچتا ہے اور اگر میانہ روی سے پیدل
جاے تو دس کوس کی منزل کرتا ہوا تیسرے روز پہونچتا ہے کیا ایسی مسافت
کے لئے بھی قصر ہے یا نہیں۔

الجواب

شرع میں مسافر اس شخص کو کہتے ہیں جو تین دن کی مسافت طے کرنے کے
ارادے سے اپنے مقام اقامت کی آبادی سے باہر ہو جاے ایسے شخص پر آبادی
سے باہر ہوتے ہی قصر پڑھنا واجب ہے۔ سفر میں قصر کرنے کے لئے
محض تین دن چلنے کی مسافت کا لحاظ کیا گیا ہے یعنی وہ مسافت ایسی ہو کہ
جس میں انسان پیدل یا اونٹ کی سواری پر عادت کے موافق آرام لیتے ہوے
متوسط چال سے صبح سے زوال تک چلتا ہے۔ پس ایسے تین روز کی مسافت
طے کرنے کے ارادے سے کوئی شخص آبادی سے باہر ہو جاے تو وہ شرعاً مسافر
ہے اب اس مسافت کو وہ جلدی سے دو دن میں یا کرامت سے ایک ساعت میں
طے کرلے یا کسی عذر سے اس مسافت کے طے کرنے میں اس کو تین روز سے
زیادہ صرف ہو جائیں اور پندرہ روز تک راستے میں کسی جگہ اقامت کرنے کا
ارادہ بھی نہ کرلے تو ایسے شخص پر شرعاً قصر کرنا لازم ہے۔ درمختار مطبوعہ بر
حاشیہ ردمحتار باب المسافر جلد (۱) صفحہ (۵۴۸) میں ہے (المسافر
من خرج من عمارة موضع اقامة قاصدًا مسيرة ثلاثة ايام ولياليها)

ولا یشترط سفر کل یوم الی اللیل بل الی الزوال ولا اعتبار بالفراسخ علی المذہب بالسیر الوسط مع الاستراحات المعتادۃ) حتی لو اسرع فوصل فی یومین قصر ولو لموضع طریقان احدھما مدۃ السفر والآخر اقل قصر فی الاول لا الثانی اور رد المحتار صفحہ (۵۵۰) میں ہے (قولہ بالسیر الوسط) ای سیر الابل ومشی الاقدام ویعتبر فی الجبل بما یناسبہ من السیر لانہ یکون صعودًا وھبوطًا ومضیقًا ووعرًا فیکون مشی الابل والاقدام فیہ دون سیرھما فی السھل وفی البحر یعتبر اعتدال الریح علی المفتی بہ (امداد) فیعتبر فی کل ذلک السیر المعتاد فیہ وذلک معلوم عند الناس فیرجع الیھم عند الاشتباہ (بدائع) وخرج سیر البقر بجر العجلۃ ونحوہ لانہ اَبطأ السیر کما ان اسرعہ سیر الفرس والبرید (بحر) اور اسی صفحہ میں رد المحتار میں ہے (قولہ فوصل) ای الی مکان مسافۃ ثلثۃ ایام بالسیر المعتاد (بحر) وظاھرہ انہ کذلک لو وصل الیہ فی زمن یسیر بکرامۃ اور در مختار میں صفحہ (۵۵۱) میں ہے (حتی یدخل موضع مقامہ او ینوی اقامۃ نصف شھر بموضع صالح لھا فیقصر ان نوی فی اقل منہ) ای من نصف شھر (وکذا لو نوی فی) غیر صالح بنابریں سفر میں قصر کے لئے عجلت سے ایک دن دو دن میں مسافت کے طے کرنے کا

لحاظ نہیں ہے بلکہ اس مسافت کا حسب تصریح بالا تین دن میں ادا ہونیکے
قابل ہونا ضروری ہے پس حیدرآباد سے جو مقام کہ اس قدر فاصلے پر ہے
جہاں اس طرح چلنے میں تین روز صرف ہوتے ہیں اس مقام کے ارادۂ سفر
میں مسافر پر قصر واجب ہے اور جو اس سے نزدیک ہے اس کے سفر کے
لئے قصر نہیں ہے۔

ف ریل کے سفر میں بھی یہی لحاظ ہے جس مقام تک مسافر حسب تصریح
بالا رفتار سے تین روز میں پہونچتا ہے اگر وہاں ریل میں ایک گھنٹہ میں
پہونچ جاے تو اس گھنٹہ میں جو رباعی نماز پڑھے اسکو قصر کرنا لازم ہے
کیونکہ شرعاً تیز رفتاری کا کوئی لحاظ نہیں ہے جیسا کہ تصریح سابق سے ثابت
ہے۔ مولوی محمد ایوب صاحب حنفی پشاوری نے بھی اسی استدلال پر
عمل کیا ہے چنانچہ ان کے رسالۂ سفر القصر فی الریل میں ہے صقول لما
ثبت ان المعتبر عندنا فی سفر القصر لیس الا مسافة ثلثة
ایام بالسیر الوسط وھو سیر الابل ومشی الاقدام
فی البر ظھر انه لا معتبر بسیر الریل الذی ھو اعجل السیر
فلا یکون میزانا لمسافة القصر فمن رکبه قاصدا لسیر
ثلثة ایام بسیر الابل ومشی الاقدام
قصر الرباعی وجوبا وافطر ان شاء اذا جاوز بیوت مصره
ولا یضره قطع تلك المسافة فی اقل من ثلاثة ایام کما
لا یخفی۔ واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ نماز تراویح میں امام سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورہ پڑھنے کا ارادہ کیا تھا اس کو بھولکر دوسری سورۃ یعنے لایلف صرف اتنا پڑھکر پھر بھولا ہوا سورہ پڑھنا شروع کیا۔ اس غلطی پر سجدۂ سہو کرنا لازم ہے یا نہیں۔

الجواب

نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد کسی سورۃ کی ایک دو آیۃ یا ایک دو لفظ پڑھکر پھر اس کو چھوڑ دینا اور دوسری سورۃ شروع کرنا شرعاً مکروہ ہے اس سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا عالمگیریہ مصری کے جلد (۱) صفحۂ (۷۹) میں ہے افتتح سورۃ وقصد سورۃ اخری فلما قرأ اٰیۃ او اٰیتین اراد ان یترك السورۃ ویفتتح التی ارادها یکرہ وکذا لو قرأ اقل من اٰیۃ وان کان حرفا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ جماعت کھڑی ہوئی ہے ایک شخص بعد میں آیا اور صف پوری ہے اب یہ شخص اکیلا پیچھے رہ گیا ایسی

حالت میں کیا یہ شخص صف کے داہنے یا بائیں بازو سے کسی کو اپنے ساتھ پیچھے لے سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں لے سکتا ہے تو صف کے پیچھے اکیلے اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صف پوری ہونے کی صورت میں پیچھے آنے والے کو چاہیئے کہ امام کے رکوع میں جانے کے قریب تک انتظار کرے کہ کوئی اور مصلی اس کے بعد آجائے اور یہ دونوں پیچھے کھڑے ہوں اگر امام رکوع میں جانے کے قریب ہو جاوے اور اوس کو کوئی دوسرا مصلی نہ ملے تو چاہیئے کہ صف میں سے ایسے شخص کو کھینچے جو اس مسئلے سے واقف ہے اگر ایسا شخص صف میں نہیں ہے تو صف کے پیچھے امام کے برابر اکیلا کھڑا ہو جاوے صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے سے حنفیوں کے پاس نماز صحیح ہوتی ہے رد المحتار کے جلد سوم صفحہ (۳۹۹) باب الامامۃ میں ہے۔ وان وجد فی الصف فرجۃ سدھا والا انتظر حتی یجئی آخر فیقفان خلفہ وان لم یجئی حتی رکع الامام یختار اعلم الناس بھذہ المسئلۃ فیجذبہ ویقفان خلفہ ولو لم یجد عالما یقف خلف الصف بحذاء الامام للضرورۃ ولو وقف منفردا لغیر عذر تصح صلوتہ عندنا بحر الرائق مصری کے جلد (۱) صفحہ (۳۷۴) میں ہے وفی القنیۃ

والقیام وحدہ اولی فی زماننا لغلبۃ الجھل علی العوام
واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک آنکھ والا شخص جس کی دوسری آنکھ میں موتیا بند ہے اور نظر نہیں آتا ہے امامت کرسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شرع میں اندھے کی امامت اس وجہ سے مکروہ ہے کہ وہ اچھی طرح اپنے کو نجاست سے نہیں بچاسکتا ردالمحتار کے جلد (۱) صفحہ (۳۹۳) باب الامامۃ میں ہے وھذا ذکرہ فی النھر بحثا اخذا من تعلیل الاعمی بانہ لا یتوقی النجاسۃ بایں کراہت اگر اندھا موجودہ بینا اشخاص سے علم میں زیادہ ہے تو اس وقت امامۃ کے لئے وہی بہتر ہے چنانچہ اسی صفحہ میں درمختار میں ہے (وفاسق واعمی) ونحوہ الاعشی نھر (الا ان یکون) ای غیر الفاسق (اعلم القوم) فھو اولیٰ پس صورت مسئولہ میں ایک آنکھ والا شخص اگر اس کی باقی ماندہ آنکھ میں اچھی طرح بینائی ہے اور وہ اس کی وجہ سے اپنے کو بینا آدمی کی طرح نجاست سے بچاتا ہے تو اس کی امامت شرعاً بلاکراہت جائز ہے اور اگر باقی ماندہ آنکھ میں بھی کوئی قصور ہے

تو پھر وہ اعشیٰ یعنی ضعیف البصر ہے جس کی امامت مکروہ ہے جیسا کہ عبارت سابقہ میں لفظ ونحوہ الاعشیٰ سے ثابت ہے بریں ہم اگر وہ موجودہ اشخاص سے علم دین و احکام نماز سے زیادہ واقف ہے تو پھر امامت کے لئے وہی سب سے بہتر ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ سلطان نے جسکو عیدین اور جمعہ اور پنجگانہ نماز پڑھانے کے لئے حکم اور اجازت دی ہے اس کے بغیر اجازت کوئی دوسرا شخص ان نمازوں کو پڑھا سکتا ہے یا نہیں اگر پڑھایا تو نماز درست ہوگی یا نہیں۔ بیںوا توجروا۔

الجواب

نماز عید اور نماز جمعہ کے شروط شرع میں ایک ہی ہیں البتہ خطبہ عیدین نماز کے بعد مسنون ہے درمختار جلد (۱) صفحہ (۵۷۹) میں ہے تجب صلاتھما علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطھا سوی الخطبۃ فانھا سنۃ بعدھا بنا بریں جمعہ اور عید کی نماز کے لئے سلطان وقت یا اس کا مقرر کیا ہوا خطیب یا خطیب کا نائب یعنی خطیب سے اجازت حاصل کیا ہوا امام ضروری ہے اجنبی شخص جس کو کسی سے اجازت نہیں ہے ان نمازوں کو نہیں پڑھا سکتا اور درصورت پڑھانے کے نماز صحیح نہیں ہے مگر جبکہ سلطان یا خطیب یا اسکا

نائب جس کو جمعہ وعید کی اجازت دی گئی ہے اس کی اقتدا کرلے تو پھر نماز صحیح
ہوجاتی ہے فتاوی ردالمحتار مصری کے جلد (۱) صفحہ (۵۶۲) میں ہے وحاصلہ
انہ لا تصح اقامتها الا ممن اذن لہ السلطان بواسطتہ او
بدونہا اما بدون ذلک فلا اور اسی جگہ صفحہ (۵۶۳) میں درمختار
ہے وفی السراجیۃ لو صلی احد بغیر اذن الخطیب لا یجوز
الا اذا اقتدی بہ من لہ ولایۃ الجمعۃ نماز پنجگانہ کے لئے
امام راتب یعنی مقررہ امام کی غیر حاضری میں مصلیوں کو یہ اجازت ہے کہ کسی
متقی شخص کو اپنا امام بنا کر نماز ادا کرلیں اور خصوصاً جبکہ نماز کا وقت تنگ ہو
اس وقت امام راتب کے اجازت کی ضرورت نہیں ہے بلا اجازت بھی اس
اجنبی کے پیچھے ان کی نماز صحیح ہے عینی شرح بخاری کے جلد (۲) صفحہ ۴ میں
ہے ان الامام الراتب اذا غاب یستخلف غیرہ اور امام راتب کی
موجودگی میں اسی کا امامت کرنا دوسرے شخص کے بہ نسبت بہتر ہے مگر سلطان
وقت یا قاضی امام راتب کے ہوتے ہوئے امامت کرنا چاہے تو کرسکتا ہے فتاوے
درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردالمحتار جلد (۱) صفحہ (۳۹۲) میں ہے (و) اعلم
ان (صاحب البیت) ومثلہ امام المسجد الراتب (اولی بالامامۃ
من غیرہ) مطلقا الا ان یکون سلطان او قاضی فیقدم
علیہ اور فتاوے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۸۳) میں ہے دخل المسجد
من ھو اولی بالامامۃ من امام المحلۃ فامام المحلۃ اولی کذا فی
القنیۃ امام راتب کے ہوتے ہوئے بلا اجازت اس کے اجنبی شخص کا نماز

پڑھانا بہتر نہیں ہے اور اگر نماز پڑھاوے تو شرعاً نماز میں کوئی فساد نہیں آتا جیسا کہ عبارت سابقہ میں لفظ اولی سے ظاہر ہے اگر اس وقت مصلیوں میں کوئی شخص امام راتب سے زیادہ مسائل صلوٰۃ جاننے والا علم وفضل یا قرأت و پرہیزگاری وغیرہ میں سب سے بہتر موجود ہے تو ایسی حالت میں امام راتب کو چاہیئے کہ اسی شخص کو امامت کے لئے آگے بڑھائے اور خود پیچھے ہو جائے کیونکہ شرعاً امامت کے لیے مسائل نماز کو زیادہ جاننے والا اس کے بعد قاری اس کے بعد متقی وغیرہ سب سے بہتر اور مستحق ہے درمختار مطبوع بر حاشیہ ردمختار جلد (۱) صفحہ (۳۹۱) میں ہے (والاحق بالامامۃ) تقدیماً بل نصباً مجمع الانھر (الاعلم باحکام الصلوٰۃ ثم الاحسن تلاوتہ) وتجویداً (للقرأۃ ثم الاورع) اور اسی طرح امام راتب اگر اپنے میں کوئی فساد رکھکر قوم کی امامت کرنا چاہے اور قوم اس سے ناراض ہوں یا قوم میں کوئی شخص اس سے بہتر موجود ہے اور یہ اس کے ہوتے ہوئے اپنے کو امام بنانا چاہتا ہے تو ایسے وقت میں اس کی امامت شرعاً مکروہ تحریمی ہے چنانچہ درمختار میں اسی جگہ صفحہ (۳۹۲) میں ہے (ولو ام قوماً وھم له کارھون ان) الکراھۃ (لفساد فیه اولانھم احق بالامامۃ منه کرہ) له ذلك تحریماً لحدیث ابی داؤد لا یقبل اللہ صلاۃ من تقدم قوماً وھم له کارھون واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ سلطان نے جس کو عیدین اور جمعہ پڑھانے کے لئے حکم دیا ہے اگر اوس کے بغیر اجازت کوئی دوسرا شخص پڑھائے تو جائز ہے یا نہیں۔ بیوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب۔

الجواب

جو شرائط جمعہ کے ہیں وہی عید کے لئے ہیں مگر عید میں خطبہ بعد نماز سنت ہے عالمگیری جلد اوّل صفحہ (۱۵۰) باب صلوۃ العیدین میں ہے تجب صلوۃ العید علی کل من تجب علیہ صلوۃ الجمعۃ کذا فی الھدایہ ویشترط للعید مایشترط للجمعۃ الا الخطبۃ کذا فی الخلاصۃ فانھا سنۃ بعد الصلوۃ درمختار مطبوعۂ کلکتہ کے صفحہ (۱۲۲) میں ہے تجب صلوتھا فی الاصح علی من تجب علیہ الجمعۃ لشرائطھا سوی الخطبۃ فانھا سنۃ بعدھا جمعہ صحیح ہونے کے شرائط سے سلطان کا ہونا بھی ہے۔ سلطان چاہیے عادل ہو یا جابر یا وہ شخص جس کو سلطان حکم دیا ہے جیسے امیر، قاضی، خطیب یا اون کا نائب عالمگیری مصطفائی کے جلد اوّل صفحہ (۱۴۵) باب الجمعہ میں ہے ومنھا السلطان عادلاً کان او جائراً ھکذا فی التاتارخانیہ ناقلاً عن النصاب اومن

امرہ السلطان وھو الامیر او القاضی او الخطباء کذا فی العینی
شرح الھدایہ حتی لا تجوز اقامتھا لغیر امر السلطان وامر نائبہ
کذا فی السرخسی رجل خطب یوم الجمعۃ بغیر اذن الامام والامام حاضر
لا یجوز ذلک الا ان یکون اللامام امرہ بذلک کذا فی فتاوی
قاضی خان۔ پس صورت مسئولہ میں اگر کوئی بدون اجازت خطیب کے نماز
عیدین وجمعہ پڑھائے تو نماز درست نہیں مگر جبکہ وہ شخص جس کو اختیار جمعہ
کا ہے اوس کی اقتدا کرلے تو نماز ہو جاتی ہے فتاوی ردالمحتار مصری کے جلد اول
صفحہ (۵۶۲) میں ہے وحاصلہ انہ لا تصح اقامتھا الا لمن اذن
لہ السلطان بواسطۃ او بدونھا اما بدون ذلک فلا۔
اور صفحہ (۵۶۲) میں درمختار میں ہے وفی السراجیۃ لو صلی احد
بغیر اذن الخطیب لا یجوز الا اذا اقتدی بہ من لہ ولایۃ
الجمعۃ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
قصبۂ بلوارم رسالہ بازار میں ایک مسجد زیادہ وسیع وخوشنما ہے جو قدیم علماء کی راے
سے جمعہ مسجد قرار دی گئی ہے جس کی سند امور مذہبی سرکار نظام ورزیڈنسی
میں موجود ہے۔ رسالہ بازار کے تمام مسلمانوں کے اتفاق سے تخمیناً پندرہ ہیں
سال سے اس میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے اس مسجد سے تخمیناً سو گز فاصلہ پر ایک

دوسری مسجد ہے جو رسالے کے حدود میں حصار کے اندر واقع ہے اس
مسجد میں رسالے والوں کے سوا کسی دوسرے کو آنے کی اجازت نہیں رسالے
کی پولیس و پہرہ کا ہمیشہ یہاں انتظام و نگرانی رہتی ہے اور اس میں گنجائش
بھی نہیں ہے۔ حال میں رسالے کے چند مسلمان کا یہ ارادہ ہوا ہے کہ آئندہ
سے رسالہ بازار کی جمعہ مسجد میں جمعہ نہ پڑھیں بلکہ نماز جمعہ حصار کے اندر والی
چھوٹی مسجد میں پڑھا کریں اور چند مسلمان و قاضی رسالے کی یہ رائے کہ
جب اس مسجد میں روک ٹوک ہے اور اذن عام نہیں ہے علاوہ بریں مسجد
چھوٹی ہونے کی وجہ سے جماعت بھی قلیل ہوتی ہے اور رسالہ بازار کی جمعہ مسجد
میں اذن عام کے سوا جماعت کثیر کا بھی ثواب حاصل ہے۔ اس لئے جمعہ مسجد
میں نماز جمعہ پڑھا کریں۔ ان دونوں فریق سے کس کا ارادہ از روئے شرع
صحیح و درست ہے۔

ف ۲ بوجہ عدم صحت ادائی جمعہ اگر چار رکعت احتیاطی پڑھی جائیں تو
کیا گناہ ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورتِ صداقت مستفتی جمعہ کے صحیح ہونے کے شروط سے اذن عام
بھی ہے اذن عام کے معنے یہ ہیں کہ نماز جمعہ ادا کرنے کے مقام میں عام مسلمانوں
حاضر ہونے کی اجازت دیجائے اور کوئی روک ٹوک نہو اور یہ شرط اس وجہ
سے لگائی گئی ہے کہ جمعہ جماعتوں کے جمع ہونے کا نام ہے اور جب ممانعت

ہو تو مسلمانوں کی جماعتوں کا آنا ممکن نہیں اور نماز جمعہ میں اذان اس واسطے شروع کی گئی ہے کہ اس نماز کی مسلمانوں کو اذان کے ذریعے سے شہرت دیجائے تاکہ ہر طرف سے اذان کی آواز سن کر جمع ہوں اور ممانعت کی صورت میں اذان کی غرض شرعی فوت ہو جاتی ہے فتاوی درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار مصری جلد (۱) صفحہ (۵۶۹) میں ہے (و) السابع (الاذن العام) ردمحتار میں ہے (قوله الاذن العام) ای ان یأذن الناس اذناً عاماً بان لایمنع احداً ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذی تصلی فیه وهذا مراد من شرط الاذن العام الاشتهار کذا فی البرجندی اسمعیل وانما کان هذا شرطاً لان الله تعالی شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله فاسعوا الی ذکر الله والنداء للاشتهار وکذا تسمی جمعة لاجتماع الجماعات فیها فاقتضی ان تکون الجماعات کلها مأذونین بالحضور تحقیقاً لمعنی الاسم بدائع اور عالمگیریہ مصری جلد (۱) صفحہ (۱۴۸) میں ہے ومنها الاذن العام وهو ان تفتح ابواب الجامع فیؤذن للناس کافة بنا بریں صورت مسئولہ میں حصار کے اندر والی مسجد میں چونکہ پہرے اور پولیس کے انتظام کی وجہ سے عام مسلمانوں کو نماز جمعہ کے لئے اندر جانے کی ممانعت ہے اس لئے نماز جمعہ صحیح نہیں ہے۔

ف نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد احتیاطاً ظہر پڑھنا اس مسئلے کی بنیاد اس اختلاف پر ہے کہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں جو لوگ

اس کو جائز نہیں رکھتے انہوں نے بعد جمعہ احتیاطاً چار رکعت کو آخر ظہر کی نیت سے ادا کرنے کو کہا ہے فی الحقیقت یہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت بلکہ بعض متاخرین نے اس کی ایجاد کی ہے مذہب صحیح ومختار مفتی بہ یہ ہے کہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ پڑھنا مطلقاً جائز ہے فتح المعین مصری جلد (۱) صفحہ (۳۱۳) میں ہے سئل السید الحموی عن الاربع رکعات التی بعد صلاۃ الجمعۃ وتسمی الظہر عندھم اذا اختلت بعض شروط الجمعۃ ھل ھی فرض أو واجبۃ او مستحبۃ اولیست واحدۃ منھا وما کیفیۃ نیۃ الظہر علی القول بھا فاجاب بانھا لیست فرضًا ولا واجبۃ ولا سنۃ بل لا أصل لھا فی المذھب وانما وضعھا بعض المتأخرین عند الشک فی الصحۃ الجمعۃ لسبب روایۃ عدم جواز تعددھا فی مصرٍ واحدٍ فقال بندب ان یصلی بعد صلاۃ الجمعۃ اربع رکعات ینوی بھا آخر الظہر ادرکت وقتہ ولم أصلہ وغیر خاف ان الندب ھنا بالمعنی اللغوی وھو الطلب لا الندب بالمعنی المصطلح علیہ عند الفقھاء وھو ما فعلہ النبی علیہ السلام مرۃ وترکہ أخری أوکان مرغبا فیہ من جھۃ الشارع ولیست ھذہ الروایۃ التی بنی علیھا کلامہ بالمختارۃ بل المختار جواز تعددھا فی مواضع کثیرۃ کما فی الزیلعی بحر الرائق مصری جلد (۲) صفحہ (۱۵۴) میں ہے و ذکر الامام السرخسی ان الصحیح من مذھب

ابی حنیفۃ جواز اقامتھا فی مصر واحد فی مسجدین واکثر وبہ ناخذ لاطلاق لاجمعۃ الا فی مصر شرط المصر فقط وفی فتح القدیر الاصح الجواز مطلقاً خصوصاً اذا کان مصراً کبیراً کمصر فان فی الزام اتحاد الموضع حرجاً بیناً لاستدعاءہ تطویل المسافۃ علی الاکثر وذکر فی باب الامامۃ ان الفتوی علی جواز التعدد مطلقاً بنا بریں جمعہ کے بعد عدم جواز تعدد جمعہ کے لحاظ سے احتیاط کرکے ظہر پڑھنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ اس میں عام لوگوں کو فساد و اشتباہ میں ڈالنا ہے کیونکہ عام لوگ ایسے موقع میں جمعہ کو فرض ہی نہیں سمجھیں گے اور جمعہ کو ترک کرکے گھر میں صرف ظہر پڑھ کر بیٹھ جائینگے بلکہ اس لحاظ سے تو ظہر کے ترک کرنے میں احتیاط ہے، بحر الرائق کے اسی صفحہ میں ہے مبنی کلہ علی القول الضعیف المخالف للمذھب فلیس الاحتیاط فی فعلھا لانہ العمل با قوی الدلیلین وقد علمت ان مقتضی الدلیل ھو الاطلاق اس کے بعد والے صفحہ میں ہے مع ما لزم من فعلھا فی زماننا من المفسدۃ العظیمۃ وھو اعتقاد الجھلۃ ان الجمعۃ لیست بفرض فیتکاسلون عن اداء الجمعۃ فکان الاحتیاط فی ترکھا وعلی تقدیر فعلھا ممن لایخاف علیہ مفسدۃ فیھا فالاولی ان تکون فی بیتہ خفیۃ خوفاً من مفسدۃ فعلھا۔ اگر صورت مسئولہ میں اگر حصار والی رسالہ کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھی گئی ہے اور اس کے بعد احتیاطاً ظہر پڑھی گئی ہے تو یہ

فعل مناسب ہوا کیونکہ اس مسجد میں اذن عام نہونے کی وجہ سے جمعہ صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد میں متعدد اشخاص بغرض ادائے نماز جمع ہیں جن میں اکثر لاعلم اور بعض صاحب علم بھی ہیں اون میں ایک شخص صاحب علم اور پابند صوم وصلوۃ ہے لیکن اس کو تقاطر بول کی شکایت ہے جو دس پانچ منٹ کے فاصلہ سے ہوا کرتا ہے۔ امامت کے لئے ہر شخص کو انکار ہے کل اشخاص اس ہی شکایت والے شخص کی اقتدا کرنا چاہتے ہیں اگر وہ امامت نہ کرے تو نماز بغیر جماعت کے فرداً فرداً ہوتی ہے اور ہر شخص جماعت کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے پس ایسی صورت میں کیا اس شخص کی امامت شرعاً جائز ہوگی یا نہیں جمعہ کی نماز کا بھی یہی حال ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی طاہر یعنی پاک وتندرست شخص کی نماز بیماری والے معذور کے پیچھے فاسد ہے کنز الدقائق مجتبائی کے صفحہ (۲۷) باب الامامۃ میں ہے وفسد اقتداء طاھر بمعذور اسی طرح تندرست آدمی کا سلسل بول والے کی اقتداء کرنا ناجائز ہے قدوری مجتبائی صفحہ (۱۹) کتاب الجماعۃ

میں ہے ولا یصلی طاہر خلف من بہ سلسل البول والرعاف اللہ اعلم پس صورت مسئولہ میں خدمت انخاص کا انقاطر بول والے کی اقتدار کرنا درست نہیں ہے اگر اقتدا کی جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے جس کا اعادہ واجب ہے مصلیوں کو چاہیئے کہ حاضرین سے کسی بہتر درست اور سب میں بہتر شخص کو امام بنائیں مسجد میں جمع ہو جانے کے بعد اگر فرداً فرداً نماز ادا کی جائے گی تو ترک جماعت کی وجہ سے ہر ایک گنہگار رہو گا جمعہ کی نماز سرکار کی جانب سے مقرر کئے ہوئے سرکاری امام سے اجازت پائے ہوئے امام کے پیچھے صحیح ہوتی ہے بلا اجازت امام سرکاری کے کوئی اجنبی شخص جمعہ نہیں پڑھا سکتا انقاطر بول والا شخص اگر سرکاری امام ہے تو اس کو درخواست دیکر بدلدینا چاہیئے اگر شخص اجنبی ہے تو مصلیوں کو چاہیئے کہ اجازت یافتہ امام کے پیچھے جمعہ ادا کریں واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد متصل عاشور خانہ ہے جس میں تعزیہ وعلم استادہ کئے جاتے ہیں جس کا الاوہ صحن مسجد میں کھدا ہوا ہے۔ ایام محرم میں علم کی نقل وحرکت میں جس قدر ازدحام وشور ہوتا ہے اور باجے بجائے جاتے ہیں وہ سب مسجد کے صحن میں ہوتا ہے جس سے مسجد کی بے حرمتی اور بوقت صلوۃ مصلیوں کے لئے خلل انداز ہے پس

از روئے شرع شریف عاشور خانہ احاطۂ مسجد سے منتقل کرنے کے قابل ہے یا نہیں اگر ایسا ہو اور منتقل کیا جائے تو کتنے فاصلہ پر رکھا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی مسجد کے متصل زمین جس کو فنا مسجد کہا جاتا ہے مسجد کے تابع ہے اس زمین میں خلاف شرع افعال کا ارتکاب کرنا باعث بیحرمتی مسجد ہے عالمگیریہ جلد (۵) صفحہ ۴۶۲ کتاب الوقف میں ہے قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمته وهذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی ردالمحتار جلد (۱) صفحہ ۴۶۱ احکام المساجد میں ہے (قوله کفناء مسجد) هو المکان المتصل به لیس بینه وبینه المسجد طریق۔ اور مسجد میں ہر ایک فعل جو کہ مصلیوں کو ایذا و تکلیف دیتا ہے شرعاً ممنوع ہے درمختار مطبوعہ برحاشیۂ ردمحتار جلد (۱) صفحہ ۴۶۴ میں ہے وکذا کل موذ ولو بلسانه بنابرین مسجد کے متصل عاشور خانہ رکھنا جسکی وجہ سے صحن مسجد میں (جو فنا مسجد ہونے کی وجہ سے مسجد کے تابع ہے) ایام محرم میں شور وغوغا ہوتا ہے باعث بے حرمتی مسجد وایذا ر مصلیان ہے شرعاً درست نہیں بہتر یہ ہے کہ عاشور خانہ مسجد سے اس قدر فاصلہ پر رکھا جائے کہ اوس کا شور وغل مسجد تک نہ پہونچے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر نماز جہری میں تسمیہ بالجہر و سورۂ فاتحہ مع ضم سورہ قراءۃ کرنا ہے یا نہیں اگر کوئی حنفی المذہب تسمیہ بالجہر پڑھتا ہو تو اوس کی نماز درست ہوگی یا نہیں اور وہ شخص امام صاحب کے مذہب کے موافق سمجھا جائیگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بربنا مذہب حنفی نماز میں چاہے جہری ہو یا سری سرا یعنے آہستہ بسم اللہ پڑھنا سنت ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۱) صہ ۳۳۲ کتاب الصلوۃ میں ہے (وسننہا رفع الیدین للتحریمۃ ونشر الاصابع وان لا یطأطأ راسہ عند التکبیر وجہر الامام بالتکبیر والثناء والتعوذ والتسمیۃ والتامین وکونہن (سراً) ردمختار میں ہے ان الاسرار بہا سنۃ اخریٰ اور جان بوجھکر سنت کے ترک کرنے سے نماز میں کوئی فساد یا سہو لازم نہیں آتا مگر شرعاً یہ فعل قبیح اور کرنے والا ایک چھوٹے سے گناہ کا مرتکب ضرور ہے اس لئے عمداً بسم اللہ جہر سے پڑھی جائے یا بھولے سے مصلی کے لئے نماز کا اعادہ کرلینا مستحب ہے اسی جگہ درمختار میں ہے ترک السنۃ لا یوجب فساداً ولا سہواً بل اساءۃ لو عامداً غیر مستخف ردمختار میں ہے صح ابن نجیم فی شرح المنار بان الاساءۃ افحش

من الکراھۃ فی النھر عن الکشف الکبیر معزیا الی اصول ابی الیسر حکم السنۃ ان یندب الی تحصیلھا ویلام علی ترکھا مع لحوق اثم یسیر (قولہ لو عامدًا غیر مستخف) فلو غیر عامد فلا اساءۃ ایضًا بل تندب اعادۃ الصلوٰۃ پس صورت مسئولہ میں حنفیوں کے پاس سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسرا سورہ ضم کرنا ضروری ہے مگر بسم اللہ پکار کر پڑھنا سنت نہیں ہے بلکہ آہستہ پڑھنا سنت ہے اور جو عمدًا پکار کر پڑھے یا بھولے سے تو اوس کے لئے بہتر یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کرلے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مشرک مسجد کے سائبان یا دروازہ وغیرہ تعمیر کرنے کے لئے یا جانماز وبوریا بدلنے کے لئے کچھ روپیہ دے تو اس روپیہ سے مسجد کے ایسے کام کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں اور اگر اس روپیہ سے تعمیر ہو جائے تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

الجواب

مال خبیث وغیر طیب سے یا اس مال سے جو کہ جائز و ناجائز طریقوں سے

بالاشتراک حاصل ہوا ہے مسجد بنانا یا اوس کی تعمیر کرنا شرعاً مکروہ تحریمی ہے فتاوے
رد المحتار جلد (۱) صفحہ (۲۶۲) میں ہے قال تاج الشریعۃ اما لو انفق
فی ذالک مالاخبیثا وما لاسببہ الخبیث الطیب فیکرہ لان اللہ تعالیٰ
لایقبل الا الطیب فیکرہ تلویث بیتہ بما لا یقبلہ خزانۃ الروایہ قلمی
کے صفحہ (۴۷) میں ہے کل مسجد بنی مباھاۃ اوریاءً او سمعۃً
اولغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ تعالیٰ اومن مال غیر طیب
فھو لاحق بمسجد الضرار چونکہ مشرکین کی اکثر آمدنی سود یا سود کی آمیزش
سے ہوا کرتی ہے اس لئے ان کے روپیہ سے مسجد کی تعمیر کرنا شرعاً درست
نہیں تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی کے صفحہ (۴۵۳) میں تحت آیۃ ماکان
للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ کی تفسیر میں ہے فان ارادکافران
یبنی مساجد اویعمرھا یمنع منہ وھو المفھوم من النص وان
لم یدل علیہ روایۃ اسی طرح اگر کوئی مشرک اپنے مکان کو مسجد بنادے
یا اپنے جانب سے کسی جائداد کو وقف کر کے وصیت کرے تو یہ وقف شرعاً باطل
ہے کیونکہ مشرکین کو ان کے مذہب کی رو سے ایسے کاموں سے اللہ کا تقرب
حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا اسعاف کے صفحہ (۱۱۹) میں ہے وکذا لو
جعل دارہ مسجداً للمسلمین او اوصی ان یحج عنہ یکون
الوقف باطلا لکونہ لیس مما یتقرب بہ اھل الذمۃ الی اللہ
تعالیٰ البتہ اگر کوئی مشرک مسلمانوں کی کسی خاص جماعت کے لئے اپنے
گھر کو مسجد بنا دے یا کسی خاص شخص کو حج کرنے کے لئے روپیہ دے تو چونکہ

اس نے خاص شخص یا اشخاص کے لئے وقف کیا ہے اسی لئے جائز ہے اسعاف

کے اسی صفحہ میں ہے ولو اوصی الذمی ان تبنی دارہ مسجدا

لقوم باعیانهم وکذالک یصح الایصاء بمال لرجل بعینه

لیحج به لکونه وصیة لمعین ثم ان شاء حج بذالک وان

شاء ترک بنا بریں صورت مسئولہ میں مشرک کے روپیہ سے مسجد کا سائبان یا دروازہ وغیرہ تعمیر کرنا یا مسجد کے لئے جانماز و بوریا خریدنا شرعاً ناجائز ہے اگر مشرک قبل تعمیر اس روپیے کو کسی مسلمان کو ہبہ کر دے اور وہ مسلمان بطور خود اس رقم سے مسجد کے ضروریات کی تکمیل کرے تو شرعاً جائز ہے اور بعد تعمیر مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس کے روپیے سے بنائے ہوئے سائبان وغیرہ کو اس مشرک سے کہکر کسی مسلمان کے لئے ہبہ کرالیں اور وہ مسلمان ہبہ و قبضہ ہو جانے کے بعد اس کو مسجد کے لئے وقف کر دے تو ایسی حالت میں یہ تمام چیزیں مسجد کی ہیں اور نماز بھی درست ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ اگر کوئی شخص صاحب ترتیب نہو تو صاحب ترتیب ہونے کے لئے کیا کرنا چاہیئے اور اگر کسی کو یاد نہو کہ کس قدر نمازیں اوس کی فوت ہوی ہیں تو اُن کی قضا کس طرح کی جائے۔

الجواب

اگر کسی شخص کی چھے نمازیں فوت ہوجائیں تو وہ شرعاً صاحب ترتیب نہیں رہتا اور جس کی چھے سے کم نمازیں فوت ہیں وہ صاحب ترتیب ہے جس کی نمازیں چھ یا چھ سے زیادہ فوت ہوگئی ہیں اوس کو صاحب ترتیب ہونے کے لئے پوری نمازیں قضاء کرنا ہوگا عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۱۲۳) باب قضاء الفوائت میں ہے ویسقط الترتیب عند کثرۃ الفوائت وھو الصحیح ھکذا فی محیط السرخسی وحد الکثرۃ ان تصیر الفوائت ستاً بخروج وقت السادسۃ وعن محمد رحمۃ اللہ علیہ انہ اعتبر دخول الوقت والاول ھو الصحیح کذا فی الھدایۃ شرح وقایہ جلد (۱) صفحہ (۲۱۸) میں ہے فرض الترتیب بین الفروض الخمسۃ والوتر الا اذا ضاق الوقت او نسی او فاتت ستۃ حدیثۃ کانت او قدیمۃ اور صفحہ (۲۱۹) میں ہے فانہ لما قضی صلوات الشھر الا فرضاً او فرضین قلت الفوائت بعد الکثرۃ من یعود الترتیب الا ان یقضی الکل وعند بعض المشائخ ان قلت بعد الکثرۃ یعود الترتیب واختار الامام السرخسی الاول وقال صاحب المحیط وعلیہ الفتوی۔

ف جس شخص کی نمازیں اس قدر قضاء ہوگئی ہیں کہ اسکو تعداد یاد نہیں ہے اس کو چاہیئے کہ اپنی قضاء نمازوں کا تخمینہ کرلے اور بعد تخمین اوس کم

اپنے طرف سے احتیاطاً اور اس قدر نمازیں اضافہ کرے جس سے اس کو یہ
یقین ہو جاسے کہ اس قدر نمازیں قضار کرنے کے بعد پھر کوئی نماز میرے
ذمّہ باقی نہیں رہیگی ایسی حالت میں اس کی جملہ قضار نمازیں ادا ہو جانے کے
بعد جو فاضل رہیں گی وہ اس کی جانب سے نفل ہو جائیں گی اور کسی فرض کا
مواخذہ اوس کے ذمّہ باقی نہیں رہے گا۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ اکثر لوگ موسم گرما میں صحن
مسجد میں فرض نماز ادا کرتے ہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ منبر و محراب یعنی اصل
مصلیٰ سے علٰحدہ نماز پڑھنے سے نماز کی افضلیت فوت ہو جاتی ہے اور
بعض کا قول ہے کہ مسجد کا صحن داخل مسجد ہے اس لئے دونوں برابر ہیں
یہ بات ظاہر ہے کہ نماز خواہ داخل مسجد ہو یا خارج مسجد سب جگہ ادا ہو جاتی ہے
مگر جبکہ مسجد و مصلیٰ بنا کر منبر و محراب قائم کیا گیا ہے تو اس سے ضرور یہ بات ثابت
ہوتی ہے کہ اصل مصلّے پر نماز پڑھنے میں فضیلت ہے۔ لہذا گزارش ہے کہ
بعد تحقیق اس کا مدلل و شافی جواب سرفراز ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مساجد میں منبر تو خطیب کے خطبہ پڑھنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں تاکہ
مرتفع مقام پر کھڑے ہونے سے اس کی آواز دور تک جائے اور تمام حاضرین

کو خطبہ سنائی دے وسط مسجد میں محراب قائم کرنے کی بڑی غرض وغایت یہ ہے کہ امام صف کے وسط میں قیام کرے کیونکہ امام کا صف کے کسی ایک جانب میں کھڑا ہونا اور برابر وسط میں نہ ہونا خلاف سنّت اور مکروہ ہے ردمحتار جلد (۱) صفحہ (۲۹۹) میں ہے قال فی المعراج وفی مبسوط بکر السنۃ ان یقوم فی المحراب لیعدل الطرفان ولو قام فی احد جانبی الصّف یکرہ اور اسی صفحہ میں ہے السنّۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصّف الاتری ان المحاریب ما نصبت الا وسط المساجد وھی قد عیّنت لمقام الامام امام کا محراب میں یا اوس کے مقابل کھڑا ہونا اسی وقت ضروری سمجھا گیا ہے جبکہ جماعت کثیر ہوا ور امام کے محراب میں نہ کھڑے ہونے سے امام کے وسط میں نہ ہونے کا اندیشہ وشبہ ہوتا ہو اور اگر یہ اندیشہ نہیں ہے تو امام محراب کے سوا ہر جگہ وسط صف میں کھڑے ہوکر نماز پڑھا سکتا ہے چنانچہ ردمحتار کے اسی صفحہ میں ہے والظاھر ان ھذا فی الامام الراتب لجماعۃ کثیرۃ لئلا یلزم عدم قیامہ فی الوسط فلو لم یلزم ذلک لا یکرہ مگر یہ امر بھی ضروری اور قابل لحاظ ہے کہ امام مسجد کے دو کھمبوں کے درمیان یا کسی گوشے یا کنارے میں یا کسی کھم کے متصل نہ کھڑا کیا جائے بلکہ وسط میں ایسی جگہ کھڑا ہو کہ اس کے پیچھے مصلّیوں کی صف دونوں

جانب برابر آسکے ردمختار میں اسی صفحہ میں ہے۔ والاصح ماروی عن
ابی حنیفۃ انہ قال اکرہ ان یقوم بین الساریتین او فی
زاویۃ او فی ناحیۃ او الی ساریۃ لانہ خلاف عمل الامۃ
قال علیہ الصلوٰۃ والسلام توسطوا الامام وسدوا الخلل
بنا بریں صورت مسئولہ میں جبکہ صحن مسجد داخل مسجد ہے اور امام کا محراب
میں کھڑے ہونا محض وسط صف میں ہونے کے لئے لازمی ہے تو ایسی
حالت میں اگر مصلیان مسجد موسم گرما میں بغرض راحت وحضور قلب امام کو
محراب کے مقابل مسجد کے ستون سے علٰحدہ کھڑے کرکے نماز پڑھا کریں تو
اس میں زوال فضیلت کا اندیشہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ شرائط جمعہ منصوصی ہیں
یا غیر منصوصی اگر منصوصی ہیں تو جملہ شرائط آج موجود ہیں یا مفقود اور اگر یہ
شرائط اجتہادی ہیں تو ان کا تقرر کس مصلحت اور غرض سے ہوا ہے ان شرائط
کا ماخذ اصول شرع سے کونسا اصل ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ
وسلم نے کن شروط سے جمعہ ادا فرمایا تھا۔ احناف جن شروط کو مانتے ہیں وہ
قاضی ابو یوسف رح کے اجتہادی ہیں ان کے اجتہاد سے پہلے جن مسلمانوں

نے جمعہ ادا کی ہے ان کا جمعہ صحیح تھا یا نہیں۔ اگر بکر خالد کو صرف جمعہ نہ پڑھانے کے سبب قرابت داروں سے علحدہ کر دے اور سلام و کلام و دعوت و تہنیت و تعزیت کی شرکت سے باز رکھے اور اس کے ہاتھ کا پانی نہ پیئے تو بکر کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حنفی مذہب میں جمعہ واجب ہونے کے شرائط مصلی کے لئے تو حر یعنی آزاد ہونا مرد ہونا مقیم ہونا تندرست ہونا پیر اور آنکھ کا صحیح و سالم رہنا ہے اس کے علاوہ دوسرے شروط مصر جماعۃ خطبہ سلطان وقت اذن عام ہیں۔ فتح القدیر مصری جلد (۲) صفحہ (۲۲) باب صلاۃ الجمعہ میں ہے ولوجوبھا شرائط فی المصلی الحریۃ والذکورۃ والاقامۃ والصحۃ وسلامۃ الرجلین والعینین وشرائط فی غیرہ المصر والجماعۃ والخطبۃ والسلطان والوقت والاذن العام۔ مصلی کے شروط کا ماخذ حدیث ابوداؤد ہے جو طارق ابن شہاب سے مروی ہے فتح القدیر کے جلد (۲) صفحہ (۲۱) میں ہے صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ حق واجب علی کل فی جماعۃ الا اربعۃ مملوک او امرأۃ او صبی او مر

ابوداؤد عن طارق بن شہاب اس حدیث سے غلام اور عورت
اور بچے اور بیمار پر جمعہ کا واجب نہ ہونا ثابت ہے اور مسافر کے لئے دوسری
حدیث بیہقی کی تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے واخرج البیہقی
من طریق البخاری عن تمیم الداری عنہ صلی اللہ علیہ و
سلم قال الجمعۃ واجبۃ الا علی صبی او مملوک او مسافر
ورواہ الطبرانی عن الحکم بن عمرویہ وزاد فیہ المرأۃ و
المریض مسافر اور مریض پر قیاس کرکے اندھا اور لنگڑا دفع حرج و تکلیف
کے لحاظ سے وجوب جمعہ سے خارج کر دیا گیا اور وجوب جمعہ کے لئے سلامت
رجلین وعینین کی شرط لگائی گئی ہدایہ اولین مصطفائی کے صفحہ (۱۴۹) باب
صلاۃ الجمعہ میں ہے فعدروا دفعا للحرج والضرر جمعہ کے لئے مصر
کی جو شرط لگائی گئی ہے اس کا ماخذ حدیث علی رضی اللہ عنہ ہے جو ابن
شیبہ سے مروی ہے فتح القدیر کی جلد (۲) صفحہ (۲۲) باب الجمعہ میں ہے
رواہ ابن شیبۃ موقوفا علی علی رضی اللہ عنہ لا جمعۃ
تشریق ولا صلاۃ ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع
ایۃ عظیمۃ صححہ ابن حزم ہدایہ کے باب جمعہ میں ہے
لیہ السلام لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی
جامع جماعت کی شرط اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ جمعہ جماعت

سے مشتق ہے تنہا پڑھنے پر جمعہ صادق نہیں آتا اور آیت قرآنی میں (فاسعوا) جمع کا صیغہ ہے جس سے جماعت کے ساتھ ادا کرنا ثابت ہوتا ہے ہدایہ میں ہے ومن شرائطہا الجماعۃ لان الجمعۃ مشتقۃ منہا اور فتح القدیر جلد (۲) صفحہ (۳۱) میں ہے وھما قالا بل الشرط ذالک لان قولہ تعالیٰ فاسعوا صیغۃ جمع فقد طلب الحضور معلقاً بلفظ الجمع وھو الواو الی ذکر یستلزم ذاکراً فلزم کون الشرط جمعاً ھو مسمیٰ لفظ الجمع مع الامام وھو المطلوب اور سابق الذکر حدیث ابوداؤد (قال صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ الیٰ آخرہ) میں لفظ فی جماعۃ سے بھی اس کا شرط ہونا ثابت ہے۔ جمعہ میں خطبہ اس لئے شرط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام عمر میں کوئی نماز بدون خطبے کے ادا نہیں فرمایا اگر یہ شرط نہ ہوتی تو جواز ترک معلوم کرانے کے لئے آپ کبھی ضرور ترک فرماتے یا ترک کی اجازت دیتے اور یہ تا حال کسی روایت سے ثابت نہیں ہدایۂ مصطفائی کے باب الجمعہ میں ہے ومنہا الخطبۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما صلاھا بدون الخطبۃ فی عمرہ اور بین السطور ہے فلو لم یکن واجباً لترکہ تعلیماً للجواز سلطان یا نائب سلطان کی اس واسطے شرط لگائی گئی ہے کہ جمعہ چونکہ جماعت کثیرہ سے ادا کیا جاتا ہے اس لئے ہر ایک شخص اپنی شان وشوکت کے لئے اس کی امامت چاہتا ہے جو جھگڑے اور فساد کا باعث ہے جب حاکم وقت سے اس کی اقامت ہو تو

س میں کسی کو کلام کرنے کی گنجائش نہیں رہتی ہدایہ میں ہے ولایجوز اقامتھا الا للسلطان اولمن امرہ السلطان لانھا تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعۃ فی التقدم والتقدیم وقد تقع فی غیرہ فلابد منہ تتمیما لامرھا اور ابن ماجہ کی حدیث سے بھی اس کا اشتراط سمجھا جاتا ہے چنانچہ فتح القدیر جلد (۲) صفحہ (۲۷) میں ہے فیبقی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترکھا ولہ امام جائرا وعادل الا فلاجمع اللہ شملہ ولابارک لہ فی امرہ ولاصلاۃ لہ الحدیث رواہ ابن ماجہ وغیرہ حیث شرط فی لزومھا الامام کما یفیدہ قید الجملۃ الواقعۃ حالا مع ما عیناہ من المعنی سالمین من المعارض وقال الحسن اربع الی السلطان وذکر منھا الجمعۃ والعیدین عینی شرح بخاری مصری جلد (۳) صفحہ (۲۶۸) میں ہے والعجب من ھذا القائل انہ یستدل علی عدم اذن السلطان لاقامۃ الجمعۃ بالایماء ویترک ما دل علی ذلک حدیث جابر اخرجہ ابن ماجہ وفیہ من ترکھا فی حیاتی ولہ امام عادل اوجائر استخفافا بھا وجحودا لھا فلاجمع اللہ شملہ ولابارک لہ فی امرہ الاولا صلوۃ لہ ولازکاۃ لہ ولاحج لہ ولا صوم لہ ولابرلہ الحدیث ورواہ البزار ایضاً ورواہ الطبرانی من الاوسط عن ابن عمر مثلہ ۔ جمعہ میں وقت ظہر کی شرط مصعب ابن عمیرؓ کی حدیث سے لگائی گئی ہے ہدایہ باب الجمعہ میں ہے ومن شرائطھا الوقت فتصح فی وقت الظھر ولاتصح بعدہ لقولہ علیہ السلام

اذا مالت الشمس وصل بالناس الجمعۃ فتح القدیر جلد (۲) صفحہ (۲۷) باب الجمعہ میں ہے وروی انہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعث مصعب ابن عمیر الی المدینۃ قال اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعۃ وفی البخاری عن انس رضی اللہ عنہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الجمعۃ حین تمیل الشمس اور اذن عام کی شرط آیت کریمہ (اذا نودی للصلوٰۃ) سے لی گئی ہے کیونکہ ندائے صلاۃ تمام مسلمانوں میں شہرت کے لئے ہوا کرتی ہے اور جبکہ آیت کریمہ میں عام طور پر ندا کیا جاتا ہے سعی الی الجمعہ کے لئے شرط گردانا گیا ہے تو بدون اذن عام کے جمعہ درست نہیں ہے فتح القدیر جلد (۲) صفحہ (۳۲) باب الجمعہ میں ہے حتی لو ان والیا اغلق باب بلد وجمع بحشمہ وخدمہ ومنع الناس من الدخول لم یجز اخذاً من اشارۃ قولہ تعالیٰ نودی للصلوۃ فانہ آئی تشتہر رد محتار جلد (۱) صفحہ (۵۷۰) باب الجمعہ میں ہے وانما کان ھذا شرطاً لان اللہ تعالیٰ شرع النداء لصلوۃ الجمعۃ بقولہ فاسعوا الی ذکر اللہ والنداء للاشتہار۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں شروط کے ساتھ جمعہ ادا فرماتے تھے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے ائمہ مجتہدین کے پہلے صحابہ وتابعین بھی اس کے پابند رہے ہیں اور انہیں حضرات کی پابندی اکثر امور اجتہادی میں ائمہ مجتہدین کے اجتہاد کے لئے باعث تقویت ہوا کرتی ہے اور اگر کوئی امر اجتہادی بعض صحابہ وتابعین کے عمل کے خلاف ثابت ہو تو مقلد کو چاہئے کہ اپنے امام کے ماخذ استدلال کی

تلاش کرکے اس خلاف کی تاویل معلوم کرے چنانچہ جمعہ کی شرط (اقامۃ السلطان) کے خلاف یہ روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کے زمانے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کے ساتھ جمعہ قائم کیا تھا جس سے یہ پایا جاتا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بلا اجازت سلطان اقامت جمعہ کی ہے مگر حنفیہ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ اس روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان سے اقامۃ جمعہ کے متعلق اجازت لینا یا نہ لینا کچھ بھی ثابت نہیں جس طرح اجازت نہ لینے کا احتمال قائم کیا گیا ہے اسی طرح اجازت لینے کا بھی احتمال قائم ہے ایسی حالت میں ایک احتمال کو ترجیح دینا اور دوسرے کو ترک کرنا ترجیح بلا مرجح ہے فتح القدیر جلد (۲) صفحہ (۲۷) باب الجمعہ میں ہے وما روی ان علیا رضی اللہ عنہ اقام بالناس وعثمان رضی اللہ عنہ محصور واقعۃ حال یجوز کونہ عن اذنہ کما یجوز کونہ عن عدمہ فلا حجۃ فیہ لفریق فیبقی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترکھا ولہ امام جائر او عادل الخ موجودہ زمانے میں اسلامی بڑے بڑے شہروں میں تو ان شروط کے برابر پائے جانے سے جمعہ یقیناً صحیح ہے البتہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی وجہ سے اقامت سلطان منتفی ہے جس کے متعلق متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جن شہروں میں کفار حکومت کرتے ہیں وہاں مسلمان اقامۃ جمعہ کے لئے اگر اپنی رضامندی واتفاق سے ایک قاضی مقرر کرلیں اور اس کے حکم سے جمعہ قائم کریں تو جائز ہے فتاوے عالمگیریہ مصری جلد (۱) صفحہ (۱۴۶) باب الجمعہ میں ہے بلاد علیھا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا

بتراصی المسلمین وجب علیھم ان یلتمسوا والیاً مسلماً کذا

فی معراج الدرایۃ۔

ف نماز جمعہ شریعت میں نماز پنجگانہ کی طرح فرض عین ہے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۱۴۴) باب الجمعہ میں ہے وھی فرض عین کذا فی التھذیب اس کی فرضیت قرآن وحدیث واجماع سے ثابت ہے اور فرض کا منکر شرعاً کافر اور تارک فاسق ہے فتح القدیر جلد (۲) صفحہ (۲۱) باب الجمعہ میں ہے واعلم اولاً ان الجمعۃ فریضۃ محکمۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع یکفر جاحدھا بنا۔ دین مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے مقام سکونت میں شروط پائے جانے کی تحقیق کریں اور آبادی ووسعت مقامی وغیرہ بالتفصیل تحریر کرکے علماء سے اس مقام میں جمعہ قائم کرنے یا نہ کرنے کی متعلق فتوے حاصل کرکے عمل پیرا ہوں۔ پس صورت مسئولہ میں بکر کے لئے (خالد کو نماز جمعہ اداکرنے سے منع کرنے اور ترک تعلق کرنے کے متعلق) جو حکم شرعی پوچھا گیا ہے اسکا جواب بکر وخالد کے مقام سکونت کی تفصیل معلوم ہونے پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ مسجد وقف ہے یا نہیں اور شئے موقوفہ کب تک وقف رہتی ہے۔ زید ایک کہنہ مسجد کو منہدم کرکے اس کی جگہ ایک جدید مسجد اس طرح تعمیر کیا کہ قدیم مسجد کی زمین سے ایک صف کی زمین جانب مشرق چھوڑدی گئی تاحال وہ زمین افتادہ ہوکر

اس میں مصلی نماز نہیں پڑھتے بلکہ جوتے چھوڑتے ہیں بس یہ زمین مسجد میں داخل ہے یا نہیں اور اس میں جوتے اتارنا جانور کھڑے کرنا یا مکان مسکونہ بنانا درست ہے یا نہیں مسجد کی طرح محترمات میں اس کا بھی ادب لازمی ہے یا نہیں در صورت لزوم اس کی بے حرمتی کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے۔

ف ۱) بعض احادیث سے جوتہ پہنکر نماز پڑھنا ثابت ہوا ہے اگر اس پر قیاس کرے کوئی شخص جوتہ پہنکر مسجد میں آے اور ہمیشہ جوتہ چھوڑے تو جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی بانی مسجد بنانے کے بعد لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدے اور اس میں نمازی جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں تو وہ مسجد وقف ہو جاتی ہے اور مالک کی ملک میں نہیں رہتی درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۳) صفحہ (۳۸۰) کتاب الوقف میں ہے ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عند الثانی وشرط محمد والامام الصلاة فیه بجماعة چنانچہ امام اعظم رح اور امام ابو یوسف رح کے پاس مسجد ویران ومنہدم ہو جانے کے بعد بھی تا قیام قیامت مسجد ہی باقی رہتی ہے مالک کی ملک میں واپس نہیں ہوتی درمختار میں اسی جگہ صفحہ (۳۸۲) میں ہے ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعة ردمختار میں ہے (قوله ولو خرب ماحوله) ای ولو مع بقائه عامرا و

کذا الوجوب ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عن بناء مسجد آخر مسجد کے اوپر آسمان تک اور نیچے تحت ثری تک چونکہ مسجد ہی کا حکم ہے اس لئے مسجد کے اندر اور اوپر بول و براز و وطی وغیرہ مسجد کو نجس کرنے والے افعال جو مسجد کی شان و عظمت کے خلاف ہیں شرعاً مکروہ تحریمی ہیں درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد ۱ صفحہ (۴۶۰) کتاب الصلوٰۃ میں ہے وکرہ تحریما الوطء فوقه والبول والتغوط لانه مسجد الی عنان السماء ۔ ردمحتار میں ہے وکذا الی تحت الثری (واتخاذه طریقا بغیر عذر) وصرح فی القنیة لفسقه باعتیاده (وادخال نجاسة فیه وعلیه) بنا برین صورت مسئولہ میں جو زمین کہ مسجد قدیم سے جدید تعمیر کے وقت چھوڑ دی گئی ہے وہ تا قیام قیامت مسجد ہے مصلیوں کو چاہیئے کہ اس پر گچ کا چبوترہ بنا کر مسجد کی طرح اس کی حرمت و توقیر کریں۔ جوتہ اگر نیا ہو اور زمین پر اس کا استعمال نہ کیا گیا ہو تو چونکہ چمڑا دباغت کے بعد پاک ہو جاتا ہے اس لئے اس کو پہنکر نماز پڑھنی درست ہے مگر زمین پر چلنے کے بعد اختلاط نجاست کی وجہ سے اس کی طہارۃ زائل ہو جاتی ہے پس جو مسلمان کہ ایسے قبیح اور مسجد کو نجس کرنے والی افعال کے ارتکاب کی عادت کر لیتے ہیں ان کے لئے شرع میں فسق و فجور کا حکم لگایا گیا ہے جیسا کہ عبارت سابقہ (وصرح فی القنیة لفسقه باعتیاده) سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ موسم گرما میں نماز ظہر کا ابراد یعنی ظہر کو موسم گرما میں ٹھنڈے وقت میں پڑھنا یہ حکم تاحال قائم ہے یا منسوخ ہوگیا ہے اگر منسوخ ہوگیا ہے تو کس حدیث سے بیان فرمایا جائے زید کا بیان ہے کہ جتنے اکابر محدثین و فقہا مثل امام احمد و امام بخاری و امام ترمذی و امام طحاوی و ابن ماجہ وغیرہ نے ابراد ظہر کے متعلق لکھا ہے یہ مفتری علی الرسول ہیں ان کا بیان ٹھیک نہیں انہوں نے اس مسئلے میں رگ گایا ہے پس زید کا یہ بیان صحیح ہے یا غلط۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اِبراد بالظہر تاحال قائم بلکہ مستحب ہے اور اس کے ساتھ نماز فجر کو صبح روشن میں پڑھنا وظہر کو موسم سرما میں اوّل وقت پڑھنا اور عصر میں ہمیشہ اتنی تاخیر کرنا کہ آفتاب میں زردی نہ آئے اور مغرب کو ہمیشہ جلدی پڑھنا اور عشاء کو رات کا تہائی حصہ گذرنے کے بعد پڑھنا یہ سب مستحب بتایا گیا ہے اور تمام مقلدین احناف کے پاس اس پر برابر عمل جاری ہے قدوری مجتبائی کے صفحہ (۱۳) باب مواقیت الصلوٰۃ میں ہے ویستحب الاسفار بالفجر والابراد بالظھر فی الصیف وتقدیمھا فی الشتاء وتاخیر العصر مالم یتغیر الشمس وتعجیل المغرب وتاخیر العشاء الی ما قبل ثلث اللیل اس استحباب کا ماخذ احادیث صحاح ہیں جو کتب صحاح میں موجود ہیں زید نے اس مسئلہ فقہیہ کے متعلق ائمہ مجتہدین و

فقہا و محدثین پر جو طعن کی ہے بالکل غلط اور لغو ہے جن اکابر و فضلاء کے احادیث و مسائل استنباطی پر مسلمانان عالم اور خصوصاً علماے کرام کا تا حال بلاخلاف اتفاق و عمل ہے اور جن کا امۃ مرحومہ میں متدین اور نیک نیت ہونا ان کے وفات سے ابتک حد تواتر کو پہنچ گیا ہے اور جن کے اقوال کی صحت ہر زمانے میں پایۂ ثبوت کو پہنچائی گئی ہے اور جو کہ حدیث شریف علیکم بالسواد الاعظم کے لحاظ سے تاقیام قیامت سواد اعظم یعنے جماعت حقہ کے پیشوا و مقتدا ہیں ان کی شان میں ایسی بیہودہ باتیں کہنا علانیہ زید کے بدمذہب ہونے کی دلیل ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے اشخاص کی باتوں پر ہرگز اعتبار نہ کریں اور جس بات میں شبہ پیدا ہو اسکو اپنے علماء سے صاف کرلیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ و الیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ ایک قدیم جامع مسجد ہے جس کے لئے شاہان سلف کے زمانے سے بعطاے اسناد و احکام مصرحہ پیش امام خطیب موذن فرّاش جاروب کش وغیرہ مقرر ہیں اور معاش مشروط الخدمۃ اُسی زمانے سے اب تک ان کے لئے جاری ہے معاش کی وجہ سے ہر ایک اپنی خدمت کو ادا کرتا ہے اور بانگ و صلوٰۃ و نماز جمعہ وغیرہ ہوتی رہتی ہے اس زمانے میں ایک نئی مسجد جامع مسجد سے پاؤ میل کے فاصلے پر بنام محبوب شاہی منجانب سرکار تیار کی گئی ہے حکام سرکار کا یہ ارادہ ہے

کہ جامع مسجد کے خدمتیوں اور معاش کو جدید مسجد کے لئے منتقل کریں اور جامع مسجد بلا
معاش و خدمتی چھوڑ دی جاوے جس میں ملا سیہ جامع مسجد کی ویرانی ہے حالانکہ جامع
مسجد آبادی میں واقع اور نئی مسجد آبادی سے باہر ہے پس حکام سرکار کا یہ فعل
شرعاً درست ہے یا نہیں۔

الجواب

واقف جن اغراض کے لئے وقف کرتا ہے اس کے اغراض کی تکمیل شریعت
میں واجب ہے اور جو شرط واقف شئے موقوفہ کے لئے مقرر کرتا ہے اس کا حکم
اتباع میں نص شارع کی طرح ہے یعنے جیسے نصوص شارع واجب العمل ہیں
اسی طرح واقف کی شرط بھی واجب العمل ہے ردمحتار جلد (۳) صفحہ (۴۳۶)
کتاب الوقف میں ہے انھم صرحوا بان مراعاۃ عرض الواقفین واجبۃ
اور صفحہ (۴۶۷) میں ہے شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعہ
بنابرین شاہان سلف نے جامع مسجد کے لئے جن اوقاف کو مقرر کیا ہے اور
جو معاش اس کی خدمت کے لئے مشروط گردانا ہے اس کو نئی مسجد کی طرف منتقل
کرنا درست نہیں بلکہ آیۃ کریمہ (ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان
یذکر فیھا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا اولٓئک ماکان لھم ان
یدخلوھا الا خائفین لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب
عظیم) سے ظاہر ہے کہ مساجد کے ویرانی کی کوشش کرنا باعث عذاب عظیم
ہے تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی کے صفحہ (۳۳) میں آیۂ کریمہ کے ذیل میں لکھا
ہے والمقصود من ذکر الاٰیۃ انھا تدل علی ان ھدم المساجد

وسعٰی فی خرابہا ممنوع یعنی اس آیۂ کریمہ سے یہ مقصود ہے کہ مساجد کی ویرانی کی ہرگز فکر نہ کی جائے۔ پس صورت مسئولہ میں حکام کا جامع مسجد کی معاش وخدمتیوں کو نئی مسجد کی طرف منتقل کرنا خلاف شریعت وباعث عذاب آخرت ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ امام کسی رکعت میں تیسرے سجدے کا قصد کیا مقتدیوں نے اس کو روکا مگر وہ باز نہ آکر تیسرے سجدے کا ارتکاب کیا کیا ایسی صورت میں مقتدی اپنے امام کی اتباع کریں یا منتظر رہیں اگر اتباع کی جائے تو ایک رکن زائد کا عمداً ارتکاب لازم آتا ہے اگر انتظار کیا جائے تو اتباع چھوٹ جاتی ہے۔

الجواب

امام اگر دو سجدوں پر زائد سجدہ کرنے کا ارادہ کرے تو مقتدی پر اس کی اتباع واجب نہیں ہے ردمحتار جلد (۱) صفحہ (۳۳۰) واجبات صلوٰۃ میں ہے۔
وانہ لیس لہ ان یتابعہ فی البدعۃ والمنسوخ وما لاتعلق لہ بالصلوٰۃ فلا یتابعہ لو زاد سجدۃ الخ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ نماز جنازہ میں پہلی صف میں زیادہ ثواب ہے یا اخیر صف میں۔

الجواب

اخیر صف میں زیادہ ثواب ہے رد محتار جلد (۱) صفحہ (۴۰۱) باب الامامۃ میں ہے (قوله فی غیر جنازة) امّا فیها فاخرها اظهارًا للتواضع لانهم شفعاء فهو احرٰی بقبول شهادتهم ولان المطلوب فیه تعدد الصفوف فلو فضل الاول امتنعوا عن التأخر عند قلتهم رحمتی - واللّٰه اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب -

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ اسقاط صلوٰۃ شرعاً جائز ہے اگر جائز ہے تو اس کا بہتر طریقہ کیا ہوسکتا ہے -

الجواب

اسقاط جائز ہے اور اوس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ میت کے فائتہ نماز و روزے سے ہر ایک فرض نماز یا وتر یا روزے کے بدلے نصف صاع گیہوں جو صدقہ فطر کی مقدار ہے فقراء پر صدقہ کیا جائے میت اگر مالدار نہیں ہے تو اس کے وارث کو چاہیئے کہ نصف صاع گیہوں ایک نماز یا ایک روزے کے معاوضے میں فقیر کو دے پھر فقیر اس گیہوں کو وارث کو واپس دیدے اور یہ وارث اس گیہوں کو دوسری نماز کے معاوضے میں فقیر کو دے پھر اسی طرح تمام نماز و روزے ختم ہونے تک ہر ایک کے لئے اس گیہوں کو فقیر کو دینا اور اوس سے واپس لینا چاہیئے - اگر نصف صاع کے حساب سے کئی نمازوں کے گیہوں ایک دم دیکر واپس لی جائے تو بہت جلد تکمیل ہو جائے گی میت کے نادار ہونے کی

حالت میں اگر اس کا کوئی وارث اپنی طرف سے گیہوں خرید کر اسقاط کرائے تو جائز ہے اور نصف صاع گیہوں کے بدلے اس کی قیمت دینا افضل ہے کیونکہ قیمت سے فقیر کی کئی حاجتیں پوری ہوتی ہیں در مختار مطبوعہ برحاشیہ رد محتار مصری جلد (۱) صفحہ (۵۱۴) کتاب الصلوۃ میں ہے (ولو مات وعلیہ صلوۃ فائتۃ واوصی بالکفارۃ یعطی لکل صلوۃ نصف صاع من بر) کالفطرۃ (وکذا حکم الوتر) والصوم وانما یعطی (من ثلث مالہ) ولو لم یترک مالا یستقرض وارثہ نصف صاع ویدفعہ لفقیر ثم یدفعہ الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم رد محتار میں ہے (وقولہ نصف صاع من بر) ای او من دقیقۃ او سویقۃ او صاع تمر او زبیب او شعیر او قیمۃ وھی افضل عندنا لاسراعھا بسد حاجۃ الفقیر (قولہ ولم یترک مالا الخ) ای اصلا او کان ما اوصی بہ لا یفی زاد فی الامداد او لم یوص بشئ واراد الولی التبرع الخ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ عیدین وجمعہ میں نماز وخطبہ ایک ہی شخص پڑھے یا خطبہ ایک شخص اور نماز دوسرا عیدین میں اقامۃ واذان کہی جاسکے یا نہیں۔

الجواب

جمعہ وعیدین میں ایک شخص کا نماز پڑھانا اور دوسرے کا خطبہ پڑھنا

بہتر نہیں ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار مصری جلد (۱) صفحہ (۵۷۶) باب الجمعہ میں ہے لاینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانہما کشیٔ واحد۔

ف عیدین میں اذان واقامت مسنون ومشروع نہیں ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۱) صفحہ (۲۶۹) باب الاذان میں ہے لایسن لغیرھا کعید ردمختار میں ہے ای وتر وجنازۃ وتراویح وسنن رواتب الخ صفحہ (۵۸۶) میں ہے والاذان غیر مشروع فی العید۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ نماز میں شہادت کی انگلی اُٹھانا جائز ہے یا نہیں اگر ہے تو کس حدیث اور کس فقہی روایت سے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شرح وقایہ جلد اول کے باب صفۃ الصلوٰۃ میں شہادت کی انگلی اُٹھانا ثابت ہے چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے فان عندہ یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطی والابہام ویشیر بالسبابۃ عند التلفظ بالشہادتین ومثل ھذا جاء عن علمائنا ایضا او اُٹھانے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ کلمۂ طیبہ لاالٰہ اللہ کے لاپر اُٹھاوے اور الا اللہ پر رکھے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۱) صفحہ (۳۵۷) باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے وفی الشرنبلالیۃ عن البرھان الصحیح انہ یشیر بمسبحتہ وحدھا یرفعھا عند النفی ویضعھا عند الاثبات

موطا امام محمد رح باب عبث بالحصی فی الصلوٰۃ میں ہے قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس فی الصلوۃ وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض اصابعہ کلھا واشار باصبعہ التی تلی الابہام ووضع کفہ الیسری علی فخذہ الیسری۔ قال محمد رح وبصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نأخذ وھو قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ خاص قصبہ ہنگولی میں مسلمانوں کی ایک خاص تعداد ہے لیکن اس قصبے میں تین جگہ عید کی نماز ہوتی ہے۔ کیا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

شریعت میں چونکہ خطبہ کے سوا جملہ شروط جمعہ وعید کے متحد ہیں اس لئے نماز عید کی صحت کے لئے مصر اور سلطان یا نائب سلطان مشروط ہے عالمگیری کے باب عیدین میں ہے ویشترط للعید ما یشترط للجمعۃ الا الخطبۃ کذا فی الخلاصہ درمختار کے باب الجمعہ میں مصر کی مفتی بہ یہ تعریف ہے المصر وھو ما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا وعلیہ فتوی اکثر الفقھاء مجتبی لظھور التوانی فی الاحکام یعنی مصر ایسی آبادی کا نام ہے کہ وہاں مسلمان جن پر نماز جمعہ فرض ہے اس قدر ہوں کہ

اس مقام کی بڑی مسجد میں ان کے ایک دم جمع ہونے کی گنجائش نہ ہو پس قصبۂ سنگولی میں اگر مسلمانوں کی ایسے تعداد ہے اور وہاں نائب سلطان یعنی امیر یا قاضی یا خطیب سرکاری بھی ہے تو اس کا حکم مصر یعنی شہر کا ہے جہاں نائب سلطان کی اجازت سے متعدد مقام میں نماز عید کی ادائی درست ہے درمختار مطبوعہ بر حاشیہ ردالمحتار جلد (۱) صفحہ (۵۸۶) کے باب العیدین میں ہے وتؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقاً عالمگیری کے باب الجمعہ میں ہے ومنہا السلطان عادلاً کان او جائراً کذا فی التتارخانیہ ناقلاً عن النصاب او من امرہ السلطان وھو الامیر او القاضی او الخطیب کذا فی العینی شرح ہدایہ حتی لایجوز اقامتہا بغیر امر السلطان وامر نائبہ کذا فی محیط السرخسی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ شرعاً فنائے شہر کی کیا تعریف ہے اور شہر سے کتنی دور تک اس کی حد ہے فنا اور عید گاہ شہر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں۔

الجواب

فنائے شہر شہر کے اطراف کی زمین کا نام ہے جس میں شہر کے ضروریات یعنی دفن اموات گھوڑ دوڑ و نشانہ اندازی وغیرہ کی تکمیل ہوا کرتی ہے اگرچہ کتب فتاویٰ میں اس کی مقدار تین فرسخ تک بتائی گئی ہے مگر صاحب ردالمحتار نے اس کے متعلق یہ تصفیہ کیا ہے کہ اس کی مقدار معین کرنا ٹھیک نہیں بلکہ ہر ایک شہر کی

وسعت و آبادی کے لحاظ سے اس کے بیرون میں جس قدر زمین ایسے ضروریات کے لیئے رکھی گئی ہے وہ سب اس شہر کی فنا ہے چنانچہ ردالمختار کے باب الجمعہ میں تحت قول و المختار للفتوی مکتوب ہے۔ فالقول بالتحدید بمسافة یخالف التعریف المتفق علی ماصدق علیہ بانہ المعد لمصالح المصر فقد نص الائمة علی ان الفناء ما اعد لدفن الموتی وحوائج المصر کرکض الخیل والدواب وجمع العساکر والخروج للرمی وغیر ذلک وای موضع یحد بمسافة یسع عساکر مصر ویصلح میدانا للخیل والفرسان ورمی النبل والبندق البارود واختبار المدافع وهذا یزید علی فراسخ فظهران التحدید بحسب الامصار فاتحہ کا حکم شہر ہی کا ہے اور عیدگاہ چونکہ فنائے شہر میں ہوتی ہے اس لیے اس کا حکم بھی شہر کا سا ہے ملاکبیں کے شرائط جمعہ میں ہے (او مصلاہ) عطف علی قولہ المصر ای یؤدی الجمعة به مطلقا سواء کان بینهما مزارع اولا لانه یکون فی فنائه وفناءه ملحق به۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص رمضان شریف میں عشاء کی جماعت میں شریک نہیں تھا اور اس نے اس جماعت کے امام کی اقتداء نہیں کی تو کیا ایسا شخص بعد تراویح وتر کی جماعت میں اس امام کی اقتداء کر سکتا ہے یا نہیں

الجواب

جو شخص امام کے ساتھ فرض نہ ادا کرے اس کو وتر علیحدہ پڑھنا چاہیئے ردمختار کے جلد (۱) کتاب الصلاۃ مطلب فی کراہۃ الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی میں ہے اذا لم یصلی الفرض معہ لایتبعہ فی الوتر۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر مقتدی اپنے امام کو لقمہ دے اور امام اوس کو نہ لے تو مقتدی کی نماز تمام ہوئی یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں مقتدی کی نماز درست و کامل ہے فتاوے عالمگیریہ جلد (۱) ص (۹۹) میں ہے وان فتح علی امامہ لم تفسد اور اسی جگہ ہے والصحیح انہا لاتفسد صلوٰۃ الفاتح بکل حال ولا صلوٰۃ الامام لو اخذ منہ علی الصحیح کذا فی الکافی واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز وتر سوائے

دو رکعت مستحب اور تہجد کے دیگر نوافل و نیز شب قدر و شب برات و شب معراج میں دوگانے ادا کر سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب

اوقات مکروہہ کے سوا سے ہر وقت چاہے دن ہو یا رات نفل پڑھنے کی اجازت ہے عالمگیریہ کے کتاب الصلوٰۃ باب النوافل میں ہے التطوع المطلق یستحب اداءہ فی کل وقت کذا فی محیط السرخسی شب قدر و شب برات و عیدین کی راتوں میں تمام رات یا رات کا اکثر حصہ نوافل پڑھنا یا کور اور عبادت کرنا مستحب ہے درمختار کے کتاب الصلوٰۃ باب الوتر والنوافل میں ہے۔ ومن المندوبات احیاء لیلۃ العیدین والنصف من شعبان والعشر الاخیر من رمضان والاول من ذی الحجۃ ویکون بکل عبادۃ تعم اللیل او اکثرہ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نماز تراویح میں ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص کے شروع میں بسم اللہ جہر سے ایکبار پڑھا کیا زید کے اس فعل سے نماز باطل ہوئی اور یہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

بسم اللہ قرآن شریف کی ایک مستقل آیۃ ہے تراویح میں تمام قرآن کے ساتھ اس کو ایک دفعہ کسی سورۃ کی ابتدار میں جہر سے پڑھنا ضروری ہے عالمگیریہ کے کتاب الصلوٰۃ فصل سنن صلاۃ میں ہے

وھی من القرأۃ اٰیۃ انزلت للفصل بین السور کذا فی الظھریۃ
اور در مختار کے سنن صلوٰۃ میں ہے (وھی اٰیۃ) واحدۃ من
القراٰن کلہ (انزلت للفصل بین السور) فما فی النمل بعض اٰیۃ
اجماعاً۔ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم مجموعہ فتاوے یوسفی کی تیسری
جلد کے ص۵۸ میں لکھتے ہیں بسم اللہ آیتی است از قرآن مکرر کردہ شد
سر ہر سورہ برائے فصل پس ہنگام ختم قرآن و تراویح یکمرتبہ بسم اللہ خواندن
ضرور است بر سر ہر سورہ کہ خواہد بخواند اگر ترک کردہ شد در ختم قرآن است
در تنویر المنارمی آرد حنفیہ برآنند کہ بسم اللہ آیۃ واحدۃ است مکرر شدہ برائے
فصل میان سور پس قرآن عبارت است از یکصد و چہاردہ سور و
یک آیتہ پس در ختم قرآن یکبار بسم اللہ خواندن ضروری است بر سر ہر سورہ
کہ خواہد۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مقتدی اپنے امام کو فرض نماز
میں لقمہ دیسکتا ہے یا نہیں اگر دیسکتا ہے تو مایجوزبہ الصلوٰۃ میں یا اس سے
زائد میں بھی اگر مقتدی لقمہ دے اور امام نہ لے تو ان تمام صورتوں
میں مقتدی یا امام کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔

الجواب

مقتدی اپنے امام کو فرض، نفل ہر قسم کی جہری نمازمیں لقمہ دیسکتاہے لقمہ چاہے

مقدار ما یجوز بہ الصلوۃ میں دے یا زائد میں بہرحال مقتدی کے پیچھے امام کو لقمہ دینے سے مقتدی اور امام سے کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی عالمگیریہ کے باب فیما یفسد الصلوۃ میں ہے وان فتح علی امامہ لم تفسد ثم قیل ینوی الفاتح بالفتح علی امامہ التلاوۃ والصحیح ان ینوی الفتح علی امامہ دون القراءۃ قالوا ھذا اذا ارتج علیہ قبل ان یقرأ قدر ما یجوز بہ الصلوۃ او بعد ما قرأ ولم یتحول الی آیۃ اخریٰ واما اذا قرأ او تحول ففتح علیہ تفسد صلوۃ الفاتح والصحیح انھا لا تفسد صلوۃ الفاتح بکل حال ولا صلوۃ الامام لو اخذ منہ علی الصحیح کذا فی الکافی مگر مقتدی کو چاہیئے کہ لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے ممکن ہے کہ امام کو اسی وقت بھولا ہوا لفظ یاد آجاے اور قرأۃ امام کے پیچھے بے ضرورت واقع ہو۔ عالمگیریہ میں اسی جگہ ہے ویکرہ للمقتدی ان یفتح علی امامہ من ساعۃ لجواز ان یتذکر من ساعۃ فیصیر قارئا خلف الامام من غیر حاجۃ کذا فی محیط السرخسی۔ واللہ اعلم بالصواب الیہ المرجع والمآب

کتاب الجنائز

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا انتقال ہوا اور اوس کے پاس اس قدر مال موجود ہے کہ مصارف تجہیز و تکفین و فاتحہ دہم و چہلم پورے ہوسکیں۔ آیا یہ مصارف اس مال سے ادا کئے جائیں یا اس کے زوج کے ذمہ ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

زوجہ مالدار کیوں نہو اوس کے تجہیز و تکفین کے مصارف زوج کے ذمّہ واجب ہیں اور یہ قاعدہ کلیہ بتایا گیا ہے کہ زندگی میں جس پر نفقہ واجب ہے مرنے کے بعد بھی اوسی پر تجہیز و تکفین واجب ہے درمختار برد المختار جلد (۱) صفحہ ۶۰۶ میں ہے واختلف فی الزوج والفتویٰ علی وجوب کفنھا وان ترکت مالاً۔ اور ردمختار کے اوسی صفحہ میں ہے والاصل فیہ ان من یجبر علی نفقتہ فی حیاتہ یجبر علیھا بعد موتہ فاتحہ دہم و چہلم چونکہ ایصال ثواب میں داخل ہے اس لئے زوجہ کے مال سے کئے جائیں زوج کو اس سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ شرعاً

مصارف تجہیز وتکفین کے سوا دیگر زوائدات زوج پر واجب نہیں ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میت کو مقام موت سے دوسرے مقام میں لیجاکر دفن کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

میّت کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف اٹھا لیجانا اگرچہ فعل انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہے چنانچہ یعقوب علیہ السلام کا انتقال مصر میں ہوا تھا شام کے طرف آپ کا جنازہ نقل کیا گیا اور موسےٰ علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے تابوت کو ایک عرصۂ دراز کے بعد مصر سے شام کی طرف اُن کے آباؤ اجداد کے ساتھ رکھنے کے لئے نقل کیا مگر علماء احناف کا قوی قول یہ ہے کہ اگر جنازہ مقام موت سے ایک میل یا دو میل کے فاصلہ پر لیجاکر دفن کیا جاے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے اور اگر اس سے زیادہ فاصلہ پر لیجائیں تو یہ مکروہ ہے یعقوب اور یوسف علیہما السلام کے جنازہ کا مصر سے شام تک منقول ہونا یہ ہمارے لئے دلیل نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ پچھلی شریعت کے احکام ہیں جو ہمارے لیے واجب العمل نہیں علاوہ بریں یعقوب اور یوسف علیہما السلام دونوں ایسے ہی تھے جنکے جسم نہایت لطیف اور فساد سے عاری تھے اور ہمارے اجسام تو موت کے ساتھ ہی

...جب ... نے لگتے تھے اس لئے مقام موت ہی پر جہاں تک جلد ہو سکے دفن کرنا
بہتر ہے۔ شرح المنیہ جلد (۱) ص ۳۶۳ میں ہے اما نقل الدفن و ... ، بما المکث
الی ما فوق المیلین فیکرہ ظہیریۃ وما فی التجنیس لا النقل من بلد الی
بلد لان یعقوب علیہ السلام مات بمصر فنقل الی الشام و موسی
علیہ السلام نقل تابوت یوسف علیہ السلام بعد ما اتی علیہ زمان
من مصر الی الشام لیکون مع آبائہ ردہ الکمال بانہ شرع من قبلنا
علی ان غیر الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام لا یقاس علیہم لانہم
الطیب احیاء فی الموت کالحیوۃ لا یعتریہم تغیر۔ ردالمحتار جلد (۱) ص ۶۲۸
میں ہے (قولہ ولا بأس بنقلہ قبل دفنہ) قیل مطلقاً وقیل الی
ما دون مدۃ السفر وقیدہ محمد بقدر میل او میلین لان مقابر البلد
ربما بلغت ھذہ المسافۃ فیکرہ فیما زاد قال فی النہر عن عقد
الفرائد وھو الظاہر واما نقلہ بعد دفنہ فلا مطلقاً
قال فی الفتح واتفقت کلمۃ المشائخ فی امرأۃ دفن ابنہا وھی
غائبۃ فی غیر بلدہا فلم تصبر وارادت نقلہ علی انہ
لا یسعہا ذلک فتجویز شواذ بعض المتأخرین لا یلتفت
الیہ واما نقل یعقوب ویوسف علیہما السلام
من مصر الی الشام لیکونا مع آبائہما الکرام
فہو شرع من قبلنا ولم یتوفر فیہ شروط کونہ شرعاً

لنا اسی صفحہ میں در مختار میں ہے ویبداء دفنه فی جهة موته
وتحیله اور رد محتار میں ہے ای فی مقابر اهل المکان الذی
مات فیه او قتل واللّٰه اعلم بالصواب۔ والیه المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ کہنہ قبر کو کسی کے دفن کے واسطے قصداً کھولنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

قبر اگر اس قدر پرانی ہے کہ اوس کے مردے کی ہڈیاں گلکر مٹی ہوجانیکا یقین ہے تو اس حالت میں اوس قبر کو کھول کر نیا مردہ اوسی میں دفن کرسکتے ہیں اگر کھولنے کے بعد اوس میں ہڈیاں نکل آئیں تو چاہیے کہ اون کو ایک جگہ جمع کرکے نئے مردے اور اون ہڈیوں کے درمیان مٹی کی روک بنا دی جائے
رد المحتار مصری جلد (۱) صفحہ (۶۲۴) باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے قال
فی الفتح ولا یحفر قبر لدفن آخر الا ان بلی الاول فلم یبق
له عظم الا ان یوجد فتضم عظام الاول ویجعل بینهما حاجز
من تراب عالمگیری مصری جلد (۱) صفحہ (۱۶۷) باب الجنائز میں ہے
ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه
کذا فی التبیین در مختار مطبوعہ برحاشیہ رد محتار جلد (۱) صفحہ
(۶۲۸) باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے کما جاز زرعه والبناء علیه

اذا بلی وصار ترابا زیلعی رد محتار میں ہے (قولہ کما جاز

زرعہ) ای القبر ولو غیر مغصوب وکذا یجوز دفن غیرہ

علیہ کما فی الزیلعی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی اگر تحریمی ہے تو اس کی علت کیا ہے اور تنزیہی ہو تو اس کی کیا علت ہے ان دونوں میں ترجیح کس کو ہے اور کن بزرگان دین کی نماز جنازہ مسجد میں ادا ہوئی۔

الجواب

نماز جنازہ مسجد میں ادا کرنے کو بعض فقہاء نے مکروہ تحریمی لکھا ہے اور بعض نے تنزیہی کراہت کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مسجد نماز و ذکر الٰہی و تدریس علوم دینیہ کے لئے بنائی گئی ہے اس کے سوا اس میں دوسرے کام ٹھیک نہیں علاوہ بریں جنازے کے مسجد میں لانے سے تلویث مسجد یعنی مسجد کے نجس ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے والے کو ثواب نہیں ملتا بلکہ بعض روایات میں تو یہ ہے کہ اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ ہدایہ مصطفائی کے فصل فی صلوٰۃ علی المیت میں ہے ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی جنازۃ فلا اجر لہ ولانہ بنی لاداء

المکتوبات ولانہ یحتمل تلویث المسجد درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۱) صفحہ (۶۱۹) میں ہے (وکرهت تحریما وقیل تنزیها فی مسجد جماعة هو فیه واختلف فی الخارجة والمختار الکراهة) مطلقا خلاصه بناء علی ان المسجد انما بنی للمکتوبة وتوابعها کنافلة وذکر وتدریس علم وهو الموافق لاطلاق حدیث ابی داؤد من صلی علی میت فی المسجد فلا صلاة له مگر صاحب فتح القدیر نے اپنی رائے میں کراہتہ تنزیہی کو ترجیح دی ہے فتح القدیر جلد (۲) صفحہ (۹۰) میں ہے ثم هی کراهة تحریم او تنزیه روایتان ویظهر لی ان الاولی کونها تنزیهیة اذ الحدیث لیس هو نهیا غیر مصروف ولا قرن الفعل بوعید ظنی بل سلب الاجر وسلب الاجر لایستلزم ثبوت استحقاق العقاب لجواز الاباحة اور حدیث (لاصلوۃ له) عدم کمال پہ محمول کی گئی ہے چنانچہ ردالمحتار جلد (۱) صفحہ (۶۲۰) میں ہے وکذا یقال فی روایة فلا صلاة له لانه علم قطعا انها صحیحة فهی مثل لاصلوة لجار المسجد الا فی المسجد بل تاویل هذه الروایة اقرب ای لاصلوۃ کاملة بلاکسی عذر کے مسجد میں نماز پڑھانے کے متعلق یہ کراہت ہے اور اگر بارش یا کثرت ناس وغیرہ اعذار کی وجہ سے نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی جاوے تو بلاکراہت جائز ہے عالمگیریہ مصری جلد (۱) صفحہ (۱۶۵) کتاب الجنائز میں ہے ولاتکرہ بعذر المطر ونحوہ

کذا فی الکافی رد محتار جلد (۱) صفحہ (۶۲) میں ہے انما تکرہ فی المسجد بلا عذر فان کان فلا۔

ف اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیضاء کے دونوں لڑکے سہیل اور ان کے بھائی پر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا اور احادیث میں مروی ہے مگر اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے اس لئے مسجد ہی میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ بعض روایات میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے جنازوں پر بھی مسجد میں نماز پڑھنا بیان کیا گیا ہے مگر صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں کہ ان روایات سے صراحۃً ان دونوں کے جنازوں کا مسجد میں داخل کیا جانا ثابت نہیں ممکن ہے کہ جنازہ خارج مسجد ہو اور لوگ مسجد میں ہوں فتح القدیر جلد (۲) صفحہ (۹۱) میں ہے وما فی مسلم لما توفی سعد بن ابی وقاص قالت عائشۃ ادخلوا بہ المسجد حتی اصلی علیہ فانکروا ذلک علیہا فقالت واللہ لقد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ابنی بیضاء فی المسجد سہیل واخیہ قلنا اولاً واقعۃ حال لاعموم لہا فیجوز کون ذلک لضرورۃ کونہ کان معتکفاً اور اسی صفحہ میں والمروی من صلاتہم علی ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما فی المسجد لیس صریحاً فی انہما ادخلا واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ مسلمانوں کے قبور اگر مسلمان کھود کر ہڈیاں نکالیں اور قبور کے نشانات اور چبوترے منہدم کریں تو شرعاً ان کے حق میں قاضی کو کیا حکم دینا چاہیئے۔

الجواب

کہنہ قبر جس میں کہ مُردہ گل کر مٹی ہو گیا ہے اگر مالکِ زمین اس کو توڑ کر زمین کے برابر کر دے اور اوس پر زراعت یا مکان تعمیر کرے تو شرعاً درست ہے درمختار کے باب الجنائز میں ہے حاز زرعه والبناء علیه اذا بلی وصار ترابا اسی طرح جبکہ زمین مغصوبہ میں مردہ دفن کیا جائے تو مالک زمین کو یہ حق ہے کہ اس کو اپنی زمین سے نکلوا دے یا قبر توڑ کر زمین اپنے کام میں لائے عالمگیریہ جلد (۱) فصل السادس میں ہے اذا دفن المیت فی ارض غیرہ بغیر اذن مالکها فالمالك بالخیار ان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوی الارض وزرع فیها کذا فی التجنیس ان دو صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا بلا وجہ شرعی مسلمان کی قبر کو توڑنا اور اس کے ہڈیاں نکالنا درست نہیں کیونکہ شریعت میں جس طرح مسلمان حین حیات قابل تعظیم و تکریم ہے مرنے کے بعد بھی اس کی وہی عظمت ہے فتح القدیر کے جلد (۱) فصل فی الدفن میں ہے الا

علی ان حرمۃ المسلم میتا کحرمتہ حیاً پس جو مسلمان کہ بلا وجہ شرعی اس فعل قبیح و منکر کا مرتکب ہو وہ مستحق تعزیر و تادیب ہے درمختار کے کتاب الحدود و باب التعزیر میں ہے وعزر کل مرتکب منکر او مؤذی مسلم بغیر حق بقول او فعل تعزیر شریعت میں مندرجۂ ذیل طریقوں سے دی جاتی ہے کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ انچالیس کوڑے مارنا۔ یا قید کرنا یا گردنی دینا یا کان ملنا یا سخت و درشت باتیں سنانا یا قاضی کا اس کو ترش روی سے دیکھنا۔ جرمانہ لینا خلاف مذہب ہے پس ان طریقوں کے متعلق قاضی کو اختیار دیا گیا ہے کہ مجرم کی حالت و حیثیت کے مطابق اس پر تعزیر جاری کرے درمختار کے اسی باب میں ہے ھو تادیب دون الحد اکثرہ تسعۃ و ثلاثون سوطا و اقلہ ثلاثۃ ولا یفرق الضرب فیہ ویکون بہ و) بالحبس و(بالصفع علی العنق) و فرک الاذن وبالکلام العنیف و بنظر القاضی لہ بوجہ عبوس وشتم غیر القذف فلا یاخذ مال فی المذہب و) التعزیر (لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رای القاضی) وعلیہ مشائخنا زیلعی لان المقصود منہ الزجر واحوال الناس فیہ مختلفۃ بحر۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید کی زمین مملوکہ میں بلا اجازت

عمرو نے غصباً اپنے عزیز کی میت کو دفن کیا پس زمین منصوبہ میں مردہ رہ سکتا ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زید کو یہ حق ہے کہ مردے کو اپنی زمین سے نکلوا دے یا قبر کو زمین کے برابر کرکے زمین اپنے کام میں لائے عالمگیریہ جلد (۱) فصل السادس میں ہے اذا دفن المیت فی ارض غیرہ لغیر اذن مالکھا فالمالک بالخیار ان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوی الارض وزرع فیھا کذا فی التجنیس۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ کسبی عورتیں جو علانیہ کسب کرتی ہیں اور ان کے متعلقین ولواحقین جو خلاف ورزی احکام شرعی میں مبتلا ہیں کیا ان کی تجہیز وتکفین وصلوٰۃ وجنازہ مسلمانوں پر واجب ہے یا نہیں اور مسلمانوں کو ان کے ساتھ زندگی میں کیا برتاؤ رکھنا چاہیئے

الجواب

مرتکب گناہ کبیرہ شرعاً فاسق وفاجر ہے اہل سنتہ والجماعتہ کے پاس فسق وفجور سے انسان دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اس لئے

ہر فاسق و فاجر کا جبکہ ایمان پر خاتمہ ہوا اس کے جنازے کی نماز پڑھنا اور مسلمانوں کے طریقے پر اس کی تجہیز و تکفین کرنا مسلمانوں پر لازم ہے عقائد نسفی میں ہے۔ والکبیرة لاتخرج العبد المؤمن من الایمان ولاتدخله فی الکفر اسی کتاب میں ہے۔ ویصلی علی کل بر و فاجر شرح میں ہے اذا مات علی الایمان للاجماع ولقوله علیه السلام لا تدعوا الصلوة علی من مات من اهل القبلة زندگی کی حالت میں فاسق و فاجر کی گواہی شرعاً نامعتبر ہے اور قابل حد و قابل تعزیر گناہوں پر حد لگائے جانے اور تنبیہ کئے جانے کا مستحق ہے۔ قاضی کو چاہیئے کہ اس کو توبہ کرنے کا حکم دے شرح مقاصد جلد دوم بحث ثامن میں ہے وحکم الفاسق الحد فیمایجب فیه الحد والتعزیر فی غیره والامر بالتوبة ورد الشهادة وسلب الولایة علی اختلاف الفقهاء پس بہتر یہ ہے کہ مسلمان ایسے شخص سے احتراز کریں تاکہ ان کو ان کی صحبت کا اثر نہ ہو اور ان کو ان احتراز و اجتناب سے عبرت و نصیحت حاصل ہو۔ واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔
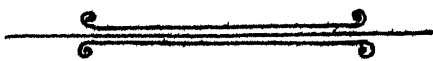
الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک شخص ہند میں رہتا ہے اور اس کا مال بھی ہند ہی میں ہے مگر اس نے ملک عرب میں ایک شخص کو وکیل کیا کہ اس مال کی زکوٰۃ عرب کے فقرا پر تقسیم کرے اور وکیل نے اس مال کی غیر جنس سے زکوٰۃ ادا کی یا اوسی مال کی جنس سے کیا یہ جائز ہے یا نہیں

الجواب

جس شہر میں مال زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ واجب ہوی ہے اسی شہر میں زکوٰۃ نکالنا چاہیئے۔ چونکہ وجوب زکوٰۃ کے ساتھ ہی اس شہر کے فقرا کا حق اس مال زکوٰۃ کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے اس لئے دوسرے شہر میں جہاں یہ مال نہیں ہے اس کی زکوٰۃ نکالنا اور وہاں کے فقرا پر تقسیم کرنا مکروہ ہے در مختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف میں ہے والمعتبر فقراء مکان المال وفی الوصیۃ مکان الموصی وفی الفطرۃ مکان المودی عند محمد رحمۃ اللہ علیہ وھو الاصح لان رؤسھم تبع

لرأسہ رد المحتار میں ہے قولہ والمعتبر الخ ای لامکان المزکی حتی لو کان ھو فی بلد وما لہ فی اخری یفرق فی موضع المال۔ اس کمال ای فی جمیع الروایات بحر وظاھرہ انہ لو فرق فی مکان نفسہ یکرہ کما فی مسئلۃ نقلھا اسی جگہ حاشیہ میں ہے قال شیخنا الطاھر اخراج زکاتہ لفقراء البلدۃ التی کان المال فیھا لان قولھم والمعتبر مکان المال ای مکان وقت الوجوب لا وقت الاخراج لانہ بالوجوب فی بلدۃ تعلق حق فقرائھا بزکاتہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر رہا ہے اگر وہ مال ربوی نہیں ہے تو اس کی زکوٰۃ غیر جنس سے ادا کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ واجبہ کی قیمت کے موافق مال دے یا اس کی قیمت ادا کرے عالمگیری مصری جلد (۱ صفحہ ۱۸۰) کتاب الزکوٰۃ الفصل الثانی فی العروض میں ہے المال الذی تجب فیہ الزکوٰۃ ان ادی زکاتہ من خلاف جنسہ ادی قدر قیمۃ الواجب اجماعًا وکذا اذا ادی زکاتہ من جنسہ وکان مما لا یجری فیہ الربا واما اذا ادی من جنسہ وکان ربویا فابو حنیفۃ وابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ یعتبران القدر لا القیمۃ ھکذا فی شرح الطحاوی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ اگر زید کا دین کسی غریب و مفلس شخص کے ذمہ ہو اور اوس سے رقم دین وصول ہونے کی کم امید ہو تو زید اگر ادائے زکوٰۃ کی نیت سے اس کو دین معاف کر دے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں۔

الجواب

نقد رقم کی زکوٰۃ میں رقم دین مدیون کو معاف کرنا درست نہیں البتہ یہ صورت جائز ہے کہ اس کو زکوٰۃ کی رقم دیدے اور پھر اس سے قرض میں واپس لے لے درمختار میں ہے واعلم ان اداء الدین عن الدین والعین عن العین وعن الدین یجوز واداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لا یجوز وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکاتہ ثم یأخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ رفعہ للقاضی ردالمحتار میں ہے (قولہ وحیلۃ الجواز) ای فیما اذا کان لہ دین علی معسر و اراد ان یجعلہ زکوٰۃ عن عین عندہ او عن دین لہ علی اخر سیقبض۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ اگر زید وقت واحد میں کل رقم زکوٰۃ ادا نہیں کرسکتا تو کیا یہ جائز ہے کہ بدفعات اسکو ادا کرے۔

الجواب

سال ختم ہوتے ہی فوراً زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے بلا عذر تاخیر سے انسان گنہ گار ہوتا ہے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۱۷۰) کتاب الزکوٰۃ میں ہے وتجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتأخیرہ من غیر عذر وفی روایۃ الرازی علی التراخی حتی یأثم عند الموت والاول اصح کذا فی التہذیب ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا یا تو دینے کے وقت زکوٰۃ کی نیت کرے یا مال میں سے رقم زکوٰۃ علیحدہ کرنے کے وقت ادائے زکوٰۃ کی نیت کرلے پھر فقیروں کو دیتا جائے۔ فقیروں کو چونکہ متفرق اوقات میں بدفعات دینا پڑتا ہے اور ہر وقت تمام مال میں سے زکوٰۃ کی نیت سے تھوڑی تھوڑی رقم نکال کر فقیر کو دیتے جانا مشقت وتکلیف کا باعث ہے اس لئے شارع نے علیحدہ کرنے کے وقت زکوٰۃ کی نیت کرلینے کو کافی اور ضروری قرار دیا ہے پھر اسکے بعد ہر وقت ضرورت بدفعات فقیروں کو بلا نیت کے بھی ادا کرے تو درست ہے اسی جگہ عالمگیریہ میں ہے واما شرط ادائھا فنیۃ مقارنۃ

للاداء او لعزل ما وجب هكذا فی الكنز تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق جلد (۱) صفحہ (۲۵۶) کتاب الزکوٰۃ میں ہے والحاصل فيه الاقتران بالاداء کسائر العبادات الا ان الدفع يتفرق فيحرج باستحضار النية عند كل دفع فاكتفى لوجودها حالة العزل دفعا للحرج بنا بریں صورت مسئولہ میں بدفعات ادائی زکوٰۃ اوس وقت درست ہے جبکہ ہمیشہ فقیر کو دینے کے وقت میں ادائے زکوٰۃ کی نیت کی جائے چونکہ سال ختم ہوتے ہی فوراً زکوٰۃ ادا کرنا لازمی ہے اس لئے چاہیئے کہ رقم نصاب سے فوراً مقدار زکوٰۃ علحدہ کرکے فقراء پر تقسیم کردی جائے اگر نصاب میں سونے چاندی کے زیورات یا ٹکڑے ہیں جن کا فروخت کرنا مقصود نہیں اور نہ اوس کو شکست کرکے فقراء پر بانٹ سکتے ہیں تو ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار رقم قرض لے کر فقراء پر زکوٰۃ فوراً تقسیم کردی جائے اور اپنی آمدنی سے اسکی ادائی کرلی جائے تاکہ تاخیر کے گناہ سے نجات ملے اور فوری وجوب ادا ذمہ سے ساقط ہوجائے بروقت ضرورت قرض لے کر رقم زکوٰۃ ادا کرنا اور بعد قرض کی ادائی کردینا شرعاً درست ہے۔ عالمگیریہ کتاب الزکوٰۃ صفحہ (۱۸۲) مسائل شتّٰی میں ہے ولو اخر زكاة المال حتى مرض يؤدى سرا من الورثة وان لم يكن عنده مال واراد ان يستقرض لاداء الزكاة فان كان فی اكبر رأيه انه اذا استقرض وادى الزكاة واجتهد لقضاء دينه يقدر على ذلك كان الافضل له ان يستقرض۔ والله اعلم بالصواب واليه

المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ زید وعمر وغیرہ مال زکوٰۃ فریضہ بغرض امداد مجروحین وایتام وارامل ترک کو روانہ کرنا چاہیں تو آیا ان کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں اور چرم قربانی اگر بہ نیّت زکوٰۃ دیں تو ان کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں۔

الجواب

شرع میں زکوٰۃ کا مصرف فقراو مساکین وغازی بے سامان وغیرہ بتاے گئے ہیں در مختار مطبوعہ بر حاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۶۰) باب مصرف زکوٰۃ میں ہے ھو فقیر وھو من لہ ادنی شئ ومسکین من لاشی لہ وعامل فیعطی بقدر عملہ ومکاتب ومدیون لا یملک نصابا فاضلا عن دینہ وفی سبیل اللہ

وھو منقطع الغزاۃ اور ردمحتار میں تحت قول وھو منقطع الغزاۃ مکتوب ہے ای الذین عجزوا عن اللحوق بجیش الاسلام لفقرھم بھلاک النفقۃ والدابۃ وغیرھا فتحل لھم الصدقات وان کانوا کاسبین اذ الکسب یقعدھم عن الجہاد قہستانی بنابریں مجاہدین ترک کے یتیم بچے اور بیوہ عورتیں جو کہ اپنے سرپرستوں کے شہید ہو جانے سے

فقیر و مسکین ہوگئے ہیں اور مجروح غازی جو بوجہ ناداری اپنے علاج سے
عاجز ہیں اور وہ غازی جو بے سروسامانی کے سبب جہاد سے قاصر ہیں یہ تمام
از روئے شرع زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

ف قربانی کے چمڑے اور گوشت دونوں کا شرع میں ایک ہی حکم ہے
اور گوشت کو اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو دے تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں
ہوتی ہدایہ جلد رابع مصطفائی کے صفحہ (۴۳۲) کتاب الاضحیہ میں ہے واللحم
بمنزلۃ الجلد فی الصحیح اسی طرح عالمگیری جلد (۵) کے صفحہ (۳۰۱)
میں ہے اور ردالمحتار جلد (۵) صفحہ ۲۱۶ میں ہے واذا دفع اللحم الی فقیر بنیۃ الزکوۃ لا یحسب
عنھا فی ظاھر الروایۃ اور عالمگیریہ جلد (۵) صفحہ (۳۰۸) کتاب
اضحیہ میں ہے تصدق بلحم الاضحیۃ علی الفقراء بنیۃ
الزکاۃ لا یجزئہ فی ظاھر الروایۃ بنا برین صورت
مسئولہ میں چرم قربانی اگر زکوٰۃ کی نیت سے فقراء کو دئے جائیں تو شرعاً
زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس
مسئلے میں کہ زمین سرکاری میں جو غلہ کہ بویا جاتا ہے اور اوس کی مالگزاری
بھی سرکار کو ادا کی جاتی ہے۔ ایسے غلّے میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔
حسب مذہب شافعی و حنفی اس کا جواب ادا فرمایا جائے۔

الجواب

مذہب شافعی میں خراج و اجرت ادا کرنے کے بعد بھی زمین مزروعہ کے غلے میں زکوٰۃ یعنی عشر واجب ہے حاشیہ عبد الحمید علی التحفہ صفحہ (۲۴۲) باب زکوٰۃ النبات میں ہے وعلی زراع ارض فیہا خراج واجرۃ الزکوٰۃ ولا یسقطہا وجوبہا لاختلاف الجہۃ الروض میں ہے وتجب ای الزکاۃ) وان کانت الارض مستاجرۃ او ذات خراج اور اس کی شرح میں ہے فتجب الزکاۃ مع الاجرۃ او الخراج۔ نہایہ میں ہے ولا فرق فی وجوب العشر او نصفہ بین الارض المستأجرۃ وذات الخراج وغیرہما لعموم الاخبار۔

ف مذہب حنفیہ میں سرکاری زمین میں جو کہ مزارعین کو دی جاتی ہے اور ان سے مالگزاری لی جاتی ہے زکوٰۃ یعنی عشر نہیں ہے رد المحتار جلد (۲) صفحہ (۵۷) کتاب الزکوٰۃ میں ہے فی التاتارخانیہ السلطان اذا دفع اراضی لا مالک لہا وہی التی تسمی الاراضی المملکۃ الی قوم لیعطوا الخراج جاز وطریق الجواز احد الشیئین اما اقامتہم مقام الملاک فی الزراعۃ واعطاء الخراج او الاجارۃ بقدر الخراج ویکون المأخوذ منہم خراجا فی حق الامام واجرۃ فی حقہم اھ ومن ہذا القبیل الاراضی المصریۃ والشامیۃ کما قدمنا

ویؤخذ من ھذا انہ لا عشر علی المزارعین فی بلاد نا اذا کانت اراضیھم غیر مملوکۃ لھم لان ما یاخذہ منھم نائب السلطان وھو المسمیٰ بالزعیم او التیماری ان کان عشرا فلا شئ علیھم غیرہ وان کان خراجا فکذلک لانہ لا یجتمع مع العشر وان کان اجرۃ فکذلک علی قول الامام من انہ لا عشر علی المستاجر واما علی قولھما فالظاھر انہ کذلک لما علمت من ان المأخوذ لیس اجرۃ من کل وجہ لانہ خراج فی حق الامام پس صورت مسئولہ میں سرکاری زمینوں کے غلّے میں بعد اداے مالگزاری مذہب شافعیہ میں زکوٰۃ واجب ہے اور مذہب حنفیہ میں واجب نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ اگر کسی کی رقم کسی پر قرض حسنہ ہو تو مالک پر زکوٰۃ اس رقم کی واجب الادا ہے یا نہیں۔

الجواب

رقم قرضہ اگر بمقدار نصاب زکوٰۃ ہے تو ایک سال گزر جانے کے بعد مالک پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے مگر اس کی ادائی اس وقت کرے جبکہ وہ وصول ہو جائے اگر بدفعات وصول ہوتی ہے تو جب اس مقدار پر وصول ہو گیا

جس کی زکوٰۃ میں درہم سے کم دینا پڑتا ہے تو یہ معاف ہے اور اگر ایک درہم
اس وصول شدہ رقم کی زکوٰۃ ہوتی ہے تو رقم کے وصول ہوتے ہی اس کا
ادا کرنا واجب ہے ایسا ہی جس قدر رقم وصول ہوتی جائے زکوٰۃ میں پورے
درہموں کی مقدار واجب الادا ہے اور از روئے حساب ایک درہم یا کئی
درہموں کی مقدار پر زکوٰۃ کی جو کسر آتی ہے وہ معاف یعنے واجب الادا نہیں
ہے۔ درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار مصری جلد (۲) صفحہ (۳۶) کتاب
الزکوٰۃ میں ہے (و) اعلم ان الدیون عند الامام ثلثۃ قوی
ومتوسط وضعیف (فتجب) زکاتھا اذا تم نصابا وحال الحول
لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درھما من الدین القوی
کقرض ومال تجارۃ فکلما قبض اربعین درھما یلزمه درھم
ردمحتار میں ہے (قوله عند قبض اربعین درھما) قال
فی المحیط لان الزکوٰۃ لا تجب فی الکسور من النصاب الثانی
عنده مالم یبلغ اربعین للحرج فکذلك لا یجب الاداء مالم
یبلغ اربعین للحرج۔ واللہ اعلم بالصواب والیه
المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زوج کے پاس اس کی
زوجۂ مرحومہ کے زیورات ہیں کیا اس کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔

الجواب

انسان کے مرجانے کے بعد اوس کا تمام مال متروکہ کہا جاتا ہے جس سے میت کی تجہیز و تکفین و قرض و وصیت کی ادائی کی جاتی ہے اور باقی بحیثیت میراث حسب فرائض ورثہ کی ملک میں آجاتا ہے عالمگیریہ جلد (۶) صفحہ (۴۴۷) کتاب الفرائض میں ہے الترکۃ تتعلق بھا حقوق اربعۃ جھاز المیت و دفنہ والدین والوصیۃ والمیراث اور میراث کی تعریف اسی صفحہ میں اس طرح کی گئی ہے والارث فی اللغۃ البقا وفی الشرع انتقال مال الغیر الی الغیر علی سبیل الخلافۃ کذا فی خزانۃ المفتیین۔ صورت مسئولہ میں زوجہ کی تجہیز و تکفین تو مالدار ہونے کی حالت میں بھی زوج ہی کے ذمہ ہے جیسا کہ درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۱) صفحہ (۶۰۶) باب الجنائز میں ہے واختلف فی روح والفتوی علی وجوب کفنھا علیہ وان ترکت مالا مگر اس کے متروکات سے ادائے قرضہ اور ثلث مال میں وصیت کا جاری کرنا ضروری ہے اس کے بعد جو مال باقی رہے وہ اور قرض و وصیت نہ ہونے کی صورت میں کل مال بحیثیت میراث ورثہ کی ملک ہے چاہیئے کہ حسب فرائض تقسیم کر دیا جائے ہر ایک وارث کو اس مال سے جس قدر حصہ ملیگا شرائط زکوۃ پورے ہونے کے بعد اس وارث پر اس مال کی زکوۃ واجب ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید کے سکونتی مکان کے علاوہ اور مکانات بھی ہیں جن کا کرایہ زید کو وصول ہوتا ہے کیا ان مکانوں کی مالیت کے لحاظ سے زید پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مکان مسکونہ کے علاوہ کرایہ حاصل کرنے کے مکان اگر ان کی تجارت مقصود نہیں ہے بلکہ محض کرایہ حاصل کرنے کے لئے خریدے گئے ہیں تو وہ کتنی ہی مالیت کے کیوں نہ ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے فتح المعین جلد (۱) صفحہ (۳۷۳) کتاب الزکوٰۃ میں ہے لافرق بین ما لو کانت للسکنی او لم تکن کأن کانت للاستغلال حتی لو اشتری دارًا بقصد استغلال اجرتها لا تجب علیه الزکوٰة وان کانت قیمتها نصابًا شرح وقایہ مجتبائی جلد (۱) صفحہ (۲۶۸) کتاب الزکوٰۃ میں ہے حتیٰ لو کان له عبد لا للخدمۃ او دار لا للسکنی ولم ینوا التجارۃ لا تجب فیهما الزکاة وان حال علیه الحول فتاوی قاضی خاں مطبوع بر حاشیہ عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۲۵۰) کتاب الزکوٰۃ میں ہے ولو اشتری قدورًا من صفر یمسکها او یؤاجرها لا تجب فیها الزکوٰة کما لا تجب فی بیوت الغلّة مغرب کے صفحہ (۷۷) میں ہے (الغلّة) کل ما یحصل من ریع ارض

اوکرائھا او اجرة غلاما ونحو ذلك ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زمانۂ موجودہ کے لحاظ سے سادات کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں اور وہ لینے کے مجاز ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگرچہ بعض متاخرین نے موجودہ زمانے کے لحاظ سے سادات کو زکوٰۃ دینے کی اجازت دی ہے۔ مگر صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ ناجائز ہے درمختار مطبوعہ برحاشیۂ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۹۸) کتاب الزکوٰۃ میں ہے ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع وقول العینی والهاشمی یجوز له دفع زکاته لمثله صوابه لایجوز بحرالرائق جلد (۲) صفحہ (۲۶۶) میں ہے واطلق الحکم فی بنی هاشم ولم یقیده بزمان ولا شخص للاشارة الی رد روایة ابی عصمة عن الامام انه یجوز الدفع الی بنی هاشم فی زمانه وللاشارة الی رد الروایة بان الهاشمی یجوز له ان یدفع زکوٰته الی هاشمی مثله لان ظاهر الروایة المنع

مطلقاً عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۱۸۹) میں ہے ولا یدفع الی بنی
ہاشم وھم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل و
آل الحارث بن عبد المطلب وبجوز الدفع الی من عداھم
کذریۃ ابی لہب لانھم لم ینا صروا النبی صلی اللہ علیہ
وسلم کذا فی السراج الوھاج زکوٰۃ اور نذر و عشر و کفارات
کے سوا دوسرے جو نفل صدقات ہیں اگر سادات و بنی ہاشم کو دیئے جائیں
تو جائز ہے کہ عالمگیریہ میں اسی جگہ ہے ھذا فی الواجبات کالزکاۃ
والنذر والعشر والکفارۃ فاما التطوع فیجوز الصرف الیھم
کذا فی الکافی - واللہ اعلم بالصواب والیہ
المرجع والمآب -
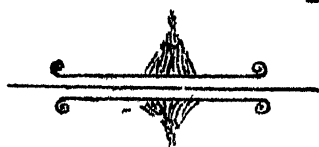
الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ تار کے ذریعہ سے رویت ہلال کی خبر اگر اس طرح آئے کہ وہاں کا قاضی یا عہدہ دار گواہیاں لے کر بذریعہ تار اطلاع دے اور گواہوں کا نام بھی تار میں بیان کردے تو کیا ایسا تار معتبر سمجھا جائے گا یا نہیں معتبر بنانے کا کوئی طریقہ مثلاً اگر تار دینے والے سے دوبارہ تصدیق کرلی جائے یا دو تین اور عہدہ داروں کے نام سے تار دیا جائے اور وہ اس کی تصدیق کرلیں تو اس طریقے سے تار کی خبر معتبر ہوسکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاد غیر کی رویت دوسرے بلاد کے پاس اُس وقت قابل اعتبار ہے جبکہ اس شہر کے دو شخص آکر رویت کی گواہی دیں یا دو شخص اس بات کی گواہی دیں کہ وہاں قاضی نے حکم دیدیا ہے یا اس شہر میں وہاں کے رویت کی خبر مشہور ہوجائے یعنے مقام رویت سے لوگ اس کثرت کے ساتھ یہاں آکر بیان

کریں کہ ان کا جھوٹ بولنا عقل کے پاس محال ہو درمختار کے کتاب الصوم
میں ہے (ویلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب) اذا ثبت
عندهم رؤية اولئك بطريق موجب كما مر ردالمحتار میں ہے
(قوله بطريق موجب) كان يتحمل اثنان الشهادة او
يشهدا على حكم القاضي او يستفيض الخبر بخلاف
ما اذا اخبر ان اهل بلدة كذا رأوه لانه حكاية ابن عابدین
رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ تنبیه الغافل والوسنان فی احکام هلال
رمضان میں لکھا ہے ان المراد بالاستفاضة تواتر الخبر
من الواردين من تلك البلدة الى البلدة الاخرى لا
مجرد الاستفاضة لانها قد تكون مبنية على اخبار رجل
واحد فيشيع الخبر عنه ولاشك ان هذا لا يكفي اور فقہاء
نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ روزہ چونکہ امر دینی اور خبر محض ہے اس لئے
غبار و ابر کی حالت میں اس کا ثبوت ایک مرد عادل کے بیان سے بھی ہو سکتا
ہے اور افطار میں چونکہ دنیوی نفع ہے اس لئے یہ حقوق العباد کے مشابہ
ہے جس کے ثبوت میں دیگر حقوق کی طرح شرعی شہادت پیش ہونے کی
ضرورت ہے درمختار کے کتاب الصوم میں ہے (وقبل بلا دعوى
و) بلا (لفظ اشهد) وبلا حكم ومجلس قضاء لانه خبر
لا شهادة (للصوم مع علة كغيم) وغبار (خبر عدل)
او مستور على ما صححه البزازية على خلاف ظاهر الرواية

(ولو فاسقا او محدودا فی قذف تاب وشرط للفطر) مع العلۃ والعدالۃ (نصاب الشہادۃ ولفظ اشہد) وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد رد المحتار میں ہے (قولہ لتعلق نفع العبد) علۃ لاشتراط ما ذکر فی الشہادۃ علی ہلال الفطر بخلاف ہلال الصوم لان الصوم امر دینی فلم یشترط فیہ ذلک اما الفطر فھو نفع دنیوی للعباد فاشبہ سائر حقوقہم فیشترط فیہ ما یشترط فیہا چنانچہ اہل قریہ کو رمضان کا روزہ رکھنے کے لئے شہر سے توپوں کا سننا ہونا یا شہر کے میناروں پر قندیلوں کا روشن ہونا وغیرہ علامات مفید ظن ہونے کے سبب سے کافی سمجھے گئے۔ رد المحتار جلد (۲) صفحہ (۹۴) کتاب الصوم میں ہے قلت والظاہر انہ یلزم اہل القریٰ الصوم بسماع المدافع او رؤیۃ القنادیل من المصر لانہ علامۃ ظاہرۃ تفید غلبۃ الظن وغلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل کما صرحوا بہ واحتمال کون ذلک لغیر رمضان بعید اذ لا یفعل مثل ذلک عادۃ فی لیلۃ الشک الا لثبوت رمضان بنا برین صورت مسئولہ میں خبر تار تحقیق و توثیق کے بعد بھی چونکہ مذکور الصدر شہادۃ شرعی نہیں ہے اور اگر اس کو خطوط کے قائم مقام بھی سمجھا جاوے تو الخط یشبہ الخط کا شبہ تار دینے والوں کے ساتھ بھی قائم ہے اس لئے تو یوں

اور قندیلوں کی طرح اس کی خبر بھی مفید غلبہ ظن ہو سکتی ہے۔ لہذا ہلال رمضان کے ثبوت کا حکم ایسے موثق تار کی خبر پر دینا جائز ہے مگر ہلال عید کے ثبوت کا حکم اس پر دینا درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ اگر اورنگ آباد میں ۲۹ کو چاند نظر آئے اور حیدرآباد میں نظر نہ آئے تو وہاں کی رویت کے لحاظ سے حیدرآباد میں تاریخ بدلنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ یہ بات علم ہیئت سے واضح ہے کہ چاند بہ نسبت آفتاب کے سریع السیر ہے کسی مقام میں مثلاً کلکتہ میں جو مشرقی شہر ہے ۲۹ تاریخ شفق میں چھپا رہے اور دوسرے مقام مثلاً بمبئی میں جو مغربی شہر ہے اپنی سیر کی وجہ سے شفق سے نکل آئے اور دیکھنے لگے تو بمبئی والوں کو رویت کی گواہی دینا درست ہوگا بخلاف کلکتہ والوں کے کہ ان کے حق میں ۲۹ بمنزلہ ۲۸ کے ہوگی جسمیں چاند چھپا رہتا ہے یعنی ان کے پاس چاند ۲۸ کو ہلال نہ تھا کیونکہ چاند پر ہلال کا اطلاق اوسی وقت ہوتا ہے جبکہ شفق سے خارج ہو کر ایسی وضع خاص پر آجائے کہ آفتاب کی منعکسہ روشنی کا ایک چھوٹا حصہ نظر آنے لگے اسی طرح ۲۹ کو بھی اُن کے حق میں چاند ہلال نہوا کیونکہ اُس روز بھی اوس وضع خاص پر نہ آیا جس سے اسپر ہلال کا اطلاق ہو پس جبکہ اہل کلکتہ کے حق میں چاند ہلال ہوا ہی نہ تھا تو بمبئی والوں کا ہلال اُن کے حق میں کیونکر ہلال سمجھا جائے۔

ف خبر پہنچنے کا اگر یہ طریقہ ہو کہ تار کے ذریعہ سے بطور سرکاری پہنچے کیا یہ قابل

اعتبار ہے یا نہیں اسی طرح اگر ٹپہ کے ذریعہ سے تحصیلدار یا دوسرے عہدہ دار اطلاع دیں تو یہ خبر قابل اعتبار ہوگی یا نہیں جسپر رمضان میں روزہ رکھنے یا افطار کرنیکا حکم دیا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مطالع کا مختلف ہونا جیسا کہ سائل کا بیان ہے یعنے مشرقی شہروں میں چاند کی رؤیت نہو اور مغربی شہروں میں ہو اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے فتاوی ردالمختار شامی مصری جلد ۲ صفحہ ۹۹ میں ہے اعلم ان نفس اختلاف المطالع لانزاع فیہ بمعنی انہ قد یکون بین البلدتین بُعد بحیث یطلع الھلال لیلۃ کذا فی احدی البلدتین دون الاخری وکذا مطالع الشمس لان انفصال الھلال عن اشعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار البتہ فقہاء کا اس کے اعتبار کرنے میں اختلاف ہے یعنے جبکہ کسی مغربی شہر میں چاند نظر آئے اور مشرقی شہر میں نظر نہ آئے تو آیا از روئے شرع مشرقی شہر کے رہنے والوں پر بھی اسی رؤیت کے لحاظ سے روزہ رکھنے یا افطار کرنے کا حکم دیا جائیگا یا نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے پاس مذہب صحیح یہ ہے کہ مغرب والوں کے چاند کا مشرق والوں کو لحاظ و اعتبار کی ضرورت نہیں بلکہ ہر ایک اپنی رؤیت پر عمل کرے شافعی رحمۃ اللہ کے سوا حنفی و مالکی و حنبلی ان تینوں مذاہب میں یہ حکم ہے کہ اہل مشرق کو بھی اہل مغرب کی رؤیت کا اعتبار کرنا چاہئیے یعنی جس دن اہل مغرب کے پاس ان کی رؤیت کے لحاظ سے روزہ یا افطار ہے اہل مشرق پر بھی روزہ رکھنا یا افطار

کرنا لازم ہے۔ چونکہ حدیث صحیح "صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ" عام ہے اس لئے اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں فتاوی رد المحتار کے اسی صفحہ میں ہے وانما الخلاف فی اعتبار اختلاف المطالع بمعنی انه هل یجب علی کل قوم اعتبار مطلعهم ولا یلزم احد العمل بمطلع غیرہ ام لا یعتبر اختلافها بل یجب العمل بالاسبق رؤیة حتی لو رؤی فی المشرق لیلة الجمعة وفی المغرب لیلة السبت وجب علی اهل المغرب العمل بما رأه اهل المشرق فقیل بالاول واعتمدہ الزیلعی وصاحب الفیض وهو الصحیح عند الشافعیة لان کل قوم مخاطبون بما عندهم کما فی اوقات الصلاة وایدہ فی الدر بما مر من عدم وجوب العشاء والوتر علی فاقد وقتهما وظاهر الروایة الثانی وهو المعتمد عندنا وعند المالکیة والحنابلة لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرؤیة فی حدیث "صوموا لرؤیته" بخلاف اوقات الصلوٰة اسی صفحہ میں درمختار میں ہے (واختلاف المطالع) ورؤیته نهارا قبل الزوال وبعدہ (غیر معتبر علی) ظاهر (المذهب) وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی بحر عن الخلاصة (فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤیة اولئك بطریق موجب کما مر بنابریں حنفیوں کا یہ مفتی بہ قول ہے کہ جب مغربی کسی شہر میں چاند ہو جائے تو تمام مغرب و مشرق کے رہنے والوں پر خبر و ثوق سے پہنچنے کے بعد اس کا

اعتبار کرنا لازم ہے۔

ف رمضان کے چاند کی گواہی امر دینی ہونے کی وجہ سے شرعاً گواہی نہیں ہے بلکہ اخبار یعنے خبر دینا ہے اس لئے مطلع صاف نہونے کی صورت میں اگر ایک عادل یعنے متقی شخص یا وہ شخص جس کا تقویٰ وفسق وفجور کسی کو معلوم نہیں ہے چاہے وہ غلام ہو یا عورت یا محدود فی القذف جو تائب ہے جبکہ چاند دیکھکر کہدے تو شرعاً اس ایک کی گواہی بھی معتبر ہے اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں جماعت عظیم کے کہنے کی ضرورت ہے اگر بڑی جماعت نہ دیکھے تو موجودہ زمانے کے لحاظ سے دو شخصوں کا دیکھکر کہدینا کافی ہے در مختار مطبوعہ برحاشیہ

رد محتار مصری جلد ۲ صفحہ ۹۳ میں ہے (وقبل بلا دعویٰ و) بلا (لفظ اشهد) وبلا حكم ومجلس قضاء لانه خبر لا شهادة (للصوم مع علة غيم) وغبار (خبر عدل) او مستور على ما صححه البزازي على خلاف ظاهر الرواية لا فاسق اتفاقاً (ولو) كان العدل (قنا او انثى او محدوداً في قذف تاب) اور صفحہ ۹۵ میں ہے (و) قبل (بلا علة جمع عظيم يقع العلم) الشرعي وهو غلبة الظن (بخبرهم وهو مفوض الى راى الامام من غير تقدير بعدد) على المذهب وعن الامام انه يكتفى بشاهدين واختاره في البحر اور رد المحتار میں ہے (قوله واختاره في البحر) حيث قال وينبغي العمل على هذه الرواية في زماننا لان الناس تكاسلت عن ترائي الاهلة فانتفى قولهم مع

توجھم طالبین لما توجھوا الیہ فکان التفرد غیر ظاھر
فی الغلط ثم ایدذلک بان ظاھر الولوالجیۃ والظھیریۃ
یدل علی ان ظاھر الروایۃ ھو اشتراط العدد لا الجمع العظیم والعدد لصدقہ بانیں
اور عید فطر کے چاند کے لئے مطلع صاف نہونے کی صورت میں دو متقی مرد یا ایک
متقی مرد اور دو عورتوں کی ضرورت ہے جو لفظ اشھد کے ساتھ گواہی دیں اور
محدود فی القذف بھی نہوں در مختار کے صفحہ ۹۴ میں ہے (وشرط للفطر
مع العلۃ والعدالۃ نصاب الشھادۃ ولفظ اشھد) وعدم
الحد فی قذفٍ لتعلق نفع العبد مطلع صاف ہونے کی صورت میں
رمضان کے چاند کی طرح اس کا بھی حکم ہے یعنے جماعت عظیم گواہی دے اگر جماعت
عظیم نہو تو دو شخصوں کی گواہی بھی کافی ہے رد المحتار کے صفحہ ۹۵ میں ہے (قولہ
بلاعلۃ) ای ان شرط القبول عند عدم علۃ فی السماء
لھلال الصوم او الفطر او غیرھما اخبار جمع عظیم الخ
پس صورت مسؤلہ میں جبکہ اضلاع و تعلقات کے قاضی یا عہدہ دار سرکاری
جو اس کام پر منجانب سرکار مقرر ہیں حسب تحقیق و شروط بالا رؤیت ہلال کا اطمینان
و یقین کر لینے کے بعد شہر کے قاضی یا اوس حاکم کو جو منجانب سرکار اس کام پر مقرر
ہے باضابطہ تحریر سے اطلاع دیں تو ان کی یہ تحریر معتبر ہے کیونکہ شریعت میں ایک
قاضی کی تحریر دوسرے قاضی کے پاس ہر ایک حق میں جائز رکھی گئی ہے فتاوی
در مختار مطبوعہ برحاشیۂ رد المحتار جلد (۴) صفحہ ۳۶۵ میں ہے (القاضی
یکتب الی القاضی فی کل حق بہ یفتی استحسانا تارکی خبر بھی

مثل تحریری خبر کے ہے کیونکہ کاغذ پر جو لفظ لکھا جاتا ہے وہ بجنسہ مکتوب الیہ تک
پہنچتا ہے اسی طرح تار میں جو بات کہی جاتی ہے وہ بھی بجنسہ مخاطب کو سنائی
دیتی ہے اس میں کسی قسم سے فرق نہیں آتا قدیم زمانے میں دور کی کیفیت معلوم کرنیکی
لئے خط جسطرح آلہ بنایا گیا تھا موجودہ زمانہ میں خبر و کیفیت پہنچانے کے لئے تار
ایک نیا آلہ ایجاد کیا گیا ہے لہذا اسکی خبر پر رمضان کے چاند کا حکم دیا جا سکتا ہے
مگر اس قدر احتیاط ضروری ہے کہ مقامی عہدہ دار جنکو رویت ہلال کی سب سے صریح
سابق تحقیق ہوگئی ہے وہ خود یا کسی معتبر شخص کو تار گھر پر تار کرنے کے لئے روانہ
کریں اور تار ماسٹر کو اس امر کی تاکید کی جائے کہ رویت ہلال کے متعلق کسی جگہ
تار بلا حکم و اطلاع سرکاری عام رعایا سے کسی شخص کے کہنے پر ہرگز نہ دیا جائے
واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید ستہ شوال رکھا پہلے روز
میں قضاء کی نیت تھی اور بعد اسکے پانچ روزوں میں نفل کی نیت اب یہ کہتا ہے کہ
قضاء کا روزہ بھی ہوگیا اور ستہ شوال بھی پورے ہوئے کیا زید کا یہ قول صحیح
ہے؟ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب۔

الجواب

اگر کوئی شخص قضاء رمضان اور نفل دونوں کی نیت سے ایک روزہ

رکھے تو شرعاً وہ روزہ قضاء کا ہوگا نفل کا نہیں ہے فتاوے عالمگیریہ مصری کے جلد (۱) صفحہ ۱۹۷ میں ہے واذا نوی قضاء بعض رمضان والتطوع یقع عن رمضان فی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی الذخیرۃ پس صورت مسؤلہ میں زید نے جو روزہ کہ قضاء رمضان و نفل شوال کی نیت سے رکھا ہے وہ محض قضاء کا ہے اسکو نفل کا دوسرا روزہ رکھنا چاہیئے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ رمضان شریف کے روزے اگر لڑکا یا لڑکی کو رکھایا جاوے تو کس سن تک ماں باپ کو اس کا ثواب حاصل ہو سکتا ہے ۔

الجواب

احکام شرعیہ کی فرضیت و وجوب مکلف پر ہے اور مکلف شریعت میں مسلمان عاقل و بالغ کو کہا جاتا ہے ردمحتار جلد (۱) صفحہ ۲۴۵ کتاب الصلوٰۃ میں ہے المکلف ھو المسلم البالغ العاقل ولو انثی او عبداً بالغ ہونے کے پہلے انسان مکلف نہیں ہے اس لئے احکام شرعی اس پر فرض نہیں البتہ والدین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ نابالغ بچوں کو نماز و روزہ کیلئے

سات برس کی عمر کے بعد زبان سے کہیں اور دس سال کی عمر کے بعد ہاتھ سے
ماریں اور یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ بچے اچھے کام کے عادی ہو جائیں اور بُرے
کام سے بچنے لگیں ردّ محتار کے حاشیہ میں اسی جگہ درمختار میں ہے هي فرض
علی کل مکلف وان وجب ضرب ابن عشر علیها
بید لا بخشبة لحدیث مروا اولادکم بالصلوة وهم
ابناء سبع واضربوهم علیها وهم ابناء عشر قلت
والصوم کالصلوة علی الصحیح کما فی صوم القهستانی
معزیا للزاهدی وفی حظر الاختیار انه یومر بالصوم والصلوة
وینهی عن شرب الخمر لیالف الخیر ویترك الشر ردمحتار میں
تحت قول (الحدیث) تحریر ہے والظاهر ان الوجوب بعد استکمال
السبع والعشر بان یکون فی اول الثامنة والحادیة عشر
کما قالوا فی مدة الحضانة نابالغ بچوں کی عبادت کا ثواب انہیں کو ملتا
ہے البتہ والدین کو تعلیم و تربیت کا اجر دیا جاتا ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ
ردمحتار جلد ۵ صفحہ ۵۳۶ کتاب الهبہ میں ہے حسنات الصبی له و
لابویه اجر التعلیم ونحوه واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ
۲۹ شعبان گو مطلع ابر آلود تھا شہادت انسانی سے ہلال رمضان کی رویت

ثابت ہوئی اور شب کے نو بجے محکمہ شرعیہ سے بذریعہ آواز توپ شائع کیا گیا کہ
دوشنبہ کو غرہ رمضان قرار پایا پس اس حساب سے جب کہ رمضان کی
۳۰ تاریخ یعنی سہ شنبہ کو اگر مطلع بالکل صاف و پاک رہے اور ہزارہا مخلوق خدا
کو رؤیت ہلال نہو اور شہادت آسمانی بھی مدد نہ دے یعنی ہلال دکھائی نہ دے تو
اب عید کون سے دن قرار پائیگی کیا چہارشنبہ کو باعتبار شہادت انسانی ماہ
شعبان یا پنجشنبہ کو باعتبار انکار شہادت آسمانی۔

الجواب

صورت مسئولہ میں جبکہ ۲۹ شعبان کو مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے
ہلال رمضان کی رؤیت شہادتِ شرعیہ سے ثابت ہوئی ہے اور محکمۂ قضا سے
اس کا اعلان کیا گیا پس رمضان کے ۳۰ دن ختم ہو جانے کے بعد باوجود مطلع
صاف ہونے کے اگر ہلال شوال کی رؤیت نہو تو اکتیسویں دن افطار کر کے عید الفطر
منانا چاہیئے عالمگیریہ جلد اول کتاب الصوم باب الرؤیۃ الہلال میں ہے واذا
شہد عن ھلال رمضان شاھدان والسماء متغیمۃ
وقبل القاضی شہادتہما وصاموا ثلاثین یوما فلم
یروا ھلال الشوال ان کانت السماء متغیمۃ یفطرون من
الغد بالاتفاق وان کانت مصحیۃ یفطرون ایضا علی الصحیح
کذا فی المحیط درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۲) کتاب الصوم بحث رؤیۃ الہلال میں ہے (و
بعد صوم ثلاثین بقول عدلین حل الفطر) الباء متعلقۃ

بصوم وبعد متعلقہ یحل لوجود نصاب الشہادۃ ردمحتار میں ہے قولہ حل الفطر ای اتفاقا ان کانت لیلۃ الحادی و الثلاثین متغیمۃ وکذا مصحیۃ علی ما صححہ فی الدرایۃ و الخلاصہ وبزازیہ وصحح عدمہ فی مجموع النوازل والسعبد الامام الاجل ناصر الدین کما فی الامداد ونقل العلامہ نوح رح الاتفاق علی حل الفطر فی الثانیۃ ایضا عن البدائع والسراج والجوہرۃ قال والمراد اتفاق ائمتنا الثلاثۃ وما حکے فیہا من الخلاف انما ہو بعض المشائخ قلت وفی الفیض الفتوی علی حل الفطر واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ بلدہ میں عید بروز سہ شنبہ ہوئی ہم لوگ قصبہ میں اطلاع نہ ہونے کے سبب اس دن روزہ تھے تین بجے دن کے ہم کو خبر ملی کہ ۲۹ تاریخ ماہ رمضان بلدہ میں رؤیت ہلال ہوئی ہے آج عید الفطر ہے پس ہم لوگوں کو روزہ توڑنا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب

جس شہر میں کہ رؤیت ہلال نہیں ہوئی ہے اگر وہاں کے قاضی کے پاس دو شخص اس امر کی گواہی دیں کہ دوسرے شہر میں فلاں رات دو شخصوں نے چاند دیکھا ہی

اور وہاں کے قاضی نے ان کی گواہی پر عید کا حکم دیا ہے تو ایسی حالت میں اس شہر کے قاضی کے لئے جائز ہے کہ اپنے شہر میں بھی عید وافطار کا حکم دیدے فتاوی حمادیہ کے کتاب الصوم مبحث رویۃ ہلال میں ہے واذا شهد شاهدان عند قاضی اهل بلدة علی ان قاضی بلد کذا شهد عنده شاهدان برؤیۃ الهلال فی لیلۃ کذا وقضی القاضی بشهادتهما جاز لهذا القاضی ان یقضی بشهادتهما لان قضاء القاضی حجۃ فتاوی خلاصہ کے کتاب الصوم مبحث رؤیۃ الہلال میں ہے اذا شهد شاهدان عند قاضی لم یر اهل بلدة علی ان قاضی بلد کذا شهد عنده شاهدان برؤیۃ الهلال فی لیلۃ کذا وقضی القاضی بشهادتهما فان هذا القاضی ان یقضی بشهادتهما پس صورت مسئولہ میں مقامی قاضی کے پاس اگر دو شخصوں نے اس بات کی حلفاً گواہی دی ہے کہ بلدہ میں دو شخصوں نے قاضی کے پاس رویت ہلال شوال کی گواہی دی ہے اور قاضی نے ان کی گواہی پر بلدہ میں عید کا حکم دیا ہے تو ایسی حالت میں مقامی قاضی کے پاس روز عید وافطار کرنے کے لئے مسلمانوں کو حکم دینا جائز ہے اور مقامی مسلمانوں کو قاضی کے حکم کے بعد روزہ توڑنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتاب النکاح

الاستفتاء

علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں۔

(۱) زید اپنی دختر ہندہ کو قبل از عقد کچھ سامان دیا اور بعد از عقد کچھ زیور وغیرہ دیا پس یہ سامان بعد انتقال ہندہ مال میت قرار پاکر اوسکی تقسیم مثل مال متروکہ کے ہوگی یا کل بدر ہندہ کو واپس دیا جائیگا۔

(۲) ہندہ لاولد فوت ہوی اوس کے ورثا یہ ہیں۔ پدر۔ مادر۔ ہمشیرہ حقیقی۔ برادر حقیقی۔ زوج ہے۔ کیا ہندہ کا کل زر مہر مال میت قرار دیا جائیگا اور اسکی تقسیم مثل ترکے کے ہوگی اور ہندہ کے زوج کے ذمہ کل زر مہر قرض اور واجب الادا ہوگا۔

(۳) ہندہ کا شوہر عمر لاولد فوت ہوا اوس کے ورثا میں ایک حقیقی ہمشیرہ اور تین چچا زاد بھائی ہیں متروکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔

الجواب

زید نے اپنی دختر ہندہ کو جو جہیز کہ قبل عقد دیا ہے اگر ہندہ کو اسے

قبضہ بھی دیدیا ہے تو ہبہ تمام ہونے کی وجہ سے یہ ہندہ کی ملک ہوگئی زید کو ہندہ کے انتقال کے بعد واپس لینے کا حق نہیں کیونکہ یہ ہندہ کا متروکہ ہے ہدایہ کے کتاب الہبہ میں ہے وتصح بالایجاب والقبول والقبض اور باب مالیصح رجوعہ میں ہے او بموت احد العاقدین زید نے ہندہ کو جو سامان وزیور کہ بطور جہیز دیا ہے بلحاظ عرف حیدرآباد ہندہ کی ملک ہے اور وفات کے بعد یہ اسکا متروکہ ہے جسکی تقسیم ورثار پر حسب فرائض ہوگی۔ درمختار کے کتاب النکاح باب المہر مطلب فی دعوی الاب ان الجہاز عاریۃ جہز ابنتہ بجہاز وسلمہا ذلک لیس لہ الاسترداد منہا ولا لورثتہ بعدہ ان سلمہا ذلک فی صحتہ بل تختص بہ وبہ یفتی اس عبارت کے بعد ہے جہز ابنتہ ثم ادعی ان ما دفعہ لہا عاریۃ وقالت ھو تملیک او قال الزوج ذلک لیرث منہ فقال الاب او ورثتہ بعد موتہ عاریۃ فالمعتمد ان القول للزوج ولہا اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثلہ جہازا لا عاریۃ واما اذا کان مشترکا کمصر والشام فالقول للاب فی تجہیزہا وکذا اولی الصغیرۃ واستحسن فی النہر تبعا لقاضی خان ان الاب ان کان من اشراف الناس لم یقبل قولہ انہ عاریۃ۔

(۳) ہندہ کا زرمہر ہندہ کے انتقال کے بعد متروکہ ہے حسب فرائض اس کے ورثار پر تقسیم ہوگا اور خاوند کے ذمہ قرض واجب الادا ہے۔ فتاوی مہدویہ کے جلد (۱) صفحہ ۱۲۳ باب المہر میں ہے یتاکد المہر بموت احد الزوجین

فیکون ترکة یقسم بین ورثتها بالفریضة الشرعیة کجمیع ما یتحقق انه مملوک لها اور صفحہ ۱۴۱ میں ہے وھو دین فی ذمة الزوج پس صورت مسئولہ بعد ادائی دیون و مصارف تجہیز و تکفین و اجرائ وصیت ھسدہ کے متروکہ کے ۶ حصے کرکے خاوند کو تین ماں کو ایک اور باپ کو دو حصے دئے جائیں بھائی بہن محروم ہیں۔

(۳) بعد اداے دیون و مصارف تجہیز و تکفین و اجراے وصیت عمرو کے متروکہ کے (۶) حصے کرکے حقیقی بہن کو تین اور ہر ایک چچازاد بھائی کو ایک دیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

مسلمانان دیہات نے عام طور پر آجکل یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کچھ معتدبہ رقم لیکر لڑکی کو نکاح کر دینے پر راضی ہوتے ہیں اس معاہدے کے بعد دار القضاء مقامی سے اجازت نامہ حاصل کیا جاتا ہے اور اجازت نامہ میں تعداد مہر وکیل اور گواہوں کے ناموں کی صراحت درج ہوتی ہے پس یہ معاملہ جس میں عوض بالمعاوضہ ہوتا ہے اور ایک قسم کی تجارت ہے شرعاً درست ہے یا نہیں۔

الجواب

لڑکی والے لڑکے سے یا اوس کے اولیاء سے نکاح کرا دینے کے لئے پہلے جو رقم لیتے ہیں یہ رقم لڑکی والوں کے لئے شرعاً حرام اور رشوت ہے جو قبضہ کے

بعد بھی ملک میں داخل نہیں ہوتی۔ لڑکے کو یا اوس کے اولیار کو بعد نکاح یہ حق حاصل ہے کہ ان سے واپس کرلے رد المحتار کے کتاب الحظر والاباحہ فصل البیع میں ہے ومن السحت ما یأخذ الصہر من الختن بسبب بنتہ بطیب نفسہ حتی لو کان یطلبہ یرجع الختن بہ درمختار کے کتاب النکاح مبحث جہاز میں ہے اخذ اہل المرأۃ شیئا عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانہ رشوۃ انتہی۔ قال رد المحتار قولہ عند التسلیم ای بان ابی ان یسلمہا اخوہا ونحوہ حتی یاخذ شیئا وکذا لوابی ان یزوجہا فللزوج الاسترداد قائما وہالکا لانہ رشوۃ عالمگیریہ جلد ۴ کتاب الہبہ باب باب متفرقات میں ہے خطب امرأتہ فی بیت اخیہا فابی ان یدفعہا حتی یدفع الیہ دراہم فدفع وتزوجہا یرجع بما دفع لانہا رشوۃ کذا فی القنیہ رد المحتار کے کتاب الحظر والاباحہ فصل البیع میں ہے الرشوۃ لا تملک بالقبض۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید غوری پٹھان سنی المذہب نے ہندہ سیّد زادی عاقلہ وبالغہ سے عقد کیا ہندہ اور اوس کے اولیا اس عقد سے راضی ہیں کیا ایسا عقد شرعا درست ہے یا نہیں۔

الجواب

سیدزادی چونکہ ہاشمیۂ عربیۃ النسب ہے اس لئے غوری پٹھان عجمی تا وقتیکہ اپنا نسب قریشی ثابت نکرے شرعًا اوس کا کفو یعنی مثل نہیں ہے پس صورت مسئولہ میں عقد کے قبل ہندہ اور اوس کے اولیاء کو اس سے باز رہنے کا حق تھا مگر چونکہ ہندہ اور اوس کے اولیاء کی رضامندی سے یہ عقد ہوا ہے اس لئے شرعًا جائز و درست ہے اب ہندہ اور اوس کے اولیاء کو اس کے فسخ کرانے کا حق نہیں بحر الرائق جلد ۳ باب الکفارۃ میں ہے قال فالمبسوط افضل الناس نسبًا بنو ہاشم ثم قریش ثم العرب لما روی عن محمد بن علی قال علیہ السلام ان اللہ اختار من الناس العرب ومن العرب قریشًا واختار منہم بنی ہاشم واختارنی من بنی ہاشم الخ ولم یذکر المصنف الموالی لان المراد بالموالی ہنا مالیس بعربی وان یمسہ رق لان العجم لما ضیّعوا انسابہم کان التفاخر بینہم فی الدین کما فی الفتح اولان بلادہم فتحت عنوۃ بایدی العرب فکان للعرب استرقاقہم فاذا ترکوہم احرارًا فکانہم اعتقوہم والموالی ہم المعتقون کما فی التبیین رد المحتار جلد ۲ باب الکفارۃ میں ہے (قولہ واما العجم) المراد بہم من لم ینتسب الی احدی قبائل العرب ویسمون الموالی والعتقاء کما مرّ وعامۃ اہل الامصار

والقری فی زماننا منهم سواء تکلموا بالعربیۃ او غیرها
الا من کان له منهم نسب معروف کالمنتسبین الی احد
الخلفاء الاربعۃ او الی الانصار ونحوهم عالمگیریہ جلد اول باب الاکفاء
میں ہے والموالی وهم غیر العرب لا یکونون اکفاء للعرب
والموالی بعضهم اکفاء لبعض کذا فی العتابیہ درمختار کے باب
الکفاءۃ میں ہے فقریش بعضهم اکفاء لبعض ردالمحتار میں ہے
اشاربه الی انه لا تفاضل فیما بینهم من الهاشمی والنوفلی
والتیمی والعدوی وغیرهم عالمگیریہ جلد (۱) باب الاکفاء میں
ہے واذا زوجت نفسها من غیر کفء ورضی به احد الاولیاء
لم یکن لهذا الولی ولا لمن مثله اودونه فی الولایۃ حق الفسخ
ویکون ذلك لمن فوقهم کذا فی فتاوی قاضی خان وکذا اذا
زوجها احد الاولیاء برضاها کذا فی المحیط۔ واللہ اعلم
بالصواب والیه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ خلوۃ صحیحہ کے بغیر
مہر واجب ہوتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بروقت نکاح جس قدر مہر کا تقرر ہوا ہے زوج پر عقد نکاح سے وہ

واجب تو ہو جاتا ہے مگر پورے مہر کی ادائی اسی وقت زوج پر واجب ہے جبکہ زوج زوجہ کے ساتھ وطی یا خلوۃ صحیحہ کرے یا زوج وزوجہ سے کوئی ایک فوت ہو جائے اور اگر زوج خلوۃ صحیحہ یا وطی کے پہلے زوجہ کو طلاق دیدے تو اس وقت زوج پر نصف مہر کی ادائی واجب ہے اور زوجہ کے مرتدہ ہو جانے یا اپنے خاوند کی دوسری زوجہ کے نوجوان لڑکے کا شہوت سے بوسہ لینے یا اس سے ناجائز تعلق پیدا کرنے سے پورا مہر زوج کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے در مختار کے باب المہر میں ہے۔ ویتاکد (عند وطء او خلوۃ صحت) من الزوج (او موت احدهما) یجب (نصفه بطلاق قبل وطء او خلوۃ) رد المحتار میں تحت قول (ویتاکد) مکتوب ہے وافادان المهر وجب بنفس العقد لکن مع احتمال سقوطه بردتها او تقبیلها ابنه او تنصفه بطلاقها قبل الدخول وانما یتاکد لزوم تمامه بالوطء ونحوه۔ واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک پٹھان ایک سید کی لڑکی سے حسب ما امر اللہ ورسولہ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ لڑکی عاقل و بالغ ہے جو قرائن سے رضامند بھی معلوم ہوتی ہے لڑکی کے بھائی ماں وغیرہ رشتہ دار بھی اس سے راضی ہیں۔ کیا یہ نکاح حسب شریعت درست ہے یا نہیں۔ بینوا

تو جووا رحمکم اللہ تعالیٰ۔

الجواب

سیدزادی چونکہ ہاشمیۂ عربیۃ النسب ہے اس لئے پٹھان عجمی تا وقتیکہ اپنا نسب قریشی ثابت نہ کرے شرعاً اس کا کفو یعنی مثل نہیں ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اگرچہ سیدزادی اور اس کے اولیاء کو اس سے باز رہنے کا حق تھا مگر جبکہ وہ خود اور اس کے اولیاء راضی ہیں تو نکاح جائز و درست ہے اور بعد نکاح اس کو اور اس کے اولیاء کو جو کہ اس نکاح سے راضی ہیں فسخ کا اختیار نہیں بحر الرائق جلد (۳) باب الکفاءۃ میں ہے قال فی المبسوط افضل الناس نسباً بنوھاشم ثم قریش ثم العرب لما روی عن محمد بن علی قال علیہ السلام ان اللہ تعالیٰ اختار من الناس العرب ومن العرب قریشا واختار منھم بنی ہاشم واختارنی من بنی ھاشم اھ ولم یذکر المصنف الموالی لان المراد بالموالی ھنا مالیس بعربی وان یمسہ رق لان العجم لما ضلوا انسابھم کان التفاخر بینھم فی الدین کما فی الفتح اولان بلادھم فتحت عنوۃ بایدی العرب فکان للعرب استرقاقھم فاذا ترکوھم احرارا فکانھم اعتقوھم والموالی ھم المعتقون کما فی التبیین رد المحتار جلد (۲) باب الکفاءۃ میں ہے (قولہ واما العجم) المراد بھم من لم

منتسب الی احدی قبائل العرب ویسمون الموالی والعتقاء کما مر وعامۃ اھل الامصار والقری فی زماننا منھم سواء تکلموا بالعربیۃ اوغیرھا الامن کان لہ منھم نسب معروف کالمنتسبین الی احد الخلفاء الاربعۃ اوالی الانصار ونحوھم عالمگیریہ جلد اول باب الاکفاء میں ہے والموالی وھم غیر العرب لایکونون اکفاء للعرب والموالی بعضھم اکفاء لبعض کذا فی العتابیہ درمختار کے باب الکفارۃ میں ہے فقریش بعضھم اکفاء بعض رد المحتار میں ہے اشاریہ الی انہ لاتفاضل فیما بینھم من الھاشمی والنوفلی والتیمی والعدوی وغیرھم عالمگیریہ جلد (۱) باب الاکفاء میں ہے واذا زوجت نفسھا من غیر کفء ورضی بہ احد الاولیاء لم یکن لھذا الولی ولالمن مثلہ اودونہ فی الولایۃ حق الفسخ ویکون ذلک لمن فوقہ کذا فی فتاوی قاضی خان وکذا اذا زوجھا احد الاولیاء برضاھا کذا فی المحیط۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ردالمحتار کے کتاب الحظر والاباحۃ کی عبارت ومن السحت مایأخذہ الصھر من الختن

بسبب ستر بطیب نفسہ حتی لو کان لطلبہ یرجع الختن بہ اور درمختار کے کتاب النکاح مبحث جہاز کی عبارت اخذ اھل المرأۃ شیئا عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ انتہی ان دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے کہ لڑکی والے نکاح کرا دینے کے لئے جو روپیہ لیتے ہیں شرعاً حرام و رشوت ہے اس صورت میں کیا دولہ والوں کی طرف سے جو لڑکی کو چڑھاوا آتا ہے حرام ہوگا۔ اور ناداری کی وجہ سے لڑکی والے کچھ رقم تبرعاً شادی کرنے کے لئے لیں کیا وہ بھی حرام ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

دولہ لڑکی کے لئے جو سامان چڑھاوا بھیجتا ہے وہ ہدیہ یا مہر معجل یا عاریتہً ہوا کرتا ہے اور یہ سامان محض لڑکی کے لئے آتا ہے دولہ اگر ہدیہ یا مہر معجل کی نیت سے اس سامان کو روانہ کرے تو یہ لڑکی کی ملک ہوگا اس سے لڑکی کے عزیز و اقارب کو کوئی تعلق نہیں۔ اور دولھا کا اس طریقے سے سامان بھیجنا شرعاً درست ہے چنانچہ درمختار کے کتاب النکاح باب المہر میں ہے ولو بعث الی امرأتہ شیئا ولم یذکر جہتہ عند الدفع غیر المہر فقالت ھو ھدیۃ وقال ھو من المہر فالقول لہ فی غیر المھیأ للاکل ولہا فی المھیأ اھ رد المحتار میں ہے (قولہ ولم یذکر الخ) المراد انہ لم یذکر المہر ولا غیرہ درمختار کے

کتاب الہبہ فصل مسائل متفرقہ میں ہے (بعث الی امرأتہ متاعاً) ھدایا الیھا (وبعثت لہ ایضاً) ھدایا عوضاً للھبۃ صرحت بالعوض اولا (ثم افترقا بعد الزفاف وادعی) الزوج (انہ عاریۃ) لاھبۃ وحلف (فاراد الاسترداد وارادت ھی) الاسترداد) ایضاً (یسترد کل) منھما (ما اعطی) اذ لاھبۃ فلا عوض ولو استھلک احدھما بعثہ الآخر ضمنہ لان من استھلک العاریۃ ضمنھا خانیہ۔ لڑکی والے اگر دولہے سے کچھ رقم مہر معجّل کی طریقہ سے حاصل کریں یا پورا مہر معجّل لے لیں اور اس رقم سے لڑکی کا سامان جہاز تیار کریں تو یہ شرعاً درست ہے اور یہ رقم اور اس سے خریدا ہوا سامانِ جہاز لڑکی کی ملک ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مہر معجّل حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر سامان جہاز تیار فرمایا تھا تاریخ خمیس کے جلد اوّل صفحہ ۴۰۸ میں مواھب اللدنیہ سے منقول ہے وفی المواھب اللدنیہ عن انس قال جاء ابوبکر ثم عمر یخطبان فاطمۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسکت ولم یرجع الیھما شیئاً فانطلقا الی علیؓ یأمرانہ بطلب فاطمۃ قال علی فنبھانی لامرٍ کنت عنہ غافلاً فقمت اجر ردائی حتی اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت تزوجنی فاطمۃ قال اوعندک شئی قلت فرسی وبدنی قال اما فرسک فلابد لک منھا واما

لہ بذلک فعجها فعتها بار بعمائة وثمانين درهما فجئته بها فوضعتها فی حجرہ فقبض منها قبضة فقال ای بلال ابتع لنا بها طيبا وامرهم ان يجهزوها فجعل لها سرير مشرط ووسادة من ادم حشوها ليف الی اخر ما سيجيئ فی زفافہ لڑکی والوں کا دولہے سے نکاح کر دینے کے لئے رقم لینا جو درمختار میں حرام ورشوت بتایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی والے اپنی ذات کے لئے کچھ روپیہ نکاح کر دینے کی شرط پر لیں یعنی اگر ان کو روپیہ دے تو نکاح کر دیتے ہیں ورنہ نہیں کرتے اور اس روپیہ کو وہ اپنے پر صرف کر لیتے ہیں اور لڑکی کے لئے مہر اس کے علاوہ چاہتے ہیں ان کا اس شرط سے روپیہ لینا حرام ورشوت ہے چنانچہ یہ مضمون درمختار کی پہلی عبارت میں (بسبب منت) کے لفظ سے ظاہر ہے اور دوسری عبارت (اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم کے لفظ عند التسلیم کی شرح میں صاحب ردالمحتار نے یہ لکھا ہے قوله عند التسليم ای ابی ان يسلمها اخوها اونحوه حتی ياخذ شيئا وكذا لوابی ان يزوجها فللزوج الاسترداد قائما وهالكا لانه رشوة پس صورت مسئولہ میں لڑکی والوں کا دولہے سے شرط لگا کر اپنی ذات اور اپنے نفع کے لئے روپیہ لینا حرام اور رشوت ہے اگر دولہا لڑکی کے لئے چڑھاوا بھیجے یا لڑکی والے لڑکی کے مہر معجل سے کچھ رقم یا پورا مہر معجل دولہے سے لیکر لڑکی کا سامان جہاز تیار کر دیں تو یہ شرعا درست ہے اور دولہے کا لڑکی والوں کو شادی کا سامان کرنے کے لئے بلا کسی شرط کے

تبرعاً کچھ روپیہ دینا یہ بر واحسان ہے جو کسی طرح حرام و ناجائز نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ باپ کی مدخولہ بالنکاح یا بالزنا کی حقیقی بہن بیٹے کے لئے جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

باپ کی مدخولہ بالنکاح یا بالزنا کی اصل و فرع یعنی حقیقی ماں یا لڑکی بیٹے کے لئے جائز ہے۔ جیسا کہ عالمگیریہ مصری جلد ا صفحہ (۲۷۷) بحث محرمات صہریہ میں ہے۔ لا بأس بان یتزوج الرجل امرأۃً ویتزوج ابنہ بنتھا او امھا کذا فی محیط السرخسی ردالمحتار مصری جلد (ا) صفحہ (۲۸۷) فصل محرمات میں ہے۔ ویحل لاصول الزانی وفروعہ اصول المزنی بھا وفروعھا اور صفحہ (۲۸۶) میں ہے ولا تحرم بنت زوج الام ولا امہ ولا ام زوجۃ الاب ولا بنتھا و لا ام زوجۃ الابن ولا بنتھا ولا زوجۃ الربیب ولا زوجۃ الراب پس جبکہ مدخولۂ اب کی حقیقی ماں یا اسکی لڑکی یعنی اصول و فروع دونوں بیٹے کے لئے شرعاً جائز ہیں تو مدخولۂ اب کی حقیقی بہن بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہندہ سیدانی عمر ۱۳ سالہ نابالغہ ہے جس کا باپ و دادا فوت ہو گیا ہے ہندہ کا حقیقی پھوپی زاد بھائی جو امرائے عرب قوم بنی سلیم عدنانی سے ہے ہندہ سے مہر مثل پر عقد کرنا چاہتا ہے ہندہ کا عمر ادبھائی اور اوس کی والدہ و ماموں اس پر راضی ہیں اور ان کے سوا لڑکی کا کوئی وارث شرعی نہیں ہے پس از روئے مذہب حنفی یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

عرب میں چونکہ کفاءۃ نسب کے لحاظ سے دیکھی جاتی ہے اس لئے سیدانی ہاشمی النسب (جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہے) کا عدنانی کف نہیں در مختار کتاب النکاح باب الکفاءۃ میں ہے وتعتبر) الکفاءۃ (نسبًا فقریش) بعضهم (اکفاء) بعض (و) بقیۃ (العرب) بعضهم (اکفاء) بعض ردالمحتار میں ہے (قوله فقریش الخ) القرشیان من جمعهما اب هو النضر بن کنانۃ فمن دونه ومن لم ینتسب الا لاب فوقه فهو عربی غیر قرشی باپ اور دادا کے سوا دوسرا کوئی ولی اگر صغیرہ کا نکاح غیر کف سے کراوے تو شرعًا صحیح نہیں ہے در مختار کتاب النکاح باب الولی میں ہے (وان کان

المروح غیرھما) ای غیر الاب وابیہ ولو الام او القاضی علی ترتیب الارث (لا یصح النکاح من غیر کفء او بغبن فاحش) پس صورت مسئولہ میں جبکہ لڑکی کا باپ و دادا فوت ہوگیا ہے تو اب کسی ولی کا عدنانی غیر کف کیساتھ اس کا نکاح کرانا صحیح نہیں ہے پھوپی کی اولاد جبکہ نسب سے علاحدہ ہو کفو نسبی نہیں کیونکہ نسب شرع میں باپ سے دیکھا جاتا ہے جیساکہ ردمحتار کے کتاب الطلاق فصل ثبوت النسب میں ہے النسب ھو مصدر نسبہ الی ابیہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہندہ خاوند کی وفات کے بعد اپنے سوتیلے لڑکے خالد کے ذاتی جائداد و آمدنی سے اپنا زر مہر طلب کرسکتی ہے یا نہیں اور خالد کو ہندہ کی ذاتی جائداد و آمدنی پر کسی قسم کا حق ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ہندہ کے خاوند کے انتقال کے بعد ہندہ کو اپنے سوتیلے لڑکے خالد کی ذاتی جائداد و آمدنی سے مہر طلب کرنے کا حق نہیں ہے اور نہ خالد ہندہ کی ذاتی جائداد و آمدنی سے کسی قسم کا حصہ پانے کا مستحق ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید مجنون کا حقیقی بھائی ولی قریب موجود ہے حقیقی بھائی کے بلا اطلاع مجنون کی حقیقی ماں نے مسماۃ ہندہ کے ساتھ مجنون کا نکاح بہ تقرر صامہ زر مہر پر کرا دیا کیا یہ نکاح جائز ہے اگر جائز ہے تو اب بھائی کو فسخ نکاح کا حق ہے یا نہیں۔

الجواب

ولی قریب عاقل و بالغ کے ہوتے ہوئے بلا اطلاع اس کے ولی بعید کا نکاح کرانا شرعاً ولی قریب کی اجازت پر موقوف ہے ولی قریب بمجرد اطلاع کے اس نکاح کی اجازت نہ دے تو نکاح ناجائز و غیر نافذ ہے در مختار کے کتاب النکاح باب الولی میں ہے۔ فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف اجازتہ رد المحتار میں ہے۔ قولہ حال قیام الاقرب ای حضورہ وھو من اھل الولایۃ اما لو کان صغیرۃ او مجنونا جاز نکاح الابعد ذخیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید قوم ہنود

کی ایک شیعہ عورت کو مسلمان کرکے نکاح کیا اس کے بعد باکرہ مسلمان عورت سے شادی کیا ان ہر دو کے حقوق و مراتب مساوی ہیں یا کم و بیش۔

الجواب

مساوی ہیں درمختار کتاب النکاح باب القسم میں ہے یجب ان یعدل فیہ وفی الملبوس والماکول والبکر والثیب والجدیدۃ والقدیمۃ والمسلمۃ والکتابیۃ سواء واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید کی زوجۂ ثانیہ کا انتقال ہوگیا اور اوس کی اولاد کمسن زید کے زیر پرورش ہے اور زوجۂ اولیٰ زندہ ہے مگر اس کے تمام اولاد کی شادیاں ہوگئی ہیں زید کی آمدنی اس وقت بارہ سو روپے ماہانہ ہے زید زوجۂ اولیٰ کو ماہانہ سو روپیہ نفقہ دیا کرتا تھا اب موقوف کردیا ہے اور مکان سے بھی علحدہ کرنا چاہتا ہے پس از روے شرع زید کی موجودہ آمدنی کے لحاظ سے کس قدر نفقہ زوجۂ اولیٰ کا زید پر واجب ہے خصوصاً جبکہ زوجۂ اولیٰ ایک خاندانی امیرزادی اور ذی ثروت گھرانے کی لڑکی ہے۔

الجواب

زوجہ کے نفقہ کے لئے شرعاً زوج و زوجہ دونوں کی حالت کا لحاظ
کیا جاتا ہے اگر دونوں مالدار ہیں تو مالداروں کا نفقہ زوج پر واجب
ہوتا ہے اور اگر دونوں تنگدست ہیں تو محتاجوں کا نفقہ لازم ہوا کرتا ہے
اور اگر دونوں سے ایک مالدار اور ایک تنگدست ہے تو اس وقت متوسط
نفقہ واجب الادا ہے رد المحتار جلد (۲) صفحہ (۶۶۳) باب النفقہ
میں ہے قال فی البحر واتفقوا علی وجوب نفقة الموسرين
اذا کانا موسرين وعلى نفقة المعسرين اذا كانا معسرين
وانما الاختلاف فيما اذا كان احدهما موسرا والاخر معسرا
فعلى ظاهر الرواية الاعتبار بحال الرجل فان كان
موسرا وهى معسرة فعليه نفقة الموسرين وفى عكسه
نفقة المعسرين واما على المفتى به فتجب نفقة
الوسط فى المسئلتين وفوق نفقة المعسرة
ودون نفقة الموسرة اور زوجہ جب شریف معزز خاندان
سے ہو تو اس کے نفقہ کے علاوہ دو خادموں کا نفقہ بھی زوج کے
ذمہ واجب ہے اور اگر شادی کے وقت اپنے ساتھ متعدد خادموں
کو زوج کے گھر لائی ہے تو ان تمام خادموں کا نفقہ زوج پر واجب ہے
درمختار کے اسی باب میں ہے زفت اليه بخدم كثير استحقت

نفقة الخميع ذكره المصنّف قال وفى البحر عن الغاية
وبه نأخذ قال وفى السراجية ويفرض عليه نفقة خادمها
وان كانت من الاشراف فرض نفقة خادمين وعلیہ الفتوی
ردالمحتار میں ہے قوله ثم قال وفى البحر الخ عبارة البحر هكذا
قال الطحاوى وروى صاحب الاملاء عن ابى يوسف ان
المرأة اذا كانت ممن يجل مقدارها عن خدمة خادم
واحد انفق على من لابد لها منه من الخدم ممن هو
اكثر من الخادم الواحد او الاثنين او اكثر من ذلك
قال وبه نأخذ كذا فى غاية البيان پس صورت مسئولہ میں
زوج وزوجہ دونوں چونکہ مالدار ہیں اور زوجہ شریف وذی ثروت خاندان
سے ہے اس لئے زوجہ اپنے اور اپنے خادموں کے نفقہ میں خاوند کی آمدنی
کے لحاظ سے ماہانہ سو روپیہ پانے کی مستحق ہے اور زوج پر کھانے اور کپڑے
وخادم کے خرچ کے علاوہ مکان مسکونہ بھی زوجہ کے لئے واجب ہے درمختار
کے باب النفقہ میں ہے هى لغة ما ينفقه الانسان على عياله
وشرعًا هى الطعام والكسوة والسكنى - فتجب للزوجة
على زوجها - والله اعلم بالصواب -

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ علاماتی ماں کی حقیقی بہن

یعنی علاتی خالہ سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

چونکہ علاتی ماں کی ماں یعنی علاتی نانی سے اور علاتی ماں کی لڑکی سے جو کہ اپنے باپ کے بطن سے نہیں ہے شرعاً نکاح جائز ہے اس لئے علاتی ماں کی حقیقی بہن یعنی علاتی خالہ سے بھی نکاح جائز ہے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ ۲۷۷ کتاب النکاح باب المحرمات بالصہریہ میں ہے لا باس بان یتزوج الرجل امرأۃ ویتزوج ابنہ ابنتھا او امھا کذا فی محیط السرخسی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ علاتی بھائی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔

ف ۲ نانا کے بھائی کی لڑکی یعنی ماں کے چچا کی لڑکی سے نکاح درست ہے یا نہیں۔

الجواب

علاتی بھائی کی لڑکی سے نکاح حرام ہے نزھۃ الارواح فیما یتعلق بالنکاح میں ہے السادسۃ بنات الاخ وان سفلت سواءً

کان الاخ شقیقاً او لاب او لام نانا کے بھائی کی لڑکی چونکہ محرمات سے نہیں ہے اس لئے آیہ کریمہ واحل لکم ما وراء ذلکم سے اس کا حلال ہونا ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید کے بعد زید کی زوجہ کے سامان جہیز و زیور وغیرہ میں جبکہ زید کی زوجہ زندہ ہے زید کے ورثاء کو کچھ حق ہے یا کیا اگر ہے تو کس قدر، زید کا ایک باپ اور ایک لڑکی اور زوجہ ہے۔

الجواب

زوجہ کا سامان جہیز جو اس کے ماں باپ نے دیا ہے یا خاوند نے اپنے حین حیات ہبہ کرکے قبضہ بھی کرا دیا ہے وہ سب زوجہ کی ملک ہے زوجہ کے حین حیات زید کے ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں البتہ جو املاک وزیورات کہ زید نے زوجہ کو ہبہ بالقبض نہیں کیا وہ زید کا متروکہ ہے بعد وضع مصارف تجہیز و تکفین و ادائی قرض و اجرائے وصیت باقی کے (۲۴) حصے کرکے لڑکی کو (۱۲) باپ کو (۹) اور زوجہ کو (۳) حصہ دئے جائیں ہٰذا صورتہ

زید مسئلہ من ۲۴

بنت	اب	زوجہ
۱۲	۹	۳

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ زید مجنون ہے اس کا بھائی بکر ہے زید کا نکاح حمیدہ کے ساتھ ہوا ایجاب و قبول مجنون سے کرایا گیا سیاہہ میں کسی کی ولایت درج نہیں ہے عورت کا بیان ہے کہ نکاح کے بعد خلوت صحیحہ بھی ہوئی ہے اور نکاح کی بھائی کو اطلاع تھی کیا یہ نکاح جائز و نافذ ہے اگر نافذ ہے تو مجنون اور اسکی زوجہ میں تفریق کس طرح ہو سکتی ہے کیا بولایت ولی خلع کرائی جائے یا طلاق دیا جا سکتا ہے۔

الجواب

مجنون نے ایجاب و قبول اگر بصحت ہوش و حواس افاقۂ کامل کے وقت کیا ہے تو اسکا یہ تصرف شرعًا درست و نافذ اور نکاح صحیح ہے اجازت ولی پر موقوف نہیں ردالمحتار کے جلد ۵ صفحہ ۹۴ کتاب الحجر میں ہے وجعله الزیلعی فی حال افاقته کالعاقل والمعتاد منه کالعاقل البالغ وبه اعترض الشرنبلالی فلا تتوقف تصرفاته اسی صفحہ میں ہے فیحترز به ان یفیق احیانًا ای یزول عنه مابه بالکلیة وهذا کالعاقل البالغ

فی تلک الحالۃ مجنون اگر افاقۂ کامل کی حالت میں طلاق دیدے تو طلاق
واقع ہوگی اور خلوۃ صحیحہ کی وجہ سے کامل مہر واجب الادا ہوگا واللہ اعلم
بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید کے دماغ پر چوٹ
لگنے کے باعث زید اس درجہ مختل الحواس و مجنون ہے کہ کسی وقت بھی اس
کے حواس برجا نہیں رہتے اسکی حقیقی ماں ہندہ اور حقیقی بھائی بکر موجود ہے
زید کا نکاح سعیدہ کے ساتھ پانچ سو روپیہ زر مہر پر ایجاب و قبول مجنون
سے کرایا گیا ہے سیاہہ میں کسی کی ولایت درج نہیں ہوئی عورت کا بیان
ہے کہ نکاح کے بعد خلوۃ صحیحہ بھی ہو چکی ہے نکاح برضامندی ماں کے
ہوا ہے اور بھائی کو اس کی اطلاع تھی کیا یہ نکاح جائز و نافذ ہے اگر نافذ ہے
تو اس وقت ضرورت یہ ہے کہ مجنون اور سعیدہ میں تفریق کرائی جائے تو کیا
بولایت مادر و برادر خلع ہو سکتا ہے یا طلاق دیا جا سکتا ہے اور کیا ولی
کے سکوت سے نکاح نافذ ہو سکتا ہے۔

الجواب

صورت مسئولہ میں جبکہ زید اس درجہ دیوانہ ہے کہ کسی وقت اس کے
حواس برجا نہیں رہتے اور بوقتِ نکاح اگر وہ ایجاب و قبول سمجھکر نہیں

کیا ہے تو چونکہ اس کو ان الفاظ کی تمیز نہیں اور نہ اس معاملہ کو سمجھکر الفاظ زبان سے نکالا ہے اس لئے اس کا یہ فعل بالکل لغو اور بمنزلہ حرکت ہے اس ایجاب وقبول ست نکاح بار و نافذ نہیں ایسی حالت میں اگر اسکو ولی عقد نکاح کی اجازت بھی دیتا تو مجنوں کے اسطرح ایجاب وقبول سے نکاح درست نہیں تاوقتیکہ ولی خود یا وکالتاً اس کا نکاح نہ کرا دے اور اگر بحالت افاقہ کامل سمجھ بوجھ کر ایجاب وقبول کیا ہے تو اس وقت چونکہ وہ عاقل کا حکم رکھتا ہے لہذا نکاح درست اور صحیح ہے تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد ۵ کتاب الحجر میں ہے (ولا تصرف المجنون المغلوب بحال) یعنی لایجوز تصرفه اصلاً ولو اجازه الولی لان صحة العبارة بالتمییز وهو لا تمیز له فصار کسمع الطوطی وان کان یجن تارة ویفیق اخری فهو فی حال افاقته کالعاقل۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر جلد (۲) صفحہ ۴۴۸ کتاب الحجر میں ہے (ولا تصرف المجنون المغلوب بحال) من الاحوال وان اجازه الولی لعدم اهلیته اصلا شرح میں ہے ولو اجازه الولی لعدم عقله قید بالمغلوب ای المستغرق لانه ان کان یجن ویفیق فهو فی حال افاقته کالعاقل صورت اول میں جونکہ نکاح فاسد و باطل ہے لہذا وطی ہو جانے کی حالت میں زوجہ کو مہر مثل جو مہر مسمیٰ سے زائد نہو دینا لازم ہے اور صورت ثانیہ میں کامل مہر مسمیٰ واجب الادا ہے در مختار کے نکاح فاسد میں ہے ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطء لا بغیره ولم یزد علی المسمیٰ پہلی صورت

میں چونکہ نکاح درست نہیں ہے اس لئے زوجین کو علیحدہ کر دینا کافی ہے دوسری صورت میں اگر زوج بحالت افاقہ کامل طلاق دیدے تو درست ہے اگر کسی حالت میں افاقہ نہیں تو زوجہ فسخ کی درخواست قاضی کے پاس پیش کرے کیونکہ فسخ کا اختیار شرعاً قاضی کو ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ باپ کی مزنیہ کے ساتھ نکاح کرنا کس مذہب میں جائز ہے اور کس میں نہیں۔

الجواب

باپ کی مزنیہ بیٹے کے لئے مذہب حنفی و مالکی و حنبلی میں حرام ہے اور مذہب شافعی میں جائز عالمگیریہ جلد (۱) کتاب النکاح باب محرمات الصہریہ میں ہے فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امها وان علت وابنتها وان سفلت وکذا تحرم المزنی بها علی آباء الزانی واجداده وان علوا وابناء وان سفلوا کذا فی فتح القدیر بلغۃ السالک فقہ امام مالک جلد (۱) صفحہ (۳۴۰) میں ہے (قوله فیحرم علیك زوجة ابیك) ای ولو من زنا۔ الروض المربع بشرح زاد المستقنع فقہ امام احمد ابن حنبل رح مطبوعہ برحاشیہ نیل المآرب جلد (۲) صفحہ (۱۴۳) میں ہے ومن وطی امرأۃ بشبهۃ او زنی حرم علیہ

امها وبنتها وحرمت علی ابنه شرح علامہ جلال الدین محلی علی منہاج الطالبین فقہ شافعی جلد (۳) صفحہ (۲۴۳) میں ہے لا تحرم علی الزانی امها وبنتها ولا تحرم هی علی ابیه وابنه کما لا یثبت الزنا النسب
واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دیا اور عدۃ ختم ہونے کے قبل عمرو اس کے ساتھ نکاح کیا کیا زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ درست ہے۔ فی الحال کسی وجہ سے عمرو ہندہ کو بغیر طلاق کے اپنے گھر سے نکالدیا ہے کیا اس وقت ہندہ کسی شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔

الجواب

اندرون عدت عمرو نے جو ہندہ سے نکاح کیا ہے شرعًا درست نہیں لہٰذا ہندہ اس وقت کسی اجنبی شخص سے نکاح کر سکتی ہے ردالمحتار جلد (۲) صفحہ (۶۲۳) باب العدۃ میں بحرالرائق سے منقول ہے امّا نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ ہندہ عاقلہ و بالغہ کا بیان ہے کہ میرے برادر حقیقی میرا نکاح زید سے کرانا چاہتے تھے جس سے مجھے انکار تھا آخرکار مجکو فریب سے محلہ نزپ بازار میں لے گئے وہاں میں ایک روز صبح کی نماز پڑھکر اتفاقاً ایسا سو گئی کہ گویا مجھے کسی نے معجون پیسکر استعمال کرادیا ایسی حالت میں مجھسے اجازت لئے بغیر سوتے میں میرا نکاح زید سے کرا دیا گیا جب مجھے ہوش آیا اور بیدار ہوی تو سنتے ہی فوراً ناراضی ظاہر کی جو بھائی کہ وکیل نکاح تھے وہ حلفاً مظہر ہیں کہ میں تنہا ہندہ کے پاس پہونچا ایک دو عورتیں ہندہ کے ساتھ تھیں میں اپنا وکیل ہونا سنا دیا مگر ہندہ کے اقبال کا یا سننے کا مجھے علم نہیں ہوا سُنے ہونگے سمجھکر میں نکاح بندھوا دیا۔ گواہ اول جو میرے حقیقی ماموں ہیں حلفاً مظہر ہیں کہ میں اور ہندہ کا بھائی گواہ ثانی باہر ہی تھے ہندہ کے اقبال کا بھی ہم کو علم نہیں ہوا۔ پس جبکہ میں اس سے ناراض تھی اور جعلی نکاح سے بیخبر اور خداوند عالم نے اس ناکح جعلساز کے پنجہ سے بھی مجھے تا حال محفوظ رکھا ہے تو کیا ایسی حالت میں سائلہ کسی سے عقد کرسکتی ہے یا نہیں ۔

الجواب

عاقلہ بالغہ صحیحۃ العقل کا نکاح بدون اسکی رضامندی کے جائز

نہیں اگر ولی بلا اجازت اس کے نکاح بھی کرا دے تو یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ اجازت دے تو جائز ہوگا اور اگر رد کر دے تو باطل جائیگا عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۲۸۷) کتاب النکاح باب الاولیاء میں ہے لایجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکرا کانت او ثیبًا فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتہا فان اجازت جاز وان ردتہ بطل کذا فی السراج الوھاج پس صورت مسئولہ میں ہندہ نے بعد نکاح بمجرد خبر پانے کے جب اس سے اپنی ناراضی ظاہر کردی تو یہ نکاح شرعًا باطل ہوگیا اب ہندہ کو حق ہے کہ جس کسی سے چاہے نکاح کرلے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید کی زوجۂ اولیٰ مسماۃ ہندہ کا انتقال ہوا جس کے بطن سے ایک لڑکی زینب ھے اس کے بعد زید سلمہ کو نکاح کیا اب ہندہ کی لڑکی زینب کا نکاح سلمہ کے برادر بکر سے کرنا چاہتا ہے کیا شرعًا درست ہے۔ بکر کو زید کی زوجۂ اوّل ہندہ سے کسی قسم کی قرابت نہیں تھی۔

الجواب

بکر کا نکاح زینب سے شرعا درست ہے۔ واللہ اعلم

بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ دو برادر حقیقی عمرو احمد سے عمر کی لڑکی مسماۃ زینب کی پوتی (فاطمہ) کا نکاح احمد کے فرزند (فضل) کے ساتھ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

زینب کی پوتی (فاطمہ) چونکہ فضل کی چچازاد بہن کی پوتی ہے اس لئے فاطمہ کا نکاح فضل کے ساتھ جائز ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید کی عمر اس وقت تخمیناً چالیس سال ہے اور تا حال نکاح نہیں کیا زید متشرع و پابندِ احکام شرعی ہے اس کو نکاح سے انکار نہیں مگر طبعی نفرت ہے کیا ایسے شخص سے میل جول رکھنا درست ہے اور یہ جو مقولہ ہے کہ ایسی شخص کی صورت دیکھنے سے خنزیر کا دیکھنا بہتر ہے کہاں تک درست ہے۔

الجواب

جس شخص کو شہوت کا غلبہ اور نکاح کی شدید خواہش ہے ایسے شخص

کے لئے نکاح واجب ہے اور جب اس کو یہ یقین ہو جائے کہ اگر میں نکاح نہ کروں
تو ضرور زنا میں مبتلا ہو جاؤنگا تو ایسی حالت میں نکاح فرض ہے اگر اس کو
شہوت کا غلبہ نہیں ہے اور وہ اعتدال کی حالت میں ہے تو ایسے شخص کیلئے
نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے مگر ان تینوں حالتوں میں یہ بھی شرط ہے کہ اس میں
جماع کرنے کی بھی قدرت ہو یعنی عنین و نامرد نہ ہو اور مہر و نفقہ ادا
کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہو اگر اس کو یہ خوف ہے کہ نکاح کرنے میں مجھ سے
احکام الٰہی کی پابندی نہیں ہوگی اور میں گنہ میں مبتلا ہو جاؤنگا تو ایسی حالت
میں نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے درمختار کے کتاب النکاح میں ہے ویکون
واجبا عند التوقان) فان تیقن الزنا الا به فرض نهایه وهذا
ان ملك المهر والنفقة والا فلا اثم بتركه بدایع (و)
یکون (سنة) مؤكدة في الاصح فياثم بتركه ويثاب
ان نوى تحصينا وولدا (حال الاعتدال) اى القدرة
على وطء ومهر ونفقة ورجح في النهر وجوبه للمواظبة
عليه والانكار على من رغب عنه (ومكروها لخوف
الجور) فان تيقنه حرم ردالمحتار میں ہے وفي البحر والمراد حالة
القدرة على الوطء والمهر والنفقة مع عدم الخوف
من الزنا والجور وترك الفرائض والسنن فلو لم يقدر
على واحد من الثلاثة او خاف واحدا من الثلاثة
اى الاخيرة فليس معتدلا فلا يكون سنة في حقه كما افاده

فی الدر ۱ نعم پس صورت مسئولہ میں زید کو نکاح سے طبعی نفرت اگر اس وجہ سے ہے کہ وہ جماع کی طاقت نہیں رکھتا یا اس کو خوف ہے کہ نکاح کے بعد اس سے احکام شرعیہ کی تعمیل و پابندی نہو سکیگی یا اس میں زوجہ کا مہر و نفقہ ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے اور نہ اسکو کوئی قرض حسنہ دیتا ہے تو ایسی حالت میں اس کا نکاح نہ کرنا بہتر ہے اور اگر ان وجوہ بالا سے کوئی وجہ نہیں ہے تو پھر اس کا نکاح کو ترک کرنا گناہ ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ایسے گنہ گار کو دیکھنا خنزیر کے دیکھنے سے بدتر ہے اس قول کا کسی معتبر کتاب میں ثبوت نہیں واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ زید ہندہ سے نکاح ثابت کرنے کی غرض سے کئی گواہ پیش کیا ان تمام گواہوں کا بیان ہے کہ اس عقد کا علم ہم کو زید ہی سے ہوا زید نے ہم سے یہ بیان کیا تھا کہ ہندہ سے میرا نکاح ہوا ہے اور گواہوں سے ایک بھی شریک محفل عقد نہیں رہا اور نہ کسی گواہ کو قاری النکاح وشہود عقد و مہر وغیرہ کا علم ہے کیا ایسی گواہی سے زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ شرعاً ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

گواہوں کا ناکح و منکوحہ کے ایجاب و قبول کو سننا ضروری ہے صورت

مسئولہ میں چونکہ کسی گواہ نے ایجاب و قبول نہیں سنا ہے اس لئے اس گواہی
سے زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ شرعاً ثابت نہیں عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ
(۲۶۸) کتاب النکاح میں ہے (ومنها) سماع الشاهدین کلامهما
هکذا فی فتح القدیر واللہ اعلم بالصواب والیہ
المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ
زر مہر اور سامان جہیز جو ہندہ اپنے گھر سے لے گئی اور اشیاء چڑھاوا و پارچہ جو کہ
شوہر نے بوقت شادی ہندہ کے لئے لایا اور ہندہ کو چڑھایا گیا یہ سب ہندہ
کی ملک ہے یا نہیں ہندہ کا انتقال ہوگیا ہے اور اوس کے ورثاء حسب ذیل
ہیں پدر۔ مادر۔ شوہر۔ برادر۔ ہمشیرہ۔ ان ورثاء میں کون اور کس قدر
حصہ پانے کا مستحق ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صدق بیان مستفتی زر مہر چونکہ زوجہ کی ملک بصورہ
بعض حق وطی کا معاوضہ ہے اس لئے یہ زوجہ کی ملک ہے۔ سامان جہاز
جو ماں باپ یا کسی ولی جائز کی جانب سے دیا جاتا ہے اس کے متعلق شرعاً عرف بلد
یعنی رواج ملک کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ حیدرآباد میں چونکہ عموماً جہاز لڑکی کی

ملک کر دیا جاتا ہے اس لئے یہ بھی لڑکی کی ملک ہے جس میں وراثت جاری
ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردالمحتار جلد (۲) کے صفحہ (۳۷۵) میں ہے
جھز ابنتہ بجھاز وسلمھا ذلک لیس لہ الاسترداد منھا
ولا لورثتہ بعدہ ان سلمھا ذلک فی صحتہ بل تختص
بہ وبہ یفتی ردمحتار میں ہے (قولہ لیس لہ الاسترداد)
ھذا اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثلہ
جھازا لاعاریۃ زوج جو زیورات ولباس کہ زوجہ کے لئے شادی کے
قبل بطور چڑاوے کے روانہ کیا ہے اگر زوجہ کو یہ زیورات ولباس بطور
ہبہ کے دیا ہے یا ان زیورات کو زوجہ کے مہر میں دیا ہے تو ایسے وقت
میں وہ زوجہ کی ملک ہے اس میں وراثت جاری ہوتی ہے ورنہ عاریۃ ہے
عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۳۲۷) میں ہے واذا بعث الزوج الی
اھل زوجتہ اشیاء عند زفافھا منھا دیباج فلما زفت
الیہ اراد ان یسترد من المرأۃ الدیباج لیس لہ ذلک
اذا بعث الیھا علی جھۃ التملیک کذا فی الفصول العمادیۃ
درمختار برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۳۷۳) میں ہے ولو بعث
الی امرأتہ شیئا ولم یذکر جھتہ عند الدفع غیر المھر
فقالت ھو ھدیۃ وقال ھو من المھر فالقول لہ فی
غیر المھیأ للاکل ولھا فی المھیأ لہ ردمحتار جلد (۴) صفحہ (۵)
کتاب البیوع میں ہے وھذا یوجد کثیرا بین الزوجین یبعث

الیها متاعًا وتبعث له ایضًا وهو فی الحقیقة هبة حتی لو ادعی الزوج العاریة رجع ولها ایضًا الرجوع لانها قصدت التعویض عن هبة فلما لم توجد الهبة بدعوی العاریة لم یوجد التعویض عنها فلها الرجوع پس صورت مسئولہ میں زر مہر اور سامان جہاز جو ماں باپ نے دیا ہے اور سامان جو خاوند کی جانب سے بطور ہبہ یا معاوضۂ مہر کے ملا ہے یہ سب زوجہ کی ملک ہے خاوند کے حین حیات اگر ہندہ کا انتقال ہوا ہے تو مصارف تجہیز و تکفین خاوند کے ذمہ ہیں ورنہ اس کے جملہ مال سے بعد وضع مصارف تجہیز و تکفین و ادائی دیون و اجراء وصیت جملہ مال کے چھ حصہ کر کے باپ کو دو ماں کو ایک شوہر کو تین حصے دے جائیں بھائی اور ہمشیرہ محروم ہونگے واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ہندہ ثیبہ سنی مذہب اپنی رضامندی و خوشی سے زید رافضی سے نکاح کرنا چاہتی ہے کیا از روے شریعت ہندہ کے ولی کو ہندہ کو اس نکاح سے باز رکھنے اور منع کرنے کا حق ہے یا نہیں بدون رضامندی ولی کے ہندہ اگر نکاح کرلے تو ایسی حالت میں ولی کا اسپر کوئی حق و جبر ہے یا نہیں بینوا توجروا۔
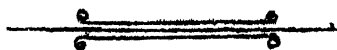
الجواب

جو رافضی کہ حضرت ابابکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کے منکر ہیں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور فرقۂ زیدیہ جو عجم سے ایک ایسے نبی کے آنے کا انتظار رکھتے ہیں جو ہمارے نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دین کو منسوخ کریگا اسی طرح وہ رافضی جو دنیا میں اموات کے رجوع ہونے اور تناسخ کے قائل ہیں اور وہ رافضی جو ائمہ میں روح الٰہی کے منتقل ہونے کے قائل ہیں اور وہ جو امام باطنی کے نکلنے کے قائل ہیں اور اس کے نکلنے تک تمام اوامر و نواہی کو بیکار جانتے ہیں اسی طرح وہ رافضی جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ جبرئیل علیہ السّلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف وحی لانے میں غلطی ہوی۔ اصل میں وحی علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر آنے والی تھی یہ تمام رافضی حنفیوں کے پاس کافر اور مذہب اسلام سے خارج ہیں ان کے احکام ہمارے پاس مرتدوں کے احکام ہیں فتاوی عالمگیری مصری جلد (۲) صفحہ (۲۹۲) باب کلمات الکفر میں ہے من انکر امامۃ ابابکر الصدیق رضی اللہ عنہ فھو کافر وعلی قول بعضھم ھو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر وکذالک من انکر خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ فی اصح الاقوال کذا فی الظھیریۃ ویجب

الکفار الزیدیۃ فی قولہم بانتظار نبی من العجم ینسخ دین نبینا وسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی الوجیز للکردری ویجب اکفار الروافض فی قولہم برجعۃ الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح وبانتقال روح الالٰہ الی الائمۃ وبقولہم فی خروج امام باطن وبتعطیلہم الامر والنہی الی ان یخرج الامام الباطن وبقولہم ان جبرئیل علیہ السلام غلط فی الوحی الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دون علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہولاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامہم احکام المرتدین کذا فی الظہیریۃ اور رد المحتار مصری کے جلد (۳) صفحہ (۳۲۰) میں ہے نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا او انکر صحبۃ الصدیق او اعتقد الالوہیۃ فی علیؓ او ان جبرئیل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن اور جو رافضی کہ صحابۂ کرام کو گالیاں دیتے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں ان کے گمراہ و بدکار ہونے پر تمام اماموں کا اتفاق ہے بلکہ بعض فقہا نے ان کو بھی کافر لکھا ہے اور جو علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت کے قائل ہیں وہ بدعتی ہیں رد المحتار مصری کے جلد (۳) صفحہ (۳۰۲) میں ہے فی الاختیار اتفق الائمۃ علی تضلیل اہل البدع اجمع وتخطئتہم وسب احد من

الصحابۃ وبعضہ لایکون کفرا لاکن یضلل اور عالمگیریہ جلد (۲) صفحہ (۲۹۲) میں ہے الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنہما والعیاذ باللہ فھو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ علی ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لایکون کافرا الا انہ مبتدع روایات سابقہ سے جبکہ رافضیوں کا کافر و بدکار و گمراہ ہونا ثابت ہے تو از روئے شریعت رافضی سے سُنّیہ عورت کا نکاح ناجائز ہے کیونکہ نکاح میں شرعاً زوج زوجہ کے مابین کفو کا لحاظ کیا گیا ہے اور ہمسری مرد کی عورت کے ساتھ اسلام و دینداری و تقویٰ میں بھی رکھی گئی ہے یعنی کافر یا غیر متقی و بدکار مرد ہرگز مومنہ عاصمہ و صالحہ کا ہمسر نہیں ہوسکتا عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۳۱۰) میں ہے (ومنھا الدیانۃ) ای تعتبر الکفاءۃ فی الدیانۃ وھذا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ وھو الصحیح کذا فی الھدایۃ فلایکون الفاسق کفوا للصالحۃ کذا فی المجمع سواء کان معلن الفسق اولم یکن کذا فی المحیط اور درمختار مطبوعہ برحاشیہ رد محتار مصری جلد (۲) صفحہ (۳۴۶) باب الکفاءۃ میں ہے (و) اما فی العجم فتعتبر (حریۃ واسلاما) وابوان فیھما کالآباء (و) تعتبر فی العرب والعجم (دیانۃ) ای تقوی فلیس فاسق کفوء الصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا

کان اولاً علی الظاہر ہو شرعاً کفارۃ ولی کا حق ہے یعنی
اگر لڑکی ثیبہ ہو یا باکرہ جبکہ غیر کفو سے نکاح کرنا چاہے اور
ولی ناراض ہو تو اس کا نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا اور اگر
ولی کو نکاح کے بعد معلوم ہو اور وہ فسخ کرانا چاہے تو
قبل حاملہ ہونے یا بچے والی ہونے کے قاضی کے پاس پیش
کر کے فسخ کرا سکتا ہے مگر یہ حق ولی کو اس وقت دیا گیا ہے
جبکہ وہ عصبہ ہو یعنی ولی باپ ہو یا حقیقی بھائی یا چچازاد بھائی یا دادا
وغیرہ اور جو ولی کہ ذوی الارحام سے ہیں یا ماں اور قاضی
اگر ولی ہے تو ایسے اولیاء کو لڑکی کے خود بخود غیر کفو سے
نکاح کر لینے کی صورت میں اعتراض و فسخ کا حق نہیں ہے
درمختار مطبوع بر حاشیہ ردمختار جلد (۲) صفحہ (۳۴۴) باب الکفاءۃ
میں ہے (و) الکفاءۃ (ھی حق الولی لا حقہا) فلو نکحت
رجلا ولم تعلم حالہ فاذا ھو عبد لا خیار لھا بل للاولیاء
اور صفحہ (۳۴۳) ردالمحتار میں ہے (قولہ الکفاءۃ
معتبرۃ) قالوا معناہ معتبرۃ فی اللزوم علی الاولیاء
حتی عند عدمہا جاز للولی الفسخ اھ فتح وھذا
بناء علی ظاہر الروایۃ من ان العقد صحیح وللولی الاعتراض
اما علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتویٰ من انہ لا یصح فالمعنی معتبرۃ
فی الصحۃ اور عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۳۱۰) میں ہے تم المراءۃ

اذا زوجت نفسها من غیر کفؤ صح النکاح فی ظاهر الروایة
عن ابی حنیفة رحمة اللہ علیہ وهو قول ابی یوسف
رحمہ اللہ تعالیٰ اٰخرا وقول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اٰخرا ایضاً
حتی ان قبل التفریق تثبت فیہ حکم الطلاق والظهار
والایلاء والتوارث وغیر ذلک ولکن للاولیاء
حق الاعتراض وروی الحسن عن ابی حنیفة رحمہم اللہ تعالیٰ
ان النکاح لا ینعقد وبہ اخذ کثیر من مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ
کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتویٰ روایة الحسن و
قال الشیخ الامام شمس الائمة السرخسی روایة الحسن
اقرب الی الاحتیاط کذا فی فتاوی قاضیخان فی فصل شرائط
النکاح وفی البزازیة ذکر برهان الائمة ان الفتویٰ فی
جواز النکاح بکرا کانت او ثیبا علی قول الامام الاعظم
وهذا اذا کان لها ولی فان لم یکن صح النکاح اتفاقا کذا
فی النهر الفائق ولا یکون التفریق بذلک الا عند القاضی
اور درمختار میں اسی جلد کے صفحہ (۳۲۲) باب الولی میں ہے ویفتی
فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان
اور رد المحتار میں ہے قولہ بعدم جوازہ اصلاً هذہ روایة
الحسن عن ابی حنیفة وهذا اذا کان لها ولی ولم یرض
بہ قبل العقد فلا یفید الرضا بعدہ بحر واما اذا لم

بلی لها ولی فهو صحیح نافذ مطلقًا اتفاقًا کما یأتی لان
وجه عدم الصحة علی هذه الروایة دفع الضرر عن الاولیاء
اما هی فقد رضیت باسقاط حقها فتح وقول البحر لم یرض
به لیشمل ما اذا لم یعلم اصلا فلا یلزم التصریح بعدم
الرضا بل السکوت منه لا یکون رضا کما ذکرنا فلا بد حینئذ
بصحة العقد من رضا لا صریحا وعلیه فلو سکت قبله
ثم رضی بعده لا یفید اور صفحہ ۳۲۱ میں ہے (وله) ای للولی
اذا کان عصبة الاعتراض فی غیر الکفء فیفسخه القاضی ویتجدد الاعتراض بتجدد النکاح
(مالم) یسکت حتی (تلده) لئلا یضیع الولد وینبغی الحاق الحبل الظاهر به
پس صورت مسئولہ میں ہندہ سنیہ کا نکاح زید رافضی سے شرعًا صحیح
و جائز نہیں ہے اور ولی کو قبل نکاح روکنے کا حق حاصل ہے مولانا
شاہ عبدالعزیز رح محدث دہلوی نے بھی فتاوی عزیزیہ مجتبائی کے
صفحہ (۱۲) میں عدم جواز نکاح تحریر فرمایا ہے اور اس نکاح سے مذہب میں
فتور آنے کا اندیشہ ظاہر کیا ہے واللہ اعلم بالصواب
والیه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ میت کی جائداد سے
خواہ مکسوبہ ہو یا موروثی یا عطیہ سلطانی دین مہر کی ادائی ضروری ہے یا

نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مہر چونکہ دوسرے قرضوں کی طرح ایک قرض ہے جیسا کہ فتاوی ہندیہ مصری کے جلد (۱) صفحہ (۱۴۱) میں ہے وهو دين فى ذمة الزوج اور خزانة الروایہ قلمی کے صفحہ (۱۰۴) میں ہے ان المهر دين اس لئے میت کے تمام قرضوں کی ادائی جس طرح کہ اس کی ہر قسم کی جائداد سے کیجاتی ہے اوسی طرح مہر کی ادائی واجب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید اپنی مزنیہ کی لڑکی سے جس کا اس کے صلب سے نہونا یقینی ہے خود یا اپنے اس لڑکے کے ساتھ جو مزنیہ مذکورہ کے بطن سے نہیں ہے نکاح کرا سکتا ہے یا نہیں مزنیہ کے اعلیٰ و اسفل عورتوں کے ساتھ یعنے ماں و نانی و دادی یا پوتی و نواسی سے خود یا اپنے لڑکے کا عقد کرسکیگا یا نہیں۔

الجواب

نکاح والی عورت کی ماں نانی دادی بیٹی پوتی وغیرہ جس طرح کہ ناکح پر حرام ہیں اسی طرح مزنیہ کی ماں نانی دادی بیٹی پوتی وغیرہ بھی

زانی پر حرام ہیں عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۲۹۱) وتثبت بالوطی حلالاً کان اوعن شبہۃ اوزناً کذا فی فتاوی قاضیخان فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت البتہ مزنیہ کے پہلے خاوند کی لڑکی کا زانی کے دوسری عورت کے لڑکے سے نکاح جائز ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ عابدہ عاصمہ کی ماں ہے اور خالد۔ عمرو کا باپ ہے کیا خالد کا عابدہ سے اور عمرو کا عاصمہ سے ایک وقت میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ایک ہی محفل میں ان دونوں کا نکاح کرنا جائز ہے۔ فتح القدیر مصری کے جلد (۳) صفحہ (۱۲۰) میں ہے جاز التزوج بامرءوجۃ الابن وبنتہا وجاز للابن التزوج بامرءوجۃ الاب وبنتہا اور فتاویٰ عالمگیریہ مصری جلد (۱) صفحہ (۷۷) میں ہے لاباس بان یتزوج الرجل امرأۃ ویتزوج ابنہ ابنتہا اوامہا کذا فی محیط السرخسی۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

اس مسئلہ شرعی میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ زید کی دو بی بیاں تھیں ایک کے ساتھ بعد ادائی رسوم شادی سہرا وکنگن ناچ ورنگ وغیرہ کیساتھ نکاح کیا دوسری بی بی کے ساتھ بلا ادائے رسوم مندرجہ بالا صرف حسب سنت نبوی نکاح کیا ان ہر دو بی بیوں سے اولاد موجود ہیں کیا ان ہر دو زوجگان کی اولاد کے حقوقِ توریث حسب شرع شریف مساوی ہیں یا کم و بیش۔ بلیوا توجروا۔

الجواب

شرعاً نکاح دو گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول کرنے سے منعقد ہو جاتا ہے اور رسومات یعنی کنگن و ناچ ورنگ وغیرہ نکاح کے لئے شرط نہیں ہیں بلکہ یہ شرعاً ممنوع ہیں اس لئے دونوں بی بیوں کی اولاد شرعاً برابر حصہ پانے کے مستحق ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہندہ جو بالغہ وعاقلہ ہے متعدد مرتبہ ایک ہی جلسے کے متعدد اشخاص کے روبرو جب کبھی موقع ملا یہی اور کہتی ہے کہ مجھے زید کی زوجہ ہونا منظور ہے اور زید بھی یہ کہتا ہے کہ ہندہ کو اپنی زوجیت میں لینا مجھے ہر طرح منظور ہے لیکن ہندہ کے والدین ہندہ کو مقید رکھکر دوسرے شخص سے نکاح کر دینا چاہتے ہیں کیا ہندہ اور زید کا یہ ایجاب وقبول دونوں کو زوج وزوجہ ثابت کرسکتا ہے جو دوسرے شخص سے ہندہ کے نکاح کا مانع ہو بلیوا توجروا۔

الجواب

شرع میں نکاح کے شروط سے یہ بھی ایک شرط ہے کہ ایک ہی مجلس میں دونوں کا ایجاب وقبول ہو یہاں تک کہ اگر ایک مجلس میں دونوں حاضر ہوں اور ایک کی جانب سے ایجاب ہو اور دوسرا بدون قبول کرنے کے مجلس سے کھڑا ہو جائے یا اس کے ایجاب کو سُنکر بغیر قبول کرنے کے کسی دوسرے کام میں مصروف ہو جائے جس سے مجلس بدل جاتی ہے تو شرعاً یہ نکاح منعقد نہیں ہوتا اسی طرح اگر عورت دو گواہوں کے روبرو مرد کے غائبانہ یہ کہے کہ میں فلاں سے نکاح کر لی پھر اس کی خبر مرد کو پہونچے اور مرد اسکو قبول کر لے یا مرد عورت کے غائبانہ دو گواہوں کے روبرو یہ کہے کہ میں فلاں عورت کو نکاح میں لایا پھر یہ خبر عورت کو ملی اور عورت اوسکو قبول کر لی اس صورت میں اگرچہ ایجاب وقبول انہیں دو گواہوں کے روبرو ہوا مگر چونکہ عورت یا مرد اصالتاً و وکالتاً مجلس نکاح سے غائب ہیں اس لئے شرعاً یہ نکاح معتبر و منعقد نہیں ہے۔ فتاوے عالمگیریہ مصری کے جلد (۱) صفحہ (۲۶۹) میں ہے (ومنها) ان یکون الایجاب والقبول فی مجلس واحد حتی لو اختلف المجلس بان کانا حاضرین فاوجب احدهما فقام الاخر عن المجلس قبل القبول او اشتغل بعمل یوجب اختلاف المجلس لا ینعقد وکذا اذا کان احدهما غائبا لم ینعقد حتی لو قالت امراءة بحضرة شاهدین زوجت نفسی من فلان وهو غائب فبلغه الخبر فقال قبلت اوقال رجل بحضرة شاهدین تزوجت

فلانۃ وھی غائبۃ فبلغھا الخبر فقالت زوجت نفسی منہ لم یجز وان کان القبول بحضرۃ ذینک الشاھدین وھذا قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ پس صورت مسئولہ میں ہندہ جس جلسے میں ایجاب کر رہی ہے اسی جلسے میں زید کا قبول کرنا ثابت نہیں ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ زید اس جلسے میں نہیں تھا لوگوں کے ذریعہ سے اس کو اسکی خبر ملی تب اس نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔ علاوہ بریں انعقاد نکاح کیلئے شرعاً یہ بھی ضروری ہے کہ ایجاب وقبول کے لفظ دونوں ماضی کے صیغے ہوں یا ایک ماضی کا ہو اور دوسرا مضارع کا یعنی یہ کہا جائے کہ میں فلاں کو نکاح کیا یا فلاں کو اپنے نکاح میں قبول کیا۔ صورت مسئولہ میں ہندہ کا یہ قول (کہ مجھکو زید کی زوجہ ہونا منظور ہے) ماضی کا صیغہ نہیں اور نہ زید کا یہ قول (کہ مجھکو ہندہ کا اپنی زوجیت میں لینا ہر طرح منظور ہے) ماضی کا صیغہ ہے نظر بریں وجوہ اس وقت ہندہ شرعاً زید کی زوجہ نہیں ہے اور نہ زید ہندہ کا شوہر ہے اگر ہندہ اس وقت زید کے سوا اپنے ہم شل کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہے تو جائز ہے۔

ف ہندہ جبکہ عاقلہ و بالغہ ہے اور زید شرافت اور مال اور مذہب و پرہیزگاری میں اگر ہندہ کے ہم شل ہے تو ہندہ کو زید سے نکاح کرنے کا اختیار ہے ولی کو روکنے کا حق نہیں ہے اور اگر زید ان امور میں ہندہ کے شل نہیں ہے تو ولی کو اعتراض کرنے اور روکنے کا حق ہے ردالمحتار جلد (۲) صفحہ (۳۲۵) باب الکفارۃ میں ہے حاصلہ ان المراءۃ اذا زوجت نفسھا من کفء

لزم علی الاولیاء وان زوجت نفسہا من غیر کفؤ لا یلزم او لا یصح واللہ اعلم بالصواب ۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں اس مسئلے میں کہ سماۃ ہندہ عاقلہ بالغہ کا عقد زید سے جو اسکا ہم کفو ہے قرار پایا ہے لیکن خالد جو ہندہ کا چچا اور ولی ہے اس عقد سے ناراض ہے کیا خالد کی ناراضی سے نکاح ناجائز ہوگا کیا ہندہ بوجہ عقل وبلوغ اپنی رضامندی سے بغیر استمزاج ولی کے نکاح کر سکتی ہے ۔ بیوا توجروا ۔

الجواب

شرعاً عرب کے سوا عجم کیلئے کفاءت اس طرح ہے کہ زوج وزوجہ دونوں حر یعنی آزاد ہوں کسی کے غلام نہوں اور زوج مذہب اور تقویٰ وپرہیزگاری اور مال وپیشہ میں زوجہ کے مساوی ہو درمختار مطبوع برحاشیہ ردمحتار مصری جلد (۲) صفحہ (۳۲۷) باب الکفاءت میں ہے (و) واما فی العجم فتعتبر (حریۃ واسلاما) اور صفحہ (۳۲۸) میں ہے (و) تعتبر فی العرب والعجم (دیانۃ) ای تقویٰ (ومالا وحرفۃ) پس صورت مسئولہ میں اگر زید حسب تفصیل سابق تمام باتوں میں ہندہ کا کفو اور مثل ہے تو ہندہ زید سے بلا رضامندی ولی کے بھی عقد کر سکتی ہے اور ولی کو اعتراض کا حق نہیں ہے اور اگر زید ان تمام باتوں میں ہندہ کا کفو اور مثل نہیں ہے تو ولی کو روکنے اور اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے

ردالمحتار جلد (۱) صفحہ (۳۲۵) باب الکفاءۃ میں ہے حاصلہ ان المرأۃ اذا زوجت من غیر کفوء لا یلزم او لا یصح۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زوج اپنی زوجہ کو بغیر دخول یا خلوت صحیحہ کے طلاق دیدے تو زوجہ بغیر گزارنے ایام عدت کے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب

عدت کے واجب ہونے کا سبب دخول یا خلوت صحیحہ یا موت ہے بدوں دخول یا خلوت صحیحہ کے اگر طلاق دی جائے تو شرعاً عدۃ واجب نہیں ہے درمختار مطبوع برحاشیہ ردمحتار مصری کے جلد (۲) صفحہ (۶۱۵) باب العدۃ میں ہے (وسبب وجوبہا) عقد (النکاح المتاکد بالتسلیم وما جریٰ مجراہ) من موت او خلوۃ صحیحۃ اور ردمحتار میں ہے (قولہ بالتسلیم) ای بالوطء کفایہ کے باب العدۃ میں ہے ان عدۃ الطلاق لا تجب الا بعد الدخول او الخلوۃ۔ پس صورت مسئولہ میں عورت کا طلاق کے بعد بلا گزارنے عدۃ کے دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ہندہ نے عاقلہ بالغہ جسکی عمر چودہ سالہ ہے اپنے باپ کے بلا رضا مندی اپنی مرضی سے ربد سے جو ہم کفو و شرعی ہے بہ تکمیل احکام شرعی اپنا نکاح کر لی اس نکاح سے ہندہ کی ماں نانا سب راضی ہیں۔ کیا ۱۴ سال میں شرعاً بلوغ ممکن ہے یا نہیں اور ہندہ صحت و جواز عقد میں ولی کے اجازت کی محتاج ہے یا نہیں اگر محتاج نہیں ہے تو ہندہ کا یہ فعل شرعی سمجھا جائیگا یا کیا ایسا نکاح لائق فسخ ہوگا بدلائل بیان فرمایا جائے۔

الجواب

لڑکی احتلام اور حیض اور حمل سے بالغہ سمجھی جاتی ہے اگر ان تینوں سے کوئی بھی نہ پائی جائے تو اس کے لئے پندرہ سال عمر رکھی گئی ہے اس عمر تک پہونچنے کے بعد بدون احتلام و حمل و حیض کے بھی بالغہ سمجھی جاتی ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۵) صفحہ (۱۰۰) کتاب الحجر میں ہے (بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال) و الاصل هو الانزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحمل فان لم يوجد فيهما شئ (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى لقصر اعمار اهل زماننا

(وادنیٰ مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولہا تسع سنین) ھوالمختار کما فی احکام الصغار اور قدوری مجتبائی کے صفحہ (۸۲) کتاب الحجر میں ہے وبلوغ الجاریۃ بالحیض والاحتلام والحبل فان لم یوجد ذلک فحتی یتم لہا سبع عشر سنۃ وقالا اذا تم للغلام والجاریۃ خمسۃ عشر سنۃ فقد بلغا وعلیہ الفتویٰ پس صورت مسئولہ میں اگر ہندہ کو ۱۴ سال ہی کی عمر میں حیض آنے لگا ہے یا احتلام ہوتا ہے تو ہندہ شرعاً عاقلہ وبالغہ ہے اور اس کا نکاح اپنے ہم کفو زید سے بلا رضا مندی واجازت ولی کے درست ہے اور ولی کو فسخ کا حق نہیں ہے ردالمحتار کے جلد (۲) صفحہ (۳۲۵) باب الکفاءۃ میں ہے ان المرأۃ اذا زوجت نفسہا من کفء لزم علی الاولیاء وان زوجت نفسہا من غیر کفء لایلزم او لایصح اور ہدایہ اولین مجتبائی کے صفحہ (۲۹۳) باب الاولیاء میں ہے وینعقد نکاح الحرۃ العاقلۃ البالغۃ برضاھا وان لم یعقد علیہا ولی بکرا کانت او ثیبا عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ فی ظاہر الروایۃ اور صفحہ (۲۹۴) میں ہے ثم فی ظاہر الروایۃ لافرق بین الکفوء وغیر الکفوء لکن للولی الاعتراض فی غیر الکفوء واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ہندہ کو پہلے شوہر سے ایک دختر مسماۃ مریم تھی پھر اوس نے زید سے نکاح کیا اس سے ایک دختر فاطمہ پیدا ہوی اس کے بعد مریم ایک دختر مسماۃ زینب چھوڑکر فوت ہوگئی اگر فاطمہ کا شوہر زینب سے بموجودگی فاطمہ نکاح کرے تو درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح میں ایسی دو عورتوں کا جمع کرنا کہ ان میں سے اگر ہر ایک کو مرد فرض کریں تو دوسرے سے اس کا نکاح حرام ہوتا ہے شرعاً ناجائز ہے عالمگیریہ مصری جلد (۱) صفحہ (۲۷۷) باب المحرمات میں ہے والاصل ان کل امرأتین لو صورنا احدٰھما من ای جانب ذکراً لم یجز النکاح بینھما برضاع او نسب لم یجز الجمع بینھما ھکذا فی المحیط بنابرین خالہ بھانجی کا نکاح میں جمع کرنا شرعاً ناجائز ہے عالمگیری میں اسی جگہ ہے فلا یجوز الجمع بین امرأۃ وعمتھا نسباً او رضاعاً وخالتھا کذلک اور شرعاً اخیافی خالہ وبھانجی حرمت میں حقیقی خالہ بھانجی کے برابر ہیں جیسا کہ عالمگیریہ کے جلد (۱) صفحہ (۲۷۳) باب المحرمات کی عبارت واما الاخوات فالاخت لاب وام والاخت لاب والاخت

لام و كذا بنات الاخ والاخت وان سفلن واما الخالات فخالة
لاب وام وخالة لاب وخالة لام) میں لفظ وکذا بنات الاخ
والاخت اور وخالتہ لام سے ثابت ہے۔ پس صورت مسؤلہ میں زید
کا فاطمہ یعنی اخیافی خالہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے زینب یعنی اخیافی
بھانجی کو نکاح کرنا ناجائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں
کہ زید کو زوجہ اولیٰ حمیدہ کے بطن سے ایک فرزند مسمی بکر موجود ہے۔ اب زید
بکر کا نکاح اپنی دوسری زوجہ کی بہن سے کرنا چاہتا ہے۔ شرعاً جائز ہے یا نہیں

الجواب

شرعاً علاتی ماں کی ماں سے اور اسکے پہلے خاوند کی بیٹی سے نکاح
جائز ہے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۲۷۷) میں ہے لا بأس بان يتزوج
الرجل امرأة ويتزوج ابنه امها او ابنتها كذا في محيط السرخسي
پس جبکہ علاتی ماں کی ماں یعنی علاتی نانی اور علاتی ماں کی بیٹی سے نکاح کرنا
جائز ہے تو علاتی ماں کی بہن یعنی علاتی خالہ سے بھی جائز ہے۔ واللہ
اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین و متبعان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک شخص اپنی حقیقی بھانجی سے نکاح کیا اور مفقود ہوگیا کیا اوس کی تفریق کے لئے قاضی کو چاہیئے کہ زوج کا انتظار کرکے بعد حضوری تفریق کرائے یا بغیر تفریق کے اوسکو دوسرا شخص نکاح کرسکتا ہے۔

الجواب

محرمات سے نکاح شرعاً باطل ہے البتہ فاسد میں محض عدۃ کا فرق ہے چنانچہ ردالمحتار مصری جلد (۲) صفحہ (۳۶۰) میں ہے والحاصل انہ لا فرق بینہما فی عدم العدۃ اما فیہا فالفرق ثابت اور بعض فقہائے یہاں فاسد کو باطل کے معنے میں لیا ہے چنانچہ اسی جگہ ہے وفسر القہستانی ھٰھنا الفاسد بالباطل ومثلہ بنکاح المحارم اور اس قسم کے نکاح میں شرعاً زوج و زوجہ ہر ایک کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ بدون حاضری دوسرے کے اسکو فسخ کرلے اور علحدہ ہوجاے کیونکہ گناہ سے بچنا ہر ایک پر لازم ہے۔ مابین ہردو کے وطی ہونے اور نہونے کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہر حالت میں ہے اور خود علحدہ نہونے کی صورت میں قاضی پر انکی تفریق واجب ہے۔ درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۳۶۰) کتاب النکاح میں ہے (و) یثبت (لکل واحد منہما فسخہ

ولو بعد مضی عن صاحبہ دخل بہا اولا) فی الاصح خروجاً عن
المعصیۃ فلا ینافی الوجوب بل یجب علی القاضی التفریق بینہما
ردمحتار میں تحت قول بل یجب علی القاضی مکتوب ہے ای ان لم یتفرقا
پس صورت مسئولہ میں جبکہ شرعاً ہر ایک کو دوسرے کے غائبانہ میں فسخ کرنے کا
حق دیا گیا ہے اور فسخ نکرنے کی صورت میں منجانب شرع قاضی تفریق پر مامور ہے
تو قاضی کو ہر ایک کے غائبانہ بھی فسخ و تفریق کا حق حاصل ہے۔ واللہ
اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ہندہ
عربیۃ النسب کا نکاح عجمی النسب مرد سے جائز ہے یا نہیں حالانکہ اس وقت ہندہ
کے ہم کفو اشخاص بھی اس سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اور ہندہ کا ایک حقیقی بھائی
صغیر السن اور چچازاد بھائی عاقل و بالغ موجود ہے ان بھائیوں سے حقِ ولایتِ
نکاح کسکو ہے اور ہندہ کو غیر کفو عجمی النسب کے نکاح سے روکنے کا ولی کو
حق ہے یا نہیں۔ بمذہب شافعیہ و حنفیہ اس کا جواب عطا ہو۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی امام شافعی رحمۃ اللہ کے مذہب میں عربیہ
عورت اگرچہ اس کا باپ ہی صرف عربی ہو اور ماں عجمیہ ہو عجمی مرد کیلئے جسکا

باپ عجمی ہوا اگرچہ اس کی ماں عربیہ ہو کفو نہیں ہے تحفۂ شرح منہاج الطالبین مطبوعہ مصر کے جلد (۷) صفحہ (۲۷۹) کتاب النکاح میں ہے (فالعجمی) اما وان کانت امہ عربیۃ (لیس کفو عربیۃ) وان کانت امھا عجمیۃ عورت جبکہ غیر کفو سے نکاح کرنا چاہے اسکے ولی کو اس نکاح سے روکنے اور منع کرنے کا حق حاصل ہے۔ فتاویٰ ابی زیاد صفحہ (۲۴۳) میں ہے الکفاءۃ حق للمرأۃ والولی واحد کان او جماعۃ مستوین فی درجۃ فلابد من رضاھا ورضاھم مطلقاً ولا یکفی الحضور والسکوت نکاح کی ولایت باپ کو ہے اسکے بعد دادا کو پھر پڑدادا کو پھر حقیقی بھائی کو پھر علاتی بھائی کو پھر بھائی کے بیٹے کو پھر بھائی کے پوتے کو پھر بھائی کے پروتے کو اگرچہ وہ کتنے ہی چھوٹے درجہ کا ہو اور ان کے نہونے کی صورت میں چچا کو پھر چچا کے بیٹے کو پھر پوتے اور پروتے کو چاہے وہ کسی ہی چھوٹے درجہ کا ہو اوسکے بعد تمام عصبا کو ہے منہاج الطالبین مصری کے صفحہ (۹۰) میں ہے احق الاولیاء بالتزویج اب ثم جد ثم ابوہ ثم الاخ لابوین ثم لاب ثم ابنہ وان سفل ثم عم ثم ابنہ وان سفل ثم سائر العصبۃ کالارث قریب درجہ والا ولی اگر غلام یا بچہ یا دیوانہ یا مختل النظر وغیرہ ہو تو اس وقت دور والے شخص کی طرف جس میں یہ عیوب نہوں ولایت منتقل ہو جاتی ہے منہاج الطالبین کے صفحہ (۹۰) کتاب النکاح میں ہے لا ولایۃ لرقیق وصبی ومجنون ومختل النظر بھرم او خبل وکذا المحجور علیہ بسفہ علی المذہب ومتی کان الاقرب ببعض ھذہ الصفات فالولایۃ للابعد پس صورت مسئولہ میں حسب مذہب شافعیہ حقیقی بھائی چونکہ کمسن ہے اور اسکے

بعد والے کوئی ولی بجز چچازاد بھائی کے نہیں ہیں اس لئے چچازاد بھائی کو یہ حق حاصل ہے کہ ہندہ کو عجمی النسب سے نکاح کرنے کے لئے منع کرے اور بدون رضامندی اس کے نکاح درست نہیں۔

ف حنفیہ کے پاس بھی عجمی مرد عربیہ عورت کا کفو نہیں ہے در مختار مطبوعہ برحاشیۂ ردمختار جلد (۲) صفحہ (۳۳۱) باب الکفاءۃ میں ہے (العجمی لا یکون کفوءً اللعربیۃ ولو) کان العجمی (عالماً) اوسلطاناً (وھوالاصح) عورت جبکہ غیر کفو سے نکاح کرنا چاہے اور اس کا ولی اس سے راضی نہ ہو تو یہ نکاح ناجائز ہے در مختار مطبوعہ برحاشیۂ ردمختار مصری جلد (۲) صفحہ (۳۰۵) باب الولی میں ہے (ویفتی) فی غیر الکفوء (بعدم جوازہ اصلا) وھو المختار للفتویٰ (لفساد الزمان) ردالمحتار میں ہے۔ (قولہ بعدم جوازہ اصلا) ھٰذہ روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ وھذا اذا کان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضا بعدہ ولی نکاح سب سے پہلے بیٹا ہے پھر پوتا پھر پروتا ہے اگرچہ چھوٹے درجے کا ہو اس کے بعد باپ پھر دادا اگرچہ اوپر کے درجے کا ہو پھر حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی پھر حقیقی بھائی کی اولاد پھر علاتی بھائی کی اولاد پھر حقیقی چچا پھر علاتی چچا اس کے بعد حقیقی چچا کی اولاد پھر علاتی چچا کی اولاد ہے عالمگیریہ مصری جلد (۱) صفحہ (۲۸۳) باب الاولیا میں ہے واقرب الاولیاء الی المرأۃ الابن ثم ابن الابن وان سفل ثم الجد ابو الاب وان علا کذا فی المحیط ثم الاخ لاب وام

ثم الاخ لاب ثم ابن الاخ لاب وام ثم ابن الاخ لاب وان سفلوا ثم العم لاب وام ثم العم لاب ثم ابن العم لاب وام ثم ابن العم لاب وان سفلوا الخ ولی قریب کمسن ہونے کی صورت میں ولی بعید کو حق ولایت ہے ردالمحتار جلد (۲) صفحہ (۳۲۳) میں ہے اما لو کان صغیراً او مجنوناً جاز نکاح الابعد ذخیرہ پس صورت مسئولہ میں مذہب حنفیہ کے موافق بھی ہندہ کا غیر کفو عجمی سے بدون اجازت چچازاد بھائی کے نکاح کرنا ناجائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید کے دو زوجہ ہیں۔ ایک ہندہ دوسری زبیدہ۔ ہندہ کے بطن سے سکینہ ہے اور زبیدہ کے بطن سے بکر ہے اب سکینہ کی بیٹی حمیدہ سے بکر کا نکاح جائز ہے یا نہیں مخفی نرہے کہ حمیدہ کا باپ بکر کا حقیقی ماموں ہے۔

الجواب

سکینہ بکر کی علاتی بہن ہے اور علاتی بہن کی بیٹی بھی شرعاً حرام ہے عالمگیری مصری جلد (۱) صفحہ (۲۷۳) باب المحرمات میں ہے وکذا بنات الاخ

والاخت وان سفلن درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۲) صفحہ ۲۸۴ باب محرمات میں ہے حرم اصله وفرعه وبنت اخیه واخته وبنتها پس صورت مسئولہ میں بکر کا اپنی علاتی بہن سکینہ کی لڑکی حمیدہ سے نکاح کرنا حرام ہے ۔ ماموں کی لڑکی شرعاً جائز ہے مگر چونکہ اس صورت میں ہو ماں یعنے سکینہ بکر کی علاتی بہن ہے اس لئے اس کی لڑکی حمیدہ حرام ہوئی واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متیں اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو باکرہ جانکر عقد کیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ ہندہ کو سات ماہ کا حمل ہے عام اس سے کہ وہ جائز ہے یا ناجائز ایا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں ۔

الجواب

جس عورت کو زنا سے حمل ہے ایسی عورت کا بحالت حمل نکاح کرنا صحیح وجائز ہے مگر وضع حمل تک اس سے وطی یعنے صحبت کرنا حرام ہے اور جس عورت کا حمل زنا سے نہیں بلکہ جائز طریقہ سے ہے بحالت حمل اوس سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے ملا مسکین مطبوعہ برحاشیہ فتح المعین جلد (۲) صفحہ ۲۲ کتاب النکاح میں ہے (و) حل تزوج (حبلی من زنا) ولکن لا یطؤها حتی تضع حملها عند هما لا من غیره ای لا یحل تزوج حبلی من غیر زانی اور درمختار

مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۲) صفحہ ۲۹۹ (و) صح نکاح (حبلی من زنا) حبلی (من غیرہ) ای الزنا لثبوت نسبہ ولو من حربی وسبیلھا المقربۃ (وان حرم وطؤھا) ودواعیہ حتی تضع) الخ وہ شخص جس نے اس سے زنا کیا ہے اور اس کے زنا سے وہ حاملہ ہوئی ہے اگر اس سے نکاح کرلے تو اس کو بحالت حمل صحبت کرنیکی اجازت ہے اسی جگہ فتح المعین میں ہے ولاخلاف فی جوازہ للزانی اور ردمختار میں ہے لونکحھا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقا والولد ولزمہ النفقۃ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ہمشیرہ ہندہ کا اپنے پھوپی زاد بھائی بکر کے ساتھ اوس کی زوجہ رضیہ فوت ہونے کے بعد عقد کردیا ہندہ بھی دو لڑکوں کو چھوڑ کر فوت ہوئی زید بکر کی لڑکی کو جو رضیہ متوفیہ کے بطن سے ہے اپنے عقد میں لانا چاہتا ہے۔ یہ عقد صحیح ہوگا یا نہیں۔

الجواب

زید کا اپنے پھوپی زاد بھائی بکر کی لڑکی سے جو رضیہ کے بطن سے ہے نکاح کرنا شرعا درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمع بین الاختین نکاح میں ازروئے مذہب حنفیہ باطل ہے یا فاسد اور بحالت جمع اولاد کا نسب ثابت ہوگا یا نہیں

الجواب

نکاح میں احکام کے لحاظ سے فاسد و باطل دونوں ایک ہی ہیں جیسے عدۃ و ثبوت نسب جس طرح نکاح فاسد میں ہے بربنائے مذہب صحیح نکاح باطل میں بھی ہے در مختار مطبوعہ برحاشیہ رد محتار جلد ۲ ص ۶۲۳ باب العدہ میں ہے (وعدۃ المنکوحۃ نکاحا فاسدا) فلا عدۃ فی باطل وکذا موقوف قبل الاجازۃ اختیار لکن الصواب ثبوت العدۃ والنسب بحر۔ رد محتار میں ہے (قولہ فلا عدۃ فی باطل) فیہ انہ لا فرق بین الفاسد والباطل فی النکاح بخلاف البیع کما فی نکاح الفتح والمنظومۃ المحبیۃ اور ص ۳۶۰ میں ہے وفسر القہستانی ھھنا الفاسد بالباطل ومثلہ بنکاح المحارم پس صورت مسئولہ میں اگر ناکح ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح کیا ہے تو دوسری بہن کا نکاح شرعاً فاسد و باطل ہے ناکح کو چاہئے کہ خود علیحدہ ہو جائے اور قاضی پر بھی لازم ہے کہ معلوم ہوتے ہی دونوں کو علیحدہ کر دے اگر بدون وطی کے علیحدگی ہوئی ہے

تو کوئی حکم شرعی مہر وعدۃ وغیرہ ثابت نہیں ہوتا اور اگر وطی کے بعد علیحدگی ہوئی
تو زوج کو مہر مقرر اور مہر مثل اُن دونوں سے جو کم ہو دینا ہوگا اور عورت کو بعد تفریق
عدۃ شرعی گذارنا لازم ہے اور اس وطی سے اگر حمل ہوگیا ہے تو ناکح کا نسب بھی ثابت
ہوگا مگر اس کے ساتھ ناکح پر لازم ہے کہ بعد تفریق عدۃ ختم ہونے تک اپنی پہلی زوجہ
سے جو دوسری زوجہ کی حقیقی بہن ہے بالکل علٰحدہ رہے البتہ ختم عدۃ کے بعد اس سے
مِل سکتا ہے عالمگیریہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۷ جمع بین المحرمات میں ہے وان تزوجهما فی
عقدتین فنکاح الاخیرة فاسد ویجب علیه ان یفارقها
ولو علم القاضی بذلك یفرق بینهما فان فارقها
قبل الدخول لا یثبت شیٔ من الاحکام وان فارقها بعد
الدخول فلها المهر ویجب الاقل من المسمی ومن المهر المثل و
علیها العدة ویثبت النسب ویعتزل عن امرأته حتی ینقضی
عدة اختها کذا فی المحیط السرخسی ۔ واللّٰه اعلم
بالصواب والیه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ باکرہ بالغہ اگر بلا رضامندی باپ کے
عمرو سے جو ہم کفو ہے نکاح کرے تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں بعض علماء نے اس کا
جواب اس طرح دیا ہے کہ باکرہ عاقلہ و بالغہ کا نکاح امام شافعی و امام حنبل و امام
مالک رحمہم اللہ کے پاس بغیر اجازت ولی کے جائز نہیں کیا یہ جواب صحیح ہے یا نہیں

الجواب

امام شافعی و امام حنبل رحمہا اللہ کے پاس عورت چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ صغیرہ ہو یا کبیرہ بغیر اجازت ولی نر بہ اگر نکاح کرے تو صحیح نہیں ہے رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ مصری صفحہ ۱۰۳ میں ہے ولا یصح النکاح عند الشافعی واحمد الا بولی ذکر فان عقدت المرأۃ النکاح لم یصح اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس عورت اگر حسب و نسب اور خوبصورتی میں ایسی ہے کہ لوگ اس کی رغبت کرتے ہیں تو ایسی عورت کا نکاح بغیر اجازت ولی کے صحیح نہیں اور اگر ایسی نہیں ہے تو عورت کو اختیار ہے کہ اپنی اجازت سے کسی اجنبی شخص کو بھی نکاح کے لئے اپنا ولی بنا لے رحمۃ الامۃ میں اسی جگہ ہے وقال مالک ان کانت ذات شرف وجمال یرغب فی مثلہا لم یصح نکاحہا الا بولی وان کانت بخلاف ذلک جاز ان یتولی نکاحہا اجنبی برضاہا

واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بعد انتقال ایک لڑکی چھوڑا اور اسکی زوجہ اس کے حین حیات فوت ہوئی اب زید کا تمام مال

بھتیجے کے قبضہ میں ہے اس حالت میں کیا لڑکی اپنی ماں کے مہر کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

الجواب

میت کا مہر شرعاً متروکہ ہے جس سے تمام ورثاء میت کا حق متعلق ہوتا ہے
فتاوی ہندیہ مصری جلد (۱) صـ۱۳۳ میں ہے تاکد المہر بموت الزوجین
فیکون ترکۃ یقسم بین ورثتہا الفریضۃ الشرعیہ کجمیع ما یتحقق
انہ مملوک لہا زید کے حین حیات زوجہ کا مہر اس پر قرض تھا اس کی وفات
کے بعد قبل تقسیم ترکہ بعد وضع مصارف تجہیز و تکفین جملہ مال متروکہ سے وضع کیا جائیگا
فتاوی ہندیہ مصری جلد (۱) صـ۱۴۱ میں ہے وہو دین فی ذمۃ الزوج
خزانۃ الروایہ قلمی کے صـ۱۰۴ میں ہے المہر دین فتاوے
ہندیہ مصری جلد (۵) صـ۳۳۳ کتاب المداینات میں ہے تتعلق دیون المیت
بعد موتہ بترکتہ پس صورت مسئولہ میں چونکہ زوجہ کا انتقال زید کے روبرو
ہوا ہے اس لئے اس کے مہر میں تمام ورثاء شریک رہیں گے اور لڑکی ہونے کی
وجہ سے زید کو بھی زوجہ کے متروکہ سے چوتھا حصہ ملیگا اب بعد وفات زید زوجہ کی
لڑکی زید کے متروکہ سے دین مہر کا دعویٰ اپنے حصۂ شرعیہ کے مطابق کر سکتی ہے
واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے والد عمرو نے زید کے غائبانہ میں اس کی زوجہ ہندہ سے جبکہ وہ دو مہینہ کی حاملہ تھی زنا بالجبر کیا اس واقعہ کے بعد ناجائز ... زید اس کی زوجہ سے علیحدہ ہے کیا از روئے شرع شریف ہندہ زید پر حرام ہوگئی اور زید کے نکاح سے خارج ہوگئی یا نہیں اور حمل زید ہی کا سمجھا جائیگا۔

الجواب

شرع میں حرام وطی سے بھی محرمیت ثابت ہوتی ہے عالمگیریہ مصری جلد ۱ صفحہ ۲۷۷ باب المحرمات میں ہے المحرمية تثبت بالوطء الحرام وبما تثبت به حرمة المصاهرة كذا فى فتاوى قاضيخان بنابریں باپ بیٹے کی زوجہ کے ساتھ اگر جبر سے بھی زنا کرلے اور بیٹا اوس کی تصدیق کرے تو ایسی حالت میں زوجہ بیٹے پر حرام ہے بیٹے کو چاہئے کہ زوجہ کو مہر دیکر علیحدہ کردے اور باپ پر شرعاً حد زنا لازم ہے عالمگیریہ کے جلد ۱ صفحہ ۱۷۶ باب محرمات میں ہے رجل قبل امرأة ابيه بشهوة او قبل الاب امرأة ابنه بشهوة وهى مكرهة وانكر الزوج ان يكون بشهوة فالقول قول الزوج وان صدقه الزوج وقعت الفرقة ويجب المهر على الزوج ويرجع بذلك على الذى فعله ان تعمد الفاعل الفساد وان لم يتعمد لا يرجع وفى الوطء لا يرجع وان تعمد بالوطء الفساد لانه وجب ا

والمال مع الحد لا يجتمع اسی صفحہ میں ہے رجل تزوج امراۃ علی انها عذراء
فلما اراد وقاعها وجدها قد افتضت فقال لها من افتضك فقالت ابوك ان
صدقها الزوج بانت منه ولا مهر لها وان كذبها فهي امراته كذا في الظهيرية
پس صورت مسئولہ میں زید پر اسکی زوجہ حرام ہے چاہئے کہ مہر ادا کرے علحدہ ہو جائے
اور آشنا کی بھی اس کے ساتھ زید کا نکاح حرام ہے۔

(ف) زید کی عورت جو بوقت زنا زید سے دو مہینہ کی حاملہ تھی یہ بچہ زید ہی کا ہے کیونکہ
شرع میں زنا کی وجہ سے زانی کا نسب ثابت نہیں ہوتا ردالمحتار جلد (۲) ص ۳۰۰
کتاب النکاح میں ہے ان الشرع قطع نسبه منه

(ف) علحدگی کے بعد کمسن بچوں کی پرورش ماں کے ذمہ رہنا چاہئے کیونکہ شرع میں پرورش کا
حق ماں کو ہے اور خاوند کو چاہئے کہ بچوں کا خرچ اور نگرانی و پرورش کی اجرت بچوں کی
ماں کو دیتا رہے۔ مختار مطبوعہ برحاشیہ ردالمحتار جلد (۲) ص ۱۰۰ باب الحضانہ میں ہے
هي تثبت للام ولو بعد الفرقة اور ص ۱۵۳ میں ہے وتستحق الحاضنة
اجرة الحضانة اذا لم تكن منكوحة ولا معتدة لابيه والله اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک منکوحہ عورت فعل زنا میں

مرتکب ہوکر حاملہ ہوگئی اور دو تین ماہ کے عرصہ میں اس کا حمل یقینی طور پر ثابت ہوگیا عورت کے باپ نے بدنامی کے اندیشے سے عورت کا نکاح اسی شخص سے کرادیا جس سے بدنام بھی رہا تھا حمل ہی میں نکاح ہوا اور نکاح سے پندرہ دن بعد زچگی ہوگئی لہٰذا از روئے شرع شریف ایسی عورت کا نکاح اس شخص سے ایام حمل میں جائز ہے یا نہیں، عورت چونکہ بدچلن بھی اس لئے یہ حمل شخص ناکح کا ہونے میں بھی احتمال ہے ایسی حالت میں بچہ کس کا سمجھا جائیگا۔ بینوا توجروا۔

الاستفتاء

جس عورت کو زنا سے حمل ہوا ہے ایسی عورت کا نکاح بحالت حمل شرعاً صحیح و جائز ہے مگر وضع حمل تک اوس سے وطی یعنی صحبت کرنا حرام ہے اور جس عورت کا حمل زنا سے نہیں بلکہ جائز طریقے سے ہے ایسی عورت کا بحالتِ حمل نکاح حلال نہیں ہے۔ فتح المعین جلد (۲) صفحہ (۲۲) کتاب النکاح میں ہے (و) حل تزوج (حبلى من زنا) ولكن لا يطؤها حتى تضع حملها عندهما (لا من غيره) اي لاجل تزوج حبلى من غير زنا اور درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۲) صفحہ (۲۹۹) میں ہے (و) صح نکاح (حبلى من زنا لا) حبلى (من غيره) اي الزنا لثبوت نسبه ولو من حربي وسيدها المقر به (وان حرم وطؤها) ودواعيه (حتى تضع) البتہ وہ شخص جس نے اس سے زنا کیا ہے اور اوسی کے زنا سے وہ حاملہ ہوئی ہے اگر اس سے نکاح کرلے تو اس کو بحالت حمل عورت سے صحبت

کرنے کی بھی اجازت ہے بعد نکاح جب بچّہ پیدا ہوگا اگر وہ بچّہ نکاح سے چھ مہینے
بعد پیدا ہوا ہے تو اوس کا نسب شخص ناکح سے ثابت ہوگا اور وہ اس کی میراث
کا بھی مستحق ہوگا اگر چھ مہینے سے اندر بچّہ پیدا ہو تو اس کا نسب شخص ناکح سے
ثابت ہوگا مگر اس وقت جبکہ وہ شخص ناکح اس بات کا اقرار کرے کہ یہ بچّہ میرا
ہے اور یہ بھی کہے کہ یہ زنا کا نہیں ہے اگر اس کے زنا سے پیدا ہونے کا اقرار
کر کے پھر اپنا ہونا بیان کرے تو اس کا نسب اس سے شرعاً ثابت نہیں ہے اور
وہ اس کی میراث کا مستحق ہے بلکہ از روے دینداری ناکح کو چاہئیے کہ چھے
مہینے سے کم میں پیدا ہونے والے بچّے کو اپنا ہونا بیان نہ کرے کیونکہ شریعت
میں اولاد زنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں رکھا گیا۔ پس اس کو ایسے اقرار سے
احتیاط کرنا چاہئیے درمختار مطبوعہ برحاشیۂ ردّ محتار مصری جلد (۲) صفحہ
(۳) کتاب النکاح میں ہے لو نکحها الزانی حل له وطوءها اتفاقاً
والولد له ولزمه النفقة ۔ ردمحتار میں ہے (قوله والولد له)
ای ان جاءت بعد النکاح لستة اشهر مختارات النوازل
فلو لاقل من ستة اشهر من وقت النکاح لایثبت النسب و
لا یرث منه الا ان یقول هذا الولد منی ولا یقول من الزنا خانیة
والظاهر ان هذا من حیث القضاء اما من حیث الدیانة فلا
یجوز له ان یدعیه لان الشرع قطع نسبه منه فلا
یحل له استلحاقه به ولذا لو صرح بانه من الزنا لا یثبت
قضاء ایضاً وانما یثبت لو لم یصرح لاحتمال کونه بعقد

سابق او لشبهة حلالها لحال المسلم على الصلاح وهذا سواء مطلقا اذا جاءت به لستة اشهر من النكاح لاحتمال علوقه بعد العقد وان ما قبل العقد كان انتفاخا لا حملا ويحتاط في اثبات النسب ما امكن بس صورت مسئولہ میں حسب تفصیل سابق عمل کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید کو ایک عورت سے جو ذات کی دھوبن ہے سات آٹھ سال سے ناجائز تعلق ہے زید کا یہ خیال ہے کہ اس کو مسلمان کرکے نکاح کرلے مگر بعض اشخاص کا بیان ہے کہ دھوبن سے نکاح سے نحوست دامنگیر ہوتی ہے اور انسان کا جانی ومالی نقصان ہوتا ہے یہ قول کہانتک صحیح ہے۔

الجواب

اس قسم کے اقوال کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہندوستان میں ہنود کے اختلاط سے مسلمانوں میں ایسے توہمات پیدا ہوگئے ہیں زید کو چاہئیے کہ نکاح کرلے اور اپنے کو زنا سے بچائے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید نے اپنے لڑکے عمرو کی زوجہ سے زنا کیا عمرو کی زوجہ ہرگز اس فعل سے راضی نہ تھی بلکہ رات کے وقت زید نے عمرو کی زوجہ کو تنہا پایا اور ہتھیار سے ڈرا کر اور قتل کی دھمکی دیتے ہوئے نہایت جبر و تعدی سے زنا کیا۔ کیا ایسی صورت میں زنا سے بھی عمرو کی زوجہ عمرو پر حرام ہو جائیگی حالانکہ اس میں زوجہ کا کوئی قصور نہیں۔

الجواب

جبری زنا سے بھی شرعاً حرمت ثابت ہو جاتی ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۲۸۹) فصل المحرمات میں ہے۔ (ولا فرق) فیما ذکر (بین اللمس والنظر بشهوة بین عمد ونسیان) وخطاء واکراه فلو ایقظ زوجته او ایقظته لجماعها فمست یده بنتها المشتهاة او یدها ابنه حرمت الام ابداً فتح۔ ردمحتار میں ہے (قوله ولا فرق فی ما ذکر) ای من التحریم وقوله بین اللمس والنظر صوابه فی اللمس والنظر وعبارة الفتح ولا فرق فی ثبوت الحرمة باللمس بین کونه عامداً او ناسیاً او مکرهاً او مخطئاً الخ افاده ط قال الرحمتی

واذا علم ذلک فی المس والنظر علم فی الجماع بالاولی پس صورت مسئولہ میں زید کے والد نے عمرو کی زوجہ سے جو جبراً زنا کیا ہے اس جبری زنا سے بھی عمرو کی زوجہ عمرو پر حرام ہوگئی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ اگر ایک غیر تبرائی شیعی سنیہ عورت سے نکاح کرے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

شیعی غیر تبرائی اگرچہ سبِ شیخین نہیں کرتے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت کے ضرور قائل ہیں اور علمائے اہل سنت کے پاس قائل فضیلت مبتدع یعنی بدعتی ہے عالمگیریہ جلد (۲) صفحہ (۲۹۲) میں ہے وان کان یفضل علیاً کرم اللہ تعالیٰ وجہہ علی ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لایکون کافراً الا انہ مبتدع ردمحتار جلد (۳) صفحہ (۳۰۲) باب المرتد میں بزازیہ سے منقول ہے وان کان یفضل علیاً علیہم فھو مبتدع اور علماء اہل سنت کے پاس بدعتی مثل فاسق کے ہے جس سے اعراض کرنے اور بغض وعداوت رکھنے کا حکم ہے بلکہ اسکی توہین اور اُس پر لعن طعن کرنا جائز ہے۔ شرحِ مقاصد کے صفحہ (۱۹۸) میں ہے والمبتدع ھو من خالف

فی العقد ہ طریقہ اھل الحق وھو کالفاسق شرح میں ہے وحکم المبتدع البغض والعداوۃ والاعراض عنہ والاھانۃ والطعن واللعن وکراھیۃ الصلوۃ خلفہ چونکہ حسب روایت درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۲) صفحہ (۳۲۰) ۔ (فلیس فاسق کفوء الصالحۃ) فاسق مرد صالحہ عورت کا کفو یعنے مثل نہیں ہے اور حسب روایۃ سابقہ بدعتی کے ساتھ ارتباط واختلاط ممنوع بتایا گیا ہے اس لئے صورت مسئولہ میں سنیہ عورت کا نکاح شیعی غیر تبرائی سے ٹھیک نہیں واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب ۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید ہندہ سے بغیر نکاح کے وطی کیا جس سے ہندہ حاملہ ہوگئی زید اس حمل کی حالت میں ہندہ سے نکاح کیا اب جو بچہ ہندہ کو پیدا ہوگا وہ ولد الحلال سمجھا جائیگا یا ولد الحرام ۔

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر نکاح سے کامل چھ مہینہ کے بعد بچہ تولد ہو تو اس بچہ کا نسب مرد ناکح سے ثابت ہوگا اور وہ بچہ ولد الحلال سمجھا جائیگا کیونکہ شرع شریف میں حمل کی اقل مدت چھ مہینہ ہے ممکن ہے کہ

قرار حمل نکاح کے بعد ہوا اور قبل نکاح جو حمل زنا کا دکھائی دیتا تھا وہ محض ہوائی ہو۔ ردمحتار جلد (۳) صفحہ (۳۰۰) کتاب النکاح میں ہے وکذا ثبوته مطلقاً اذا جاءت به لستة اشهر من النكاح لاحتمال علوقه بعد النكاح وان ما قبل العقد كان انتفاخاً لا حملاً ويحتاط في النسب ما امكن اور اگر نکاح کے بعد چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا اور مرد ناکح اس کے زنا سے پیدا ہونے کا اقرار کرے تو اس کا نسب ناکح سے ثابت نہوگا اور یقیناً وہ ولد الحرام کہا جاے گا کیونکہ شریعت میں زانی کا نسب ولدالزنا سے منقطع کیا گیا ہے اور اگر مرد ناکح اس کو اپنا بچہ ہونا بیان کرے اور اوس کا نسب اپنے ساتھ ثابت رکھے تو پھر وہ اس کی اولاد ہوگی اور ولد الحرام نہیں سمجھی جائیگی اس سے اس کا نسب ثابت ہوگا اور وہ اوسکی میراث کا بھی مستحق ہوگا رد المحتار میں اسی جگہ ہے فلولا قل من ستة اشهر من وقت النكاح لا يثبت النسب ولا يرث منه الا ان يقول هذا الولد مني ولا يقول من الزنا (خانيه) والظاهر ان هذا من حيث القضاء واما من حيث الديانة فلا يجوز له ان يدعيه لان الشرع قطع نسبه منه فلا يحل له استلحاقه به ولذا لو صرح بانه من الزنا لا يثبت قضاءً ايضاً وانما يثبت لو لم يصرح

لاحتمال کونہ بعقد سابق اوبشبہۃ حملاً لحال المسلم علی الصلاح۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہندہ کے بطن سے زید کو دو لڑکیاں پیدا ہوئیں اس کے بعد زید کی زندگی میں ہندہ زید کے حقیقی بھانجے عمرو کے ساتھ فرار ہو کر عمرو کے صلب سے ایک لڑکا جنی اور اوس لڑکے کے بعد ایک لڑکی مسماۃ اصغری بھی ہندہ کو عمرو کے صلب سے پیدا ہوئی۔ زید کو دوسری زوجہ سعیدہ کے بطن سے ایک لڑکا مسمی بکر موجود ہے جو عمرو کا ممیرا بھائی ہے۔ پس بکر کا نکاح اصغری سے جو بکر کے علاتی ماں کی لڑکی بکر کے پھوپی زاد بھائی عمرو کے صلب سے ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

علاتی ماں کی لڑکی جو دوسرے خاوند سے ہو علاتی بیٹے کے لئے جائز ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۲۸۶) باب المحرمات میں ہے واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال۔ بنا بریں صورت مسئولہ میں ہندہ کی لڑکی اصغری اگر یقیناً عمرو کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے تو بکر سے اس کا نکاح

جائز ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہندہ کا نکاح زید سے رواج ملک کے موافق مہر مؤجل پر کیا گیا بدون طلاق وموت کے ہندہ مدعیہ ہے کہ زید اس کا مہر ادا کرے کیا زید پر فی الحال ہندہ کا مہر ادا کرنا شرعاً واجب ہے یا نہیں۔

الجواب

اہل ہند چونکہ عموماً مہر مؤجل پر نکاح کرتے ہیں اور ادائی مہر کی کوئی مدت سوائے طلاق وموت کے نہیں ہوتی اس لئے بربنائے عرف بلد زوجہ بعد تفریق یا موت مہر دلایا جاوے جانیکی مستحق ہے ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۳۶۸) باب المہر میں ہے وفی الصیرفیۃ الفتوی علی اعتبار عرف بلدھما من غیر اعتبار الثلث او النصف وفی الخانیۃ یعتبر التعارف لان الثابت عرفاً کالثابت شرطاً اسی صفحہ میں درمختار کے ہے الا اذا جھل الاجل جھالۃ فیجب حالا غایۃ۔ الا لتاجیل الطلاق اوموت فیصح للعرف بزازیہ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ہندہ کا انتقال ہوا اور اوس کا زرمہر زید کے ذمہ واجب الادا ہے ورثاء میں زوج - ابن - ام ہیں کیا زرمہر متروکہ ہے اور ورثاء پر تقسیم ہوگا اگر تقسیم ہوگا تو ہر ایک کو کس قدر حصہ ملیگا اور ورثاء کو زوج سے زرمہر طلب کرنے کا کس مدت تک حق حاصل ہے۔

الجواب

زرمہر متروکہ ہے جس کی تقسیم ورثاء پر حسب فرائض کی جاتی ہے۔ فتاوی مہدویہ مصری جلد (۱) صفحہ (۱۲۳) میں ہے یتاً کد المهر بموت احد الزوجين فيكون تركة يقسم بين ورثتها بالفريضة الشرعية كجميع ما يتحقق انه مملوك لها پس زرمہر کے ۱۲ حصے کرکے زوج کو (۳) اور ام کو (۲) اور ابن کو (۷) دئے جائیں۔

ف متروکہ کے دعوے کے لئے شریعت میں کوئی میعاد مقرر نہیں ہے ہر وقت ورثاء کو دعوے کا حق حاصل ہے فتاوی مہدویہ مصری کے جلد (۲) صفحہ (۶۲۳) کتاب الوقف میں ہے لا تسمع الدعوى بعد مضى خمس عشرة سنة الا

فی الارث والوقف ووجود عذر شرعی اسی صفحہ میں ہے
ولم یقصد وادعوی الارث والوقف بماة پس
زوج کے سوا دیگر ورثا کو زر مہر کے متعلق اپنے حصّہ کے موافق
زوج پر دعوے کرنے کا ہر وقت حق حاصل ہے واللہ اعلم
بالصّواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے
میں کہ زوجہ اگر خاوند کے انتقال کے بعد نکاح ثانی کرلے تو کیا
مرحوم خاوند کے چڑھائے ہوئے اشیاء چڑھاوا اور اپنے ماں باپ
کے دئے ہوئے اشیار جہیز سے محروم ہو جاتی ہے اور کیا مرحوم
خاوند کے بھائیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ بالزام نکاح ثانی زوجہ کو ان
اشیار سے محروم کردے اور اشیار روک لیں۔

الجواب

ہر جہیز بلحاظ عرف حیدرآباد زوجہ کی ملک ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے
اور اشیاء چڑھاوا چونکہ حقیقۃً بطور ہبہ دئے گئے ہیں اس لئے یہ بھی
زوجہ کی ملک ہے۔ البتہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خاوند نے ان اشیار
کو عاریۃً دیا تھا تو اوس وقت یہ خاوند کا متروکہ ہے خاوند کے جملہ متروکہ

سے مصارف تجہیز و تکفین و مہر و دیگر دیون و وصیت ادا کئے جانے کے بعد زوجہ اگر صاحب اولاد ہے تو اولاد کے ساتھ آٹھواں حصہ اور لاولد ہے تو چوتھا حصہ پانے کی مستحق ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار مصری جلد (۲) صفحہ (۳۷۵) میں ہے۔ جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده ان سلمها ذلك فی صحته بل تختص به وبه یفتی ردمختار میں ہے (قوله ليس له الاسترداد) هذا اذا كان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثله جهازا لا عارية عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۳۲۷) میں ہے واذا بعث الزوج الى اهل زوجته اشياء عند زفافها منها ديباج فلما زفت اليه اراد ان يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلك اذا بعث اليها على جهة التمليك كذا فی فصول العمادية ردمختار جلد (۳) صفحہ (۵) کتاب البیوع میں ہے وهذا يوجد كثيرا بين الزوجين يبعث اليها متاعا وتبعث له ايضا وهو فی الحقيقة هبة حتى لو ادعى الزوج العارية رجع الخ۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید باشندہ ملک غیر ( ) ہے اور اس نے حمیدہ باشندہ بلدہ حیدرآباد کے ساتھ بلدہ ہی میں عقد کیا تین چار بار حمیدہ اپنے شوہر کے ... اس کا وطن نہیں ... بلدہ سے بیس میل کے فاصلہ پر ہے برضا مندی گئی اس آمد و رفت سے زوجین میں اس قدر رنجش پیدا ہوگئی کہ اب حمیدہ اپنے وطن ... حیدرآباد سے بخیال خوف جان باہر جانا نہیں چاہتی زید کے صلب سے حمیدہ کو تین اولاد ہیں جو حمیدہ کے حضانت میں ہیں پس حسب ذیل مسائل شرع شریف موجب مذہب حنفی کیا اس انکار سے حمیدہ ناشزہ ہوگئی اور نفقہ وسکنی مع دیگر لوازمات کے زید سے حاصل کرسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب

جبکہ زوجہ کو باہر جانے سے جان کا خوف ہے تو ایسی حالت میں زوجہ انکار سے ناشزہ نہیں ہے نفقہ وسکنی کی مستحق ہے۔ فتاوی مہدویہ جلد (۱) صفحہ (۳۴۲) میں ہے سئل فی رجل تزوج امراۃ من المصر و یرید نقلها من المصر الی القریۃ من القری المرلیف والزوجۃ ممتنعۃ من السفر معہ

فهل لا يجب الأمر على السفر معه شرعا ولو كانت المسافة قصيرة دون مسافة القصر حيث كان الزوج غير مأمون عليها وإذا قلتم بذلك أيجبر الزوج المذكور على الإنفاق والإلزام للزوجة من كسوة ومسكن وغير ذلك مما يلزم لها شرعا أم كيف الحال أفيدوا.

الجواب: أجاب المجوز نقل زوجته دون مسافة السفر إذا أوفاها الصداق وكان مأمونا عليها فإذا تحقق عدم الأمن عليها لا يجوز له نقلها بسبب الإضرار عليها وإذا امتنعت بعد ذلك لا تعد ناشزة فلها النفقة عليه والسكنى في مسكن شرعي والله أعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ماں باپ پر اولاد کے کیا فرائض ہیں اور کس سن تک ہیں۔

الجواب

بچے کے حقوق باپ پر یہ ہیں کہ اس کا نام اچھا رکھے اگر ہو سکے تو

ساتویں دن عقیقہ کرے اور جب چھ سال کی عمر کو پہونچے تو اوس کا بچھونا علیحدہ کر دے اور جہاں تک ہو سکے اوسکی تعلیم و تربیت میں کوشش کرے اور علم دین سکھائے اور تیرنے اور تیر مارنے کی بھی تعلیم دے۔ اس کے مال کی حفاظت کرے اور مالدار نہونے کی صورت میں جوان ہونے تک مال حلال سے اوس کے حوائج ضروریہ کی تکمیل کرے اور جب سولہ[16] سال کی عمر میں پہونچے تو اوس کی شادی کرا دے اور ہاتھ پکڑ کر یہ کہے کہ میں نے تیری تعلیم و تربیت کر دی ہے اور نکاح بھی کرا دیا ہے۔ اب میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ اللہ مجھے دنیا میں تیرے فتنہ سے بچائے اور آخرت میں تیرے عذاب سے نجات دے۔ اور والدہ پر یہ حق ہے کہ اس کی حالت درست رکھے اور باپ کے کم استطاعت ہونے یا انا نہ ملنے یا بچہ ماں کے سوا انا کا دودھ نہ پینے کی حالت میں اوسکو دودھ پلائے۔ چنانچہ احیاء العلوم کے باب حق الوالدین میں ہے

قال صلعم من حق الولد علی الوالد ان یحسن ادبہ ویحسن اسمہ والاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیۃ کے باب ثانی فیما یجب للولد علی الوالدین میں ہے یطلب من الوالد العقیقۃ بنا ولدہ و تربیتہ و تعلیمہ وما هو میسر له من علم او حرفۃ وحفظ ماله و القیام بنفقتہ ان لم یکن له مال حتی یصل الذکر الی حد الاکتساب و تتزوج الانثی و یطلب من الوالدۃ الا

بشان ولدها وارضاعه فی الاحوال التی یتعین علیها ذلک احیاء العلوم کے باب حق الوالدین میں ہے قال النبی صلی الله علیه وسلم الغلام یعق عنه یوم السابع ویسمی ویماط عنه الاذی واذا بلغ ست سنین عزل فراشه واذا بلغ ثلث عشر سنة ضرب علی الصلوة واذا بلغ ست عشرة سنة زوجه ابوه ثم اخذ بعده بیده وقال ادبتک وعلمتک وانکحتک اعوذ بالله من فتنتک فی الدنیا وعذابک فی الاخرة اور اتحاف السادة المتقین شرح احیاء العلوم کے جلد (۶) صفحہ (۳۱۸) میں ہے وفی الباب عن ابی هریرة وابی رافع اما حدیث ابی رافع فلفظه حق الولد علی والده ان یعلمه الکتابة والسباحة والرمایة وان لا یرزقه الا طیبا وفی روایة وان لا یورثه برزقه الا طیبا رواه الحکیم وابو الشیخ فی الثواب ورواه ابن السنی بلفظ ان یعلمه کتاب الله والله اعلم بالصواب والیه المرجع والماٰب۔

الاستفتاء

استفتاء میکند و فتوی می طلبد اضعف العباد از علماء دین متین

از فضلائے شرع مبین دریں باب که مسمی زید مسماۃ ہندہ زوجہ خود را با ... زنا کردہ مشاہدہ نمودہ طلاق بائن داد اکنون مسماۃ ہندہ مستدعی مہر است و می خواہد کہ اگر بطور خانگی ادائے مہر نہ شود از عدالت مہر خود حاصل کند پس دریں بارہ حکم شرع شریف چہ باشد. از آں آگاہ شود تا بموجب آں بطور خانگی تصفیہ کردہ شود۔

الجواب

در شریعت مہر بوجہ ارتداد یا از بوسہ دادن وے فرزند زوج را باطل می شود در صورت مسئولہ اگر زوج با وے ہم صحبت شدہ است پس بر وے مہر کامل واجب است زیرا کہ از زنا یا نافرمانی زوجہ مہر باطل نمی شود. صاحب رد المحتار در باب المهر می آرد (واعلم) ان المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها او تقبيلها ابنه او تنصفه بطلاقها قبل الدخول وانما يتاكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه - قال في البحر: نعم واذا تاكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وان كانت الفرقة من قبلها لان البدل بعد تاكده لا يحتمل السقوط الا بالابراء كالثمن اذا تاكد بقبض المبيع - والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب -

الاستفتاء

ما قول علماء السادات الحنفية اطال الله بقاءهم وحفظ بهم الدين عن اهل الجهل والزائغين في رجل تزوج بنتا دون البلوغ ثم بعد العقد اراد السفر فمنعه ولي البنت عن السفر وكتب على نفسه اقرارا في مجلس العقد انه في باطن سنتين يحضر والتزم انه يسلم مائتين وستين روبية لزفاف البنت وقال ان لم احضر في المدة المذكورة ولم اسلم ما التزمت به واعفوني عن المهر والنفقة وجميع حقوق الزوجية فزوجتي فلانة طالقة في عقدي ثلاثا والحال ان المدة التي التزم ان يحضر فيها قد انقضت ولم يحضر والى الآن البنت لم تبلغ فهل يصح ابراءها مع كونها زائلة العقل ام لا وهل يصح ابراء الولي عن موليته اذا اجازته وهي مميزة ام لا افتوا ماجورين انتهى۔

الجواب

قال في عالمگيرية في تعليق الطلاق بكلمة

ان واذا وغیرھا واذا اضافہ الی الشرط ووقع عقیب الشرط اتفاقا۔ قال فی ردالمحتار فی باب المھر فی مطلب فی حط المھر والابراء منہ لان حط ابیھا غیر صحیح لو صغیرۃ۔ ولو کبیرۃ توقف علی اجازتھا ولابد من رضاھا وقال فی التفسیر الکبیر تحت آیۃ فاذا طلقتموھن من قبل ان تمسوھن الآیۃ فلیس للولی ان یھب مھر مولیتہ صغیرۃ کانت اوکبیرۃ۔ قال فی الدرالمختار فی کتاب الماذون تحت تصرف الصبی (وتصرف الصبی والمعتوہ) الذی یعقل البیع والشراء (ان کان نافعا) محضا (کالاسلام والاتھاب صح بلا اذن وان ضارا کالطلاق والعتاق) والصدقۃ والقرض (لاوان اذن بہ ولیھما وماتردد) من العقود (بین نفع وضرر کالبیع والشراء توقف علی الاذن) حتی لو بلغ فاجازہ نفذ وقال ردالمحتار فی شرح قولہ الذی یعقل البیع والشراء صفۃ لکل من الصبی والمعتوہ وفی شرح قولہ محضا ای من کل الوجوہ وفی شرح قولہ وان ضارا ای من کل وجہ ای ضررا دنیویا وان کان فیہ نفع اخروی کالصدقۃ والقرض وقال فی شرح قولہ کالطلاق والعتاق وکذا الھبۃ والصدقۃ وغیرھما ففی الصورۃ المسئولۃ لما علق الزوج طلاق الزوجۃ

بشروطٍ عديدة كلا لان لا يقع الطلاق حقيقة لانه الدين
فى الحال وان تمت المدة ومااذى ما وجب لكن شرط
ابراء الاولياء عن المهر والنفقة وجميع حقوق الزوجية
موقوف على اجازة الست بعد بلوغها لان هذا احولها
وليس للولى ابراء الزوج عن حقوق مولتها حال كونها
صغيرة- وان اجازت للولى توقفت اجازتها الى الابراء
فبعد عدم وقوع هذا الشرط لا يقع الطلاق فى الصورة
المسئولة و يقع بعد اجازتها حال كونها بالغة والله
اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ زید کی زوجہ مساۃ
ہندہ کے انتقال کے ۲۹ سال بعد زید کا انتقال ہوا- ہندہ اپنے
انتقال کے وقت ایک لڑکی مساۃ سعیدہ و زوج مسمی زید چھوڑی
اور زید اپنے انتقال کے وقت ایک زوجہ مساۃ زینب اور زینب کے
بطن سے ایک لڑکا دو لڑکیاں اور ہندہ کے بطن کی ایک لڑکی مساۃ
سعیدہ چھوڑا- ہر دو زوجگان مسماتان ہندہ و زینب کا زر مہر زید کے
ذمہ واجب الادا ہے- کیا سعیدہ اس وقت اپنی ماں ہندہ کے زر مہر
سے حصہ پاسکتی ہے حالانکہ اسکی ماں کو انتقال کئے ہوئے اس وقت

۵۲ سال گذرے ہیں اگر پاسکتی ہے تو اس کو کیا ملیگا اور باقی ورثار کو کیا اور زینب بھی اپنے مہر کے پانے کی مستحق ہے تو یہ زر مہر کامل زینب ہی کو دیا جائے یا شوہر کے ورثار پر بھی اسکی تقسیم ہوگی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

زر مہر زوجہ کا متروکہ ہے اور دین واجب الادا ہونے کے سبب سے شار زپر اوس کی ادائی واجب ہے اگر بدون ادا اسکے ہوئے شاوند کا انتقال ہو جائے تو اس کے متروکہ سے اس کی ادائی کی جائے زوجہ اگر زندہ ہے تو وہ خود لیگی اور درصورت فوت ہونے زوجہ کے ورثار پر حسب فرائض تقسیم کیا جائیگا اور چاہے کتنی مدت گذرے ورثار زوجہ اسکو زوج یا اس کے متروکہ سے حاصل کرسکتے ہیں متروکہ ومیراث ہونے کی وجہ سے شریعت میں اوس کے لئے کوئی میعاد نہیں رکھی گئی ہر وقت ورثار کو دعوے کا حق حاصل ہے فتاوی مہدویہ کے جلد (۱) صفحہ (۱۲۳) باب المہر میں ہے ؀ ماکد المہر بموت احد الزوجین فیکون ترکۃ یقسم بین ورثتہا بالفریضۃ الشریعۃ کجمیع ما تحقق انہ مملوک لہا خزانۃ الروایہ قلمی کے صفحہ (۱۰۴) میں ہے المہر دین مہدویہ کے جلد (۲) صفحہ (۲۲۲) کتاب الوقف میں ہے ولم یقبل دعوی الارث والوقف بعدہ پس صورت مسئولہ میں ہندہ کے مہر کے چار حصے کرکے تین حصے سعیدہ کو دے جائیں اور ایک حصہ

زید کے متروکہ کے ساتھ اس کے تمام ورثا پر حسب فرائض تقسیم کیا جائے اور سعیدہ اس چوتھے حصے میں بھی باپ کے دیگر ورثا کے ساتھ شریک رہے گی۔ زینب اپنا پورا مہر پائے گی اس کے حین حیاۃ کسی پر تقسیم نہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید ہندہ سے نکاح کیا بعد چند روز کے ہندہ بیمار ہوکر چلی گئی۔ زید بغیر اطلاع و بلا رضامندی زوجہ کے دوسرا عقد کیا ہندہ صحت و تندرستی کے بعد زوج کے مکان میں آگئی اب زوج چاہتا ہے کہ دونوں عورتوں کو ایک ہی مکان میں رکھے اور ہندہ چاہتی ہے کہ اس کو کسی دوسرے مکان میں رکھے تاکہ دونوں میں جھگڑا نہ ہو۔ مگر زوج اس کے خلاف ہے اور نان و نفقہ بھی نہیں دیتا اسکے متعلق کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

زید جس مکان میں ہندہ کو اوس کی سوتن کے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اگر اس مکان میں حجرے ہیں اور زید ہندہ کو ایک مستقل حجرہ اس کے رہنے اور اسکے اسباب کی حفاظت کے لئے معہ قفل کونجی کے دیتا ہے تو ایسی حالت میں ہندہ کو اپنی سوتن کے ساتھ اس مکان میں رہنے سے انکار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے

اور اگر اس مکان میں کوئی ایسا حجرہ نہیں ہے اور زوج ایک ہی حجرہ میں ہندہ کو سوتن کے ساتھ رہنے پر مجبور کرتا ہے تو ایسی حالت میں ہندہ کو یہ حق ہے کہ زوج سے ایسا حجرہ طلب کرے اور در صورت نہ دینے کے زوجہ کو یہ حق ہے کہ مسکن شرعی و نان و نفقہ کے متعلق حاکم مجاز کے پاس نالش کرے عالمگیریہ جلد (۱) باب النفقات فی السکنی میں ہے امرأة ابت ان تسکن مع ضرتها او مع احمائها کامه وغيرها فان کان فی الدار بیوت وفرغ لها بیتا وجعل لبيتها غلقا علیحدة لیس لها ان تطلب من الزوج بيتا آخر وان لم یکن فيها الا بیت واحد فلها ذلك وان قالت لا اسکن مع امتك لیس لها ذلك وكذلك لو قالت لا اسکن مع ام ولدك كذا فی الظهيرية وبه افتی برهان الائمة كذا فی الوجيز لكردري۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک عورت کا نکاح شرعی ایک شخص سے دو سو پچاس مہر پر ہوا جسکو پچیس[۲۵] تیس[۳۰] برس کا زمانہ ہو گیا عورت کا بیان ہے کہ یہ مہر مؤجل تھا کیونکہ عقد کے بعد جب تک موافقت باہمی رہی مہر طلب نہیں کیا گیا پانچ[۵] چھ[۶] برس سے

شوہر دوسرا عقد کر لیا ہے اور تسویہ کا عامل نہ ہو کر پہلی زوجہ کے نان ونفقہ سے بالکل دست بردار ہے زوجہ شوہر سے مہر کی طالب ہے اور شوہر مہر دینے سے منکر ہے اور یہ بیان کرتا ہے کہ مہر مؤجل بلا موت احد المتعاقدین یا طلاق کے واجب الادا نہیں۔ کیا از روے شرع شریف حقیقتاً زوجہ محروم المہر ہے اور جبکہ شوہر مطلقاً غیر ملتفت ہو عورت مہر بھی نہ پائے

الجواب

شریعت میں مہر مؤجل کی میعاد عرف بلد پر رکھی گئی ہے چونکہ ریاست دکن بلکہ ہندوستان میں عموماً مہر مؤجل موت یا طلاق کے بعد ہی ادا کیا جاتا ہے اس لئے صورت مسئولہ میں مہر کے متعلق زوج کا قول درست ہے رد المحتار کے جلد (۲) صفحہ (۳۶۸) باب المہر میں ہے وفی الصیرفیۃ الفتوی علی اعتبار عرف بلدہما من غیر اعتبار الثلث او النصف وفی الخانیۃ لعتبار التعارف لان الثابت عرفاً کالثابت شرطاً اسی صفحہ میں ہے الا اذا جہل الاجل جہالۃ فیجب حالاً غایۃ۔ الا التاجیل بطلاق او موت فیصح للعرف بزازیہ زوج چونکہ زوجہ کا نفقہ شرعی نہیں ادا کرتا ہے اس لئے زوجہ کو چاہیئے کہ قاضی یعنے حاکم مجاز کے پاس فریاد کر کے نفقہ حاصل کرے

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مجنون کی زوجہ ہندہ نے بوجہ جنون قاضی کے پاس اپنے نکاح کے فسخ کی درخواست پیش کی اور قاضی فسخ نکاح کرادیا بعد ختم عدت دوسرے گاؤں کے قاضی نے ہندہ کا عقد خالد سے کردیا کیا فسخ نکاح اوّل وعقد ثانی صحیح ونافذ ہے یا نہیں۔

الجواب

زوج اگر نکاح کے بعد مجنون ہو جائے تو قاضی کو چاہیئے کہ بربناء درخواست زوجہ زوج کو ایک سال کی مہلت دے۔ اگر اس مہلت میں تندرست ہو جائے تو فسخ کی ضرورت نہیں ورنہ زوجہ کو اختیار حاصل ہے کہ فسخ کرائے یا اسی کے نکاح میں رہے اور اگر زید ہمیشہ کا مجنون ہے تو زوجہ کو اختیار ہے کہ قاضی کے پاس درخواست پیش کرے اور قاضی کو حق ہے کہ بغیر مدت دینے کے تفریق کرادے عالمگیریہ جلد (۱) باب العنین میں ہے قال محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرء وان کان مطبقا فهو کالجب وبه ناخذ کذا فی الحاوی القدسی اسی باب میں ہے لو وجدت المرأة

زوجها مجنوناً حتی رها القاضی للحال ولا یوحّل کذا فی فتاوی قاضی خان پس صورت مسئولہ میں اگر حسب تفصیل سابق نکاح اوّل کا فسخ اور نکاح ثانی کا انعقاد ہوا ہے تو فسخ درست اور نکاح نافذ ہے ورنہ نہ فسخ صحیح ہے نہ نکاح جائز۔ واللہ اعلم بالصّواب والیه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ عورت جس کا عقیدہ یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرف سے وحی لانے میں غلطی ہوئی فی الحقیقت وحی علی رضی اللہ عنہ پر بھیجی گئی تھی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگاتی ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت سے منکر ہے کیا ایسی عورت سے سنّی مرد کا نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اہل سنت والجماعۃ کے پاس ایسے عقیدہ والی عورت کا حکم کافرہ و مرتدہ کا ہے اس لئے سنّی مرد کا نکاح اس کے ساتھ درست نہیں۔ فتاوے عالمگیریہ مصری جلد (۲) صفحہ (۲۹۲) باب کلمات الکفر میں ہے۔ من انکر امامة ابابکر الصّدیق رضی اللہ عنه فهو کافر

وعلى قول بعضهم هو مبتدع وليس بكافر والصحيح انه كافر وكذلك من انكر خلافة عمر رضى الله عنه فى اصح الاقوال كذا فى الظهيرية ويجب اكفار الزيدية كلهم فى قولهم بانتظار نبى من العجم ينسخ دين نبينا وسيدنا محمد صلى الله عليه وسلم كذا فى الوجيز لكردرى ويجب اكفار الروافض فى قولهم برجعة الاموات الى الدنيا و بتناسخ الارواح وبانتقال روح الاله الى الائمة وبقولهم فى خروج امام باطن وبتعطيلهم الامر والنهى الى ان يخرج الامام الباطن وبقولهم ان جبرئيل عليه السلام غلط فى الوحى الى محمد صلى الله عليه وسلم دون على ابن ابيطالب رضى الله تعالى عنه وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحكامهم احكام المرتدين كذا فى الظهيرية اور در المختار مصری کے جلد (۳) صفحہ (۳۲۰) میں ہے نعم لاشك فى تكفير من قذف السيدة عائشة رضى الله تعالى عنها او انكر صحبة الصديق او اعتقد الالوهية فى علىؓ او ان جبرئيل غلط فى الوحى او نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن فتاوے عزیزیہ کے صفحہ (۱۲) میں ہے۔ نکاح کردن درمیان مرد سنی وزن شیعہ مبنی بر تکفیر وعدم تکفیر این فرقہ است در مذہب حنفی موافق روایات مفتی بہ حکم فرقہ شیعہ حکم مرتدان است۔ چنانچہ در

فتاوے عالمگیری مرقوم است پس نکاح کردن از زن کہ درین فرقہ باشد درست نیست و در مذہب شافعی دو قول است بر یک قول کافراند و در قول دیگر فاسق چنانچہ در صواعق محرقہ مسطور است لیکن قطع نظر از ان انعقاد مناکحت باین فرقہ موجب مفاسد ہائے بسیار می گردد مثل بدمذہب شدن اہل خانہ و اولاد و عدم موافقت صحبت وغیر ذالک پس احتراز ازان واجب است واللہ اعلم بالصواب واللہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جس کا مع اپنے متعلقین کے قادیانی ہونا عام لوگوں میں مشہور تھا خالد سنی حنفی المذہب کی لڑکی ہندہ سے اپنے لڑکے عمرو کا پیام کیا خالد نے زید کے قادیانی مشہور ہونے کی وجہ سے اس کے لڑکے کو اپنی لڑکی دینے سے انکار کیا۔ معتبر دس پندرہ اشخاص کے روبرو اپنے اور اپنے تمام متعلقین کے قادیانی ہونے سے انکار کیا اور قسم کھائی کہ میں سنی حنفی المذہب ہوں تب خالد اس انکار کے بعد انہیں معتبر اشخاص کے روبرو زید سے یہ اقرار لیا کہ تمہارے لڑکے سے میری لڑکی ہندہ کا نکاح ہو جانے کے بعد اگر تمہارے لڑکے کا قادیانی ہونا ظاہر ہو جائے تو پھر میں لڑکی کا نکاح فسخ کرادونگا۔ زید اس کو قبول کیا اور عمرو کا ہندہ سے

نکاح ہوگیا۔ نکاح سے چار مہینے بعد خالد کو معلوم ہوا کہ عمرو اور اس کا والد زید وغیرہ قادیانی ہے اور عمرو اپنی زوجہ ہندہ کو بھی قادیانی ہونے پر مجبور کر رہا ہے اس بنا پر خالد نے ہندہ سے دریافت کیا اور بعد تصدیق ہندہ کو اپنے گھر لایا تا حال ہندہ اپنے باپ کے گھر مقیم ہے اور عمرو اُس کا طالب ہے۔ ہندہ اور خالد ہر دو فسخ نکاح چاہتے ہیں کیا ایسی صورت میں شرعاً ہندہ و عمرو کا نکاح قابل فسخ ہے یا نہیں اور ہندہ کیا عمرو کے گھر جا سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مرزا غلام احمد قادیانی بانئی فرقۂ قادیانی کے بعض اقوال ایسے ہیں کہ جن کا کہنا اہل سنتہ والجماعۃ کے پاس کفر ہے چنانچہ اخبار الحکم مورخۂ ۲۴ر فروری ۱۹۰۵ء عیسوی میں توضیح مرام سے مرزا صاحب کا قول منقول ہے کہ میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں اس کے متعلق بحر الرائق مصری جلد (۵) صفحۂ (۱۳۰) باب المرتدین میں ہے ویکفر بقولہ انا رسول اللہ عالمگیریہ مطبوعہ مصر جلد (۲) صفحۂ (۲۶۳) موجبات کفر میں ہے وکذالک لو قال انا رسول اللہ اوقال بالفارسیۃ من پیغمبرم یرید بہ من پیغام می برم یکفر یعنے اہل سنتہ والجماعۃ حنفیہ کے معتبر کتب فقہ بحر الرائق و عالمگیریہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ کا رسول اور پیغمبر ہوں خدا کا پیغام لے جاتا ہوں تو ایسا کہنے والا کافر ہے۔

رسالہ عقائد مرزا میں توضیح المرام وغیرہ رسائل سے منقول ہے۔ مرزا صاحب
کہتے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں رسول ہوں میرا منکر کافر و مردود ہے مردود
کے پیچھے نماز درست نہیں ہے بلکہ ان پر سلام نہ کرنا چاہیئے۔ مرزا صاحب کے
اس قول کے بموجب گویا تمام اہل سنتہ والجماعتہ جو اُن کے منکر ہیں کافر ہیں
جن کے پیچھے نماز درست نہیں اور ان پر سلام بھی نہ کرنا چاہیئے۔
شرح مواقف مصری جلد (۳) صفحہ (۲۵۸) اور شرح مقاصد مصری
کے صفحہ (۱۹۷) میں ہے وقال الاستاد ابو اسحاق کل مخالف
یکفرنا فحن نکفرہ والا یعنے اہل سنت والجماعت کے معتبر کتب
عقائد شرح مواقف و شرح مقاصد میں ہے کہ جو کوئی مخالف ہمکو یعنے اہل سنت
والجماعتہ کو کافر کہتا ہے ہم بھی اسکو کافر کہیں گے۔
ازالۃ الاوہام کے صفحہ (۶۴۸) میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ (خدا تعالے
نے اس عاجز کو آدم صفی اللہ کا مثیل قرار دیا۔ پھر نوح کا۔ پھر یوسف کا
پھر داؤد کا۔ پھر موسے کا۔ پھر مثیل ابراہیم کا قرار دیا اور بار بار احمد کے خطاب
سے مخاطب کر کے ظلی طور پر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا) اور ص ۶۷۳
میں لکھتے ہیں کہ آیہ شریفہ مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ
احمد سے میں مراد ہوں میرے ہی آنے کی بشارت دی گئی تھی۔
رسالہ عقائد مرزا میں اشتہار معیار الاخیار سے مرزا صاحب کا قول نقل
کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں مہدی ہوں اور بعض نبیوں سے افضل ہوں۔
رسالہ عقائد مرزا میں توضیح المرام وغیرہ رسائل مرزا سے منقول ہے کہ

میرے معجزات و نشانیاں انبیاء کے معجزات سے بڑھکر ہیں۔ میری پیشنگوئیاں
نبیوں کی پیشینگوئیوں سے زیادہ ہیں میرے معجزات اور نشانات کے انکار سے
سب نبیوں کے معجزات سے انکار کرنا پڑیگا۔ اُسی اشتہار میں دافع البلاء سے
مرزا صاحب کا قول نقل کیا ہے کہ میں امام حسین علیہ السلام سے افضل ہوں۔
ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ میں اللہ کی اولاد کے
رتبہ والا ہوں میرا الہام ہے کہ انت منی بمنزلۃ اولادی یعنے اللہ فرماتا ہے
کہ اے غلام احمد تو میرے پاس میری اولاد کے مرتبہ میں ہے ضرورۃ الامام
صفحہ (۱۳) میں لکھتے ہیں کہ خدائے تعالے مجھ سے بہت قریب ہو جاتا ہے
اور کسی قدر پردہ چہرے سے اُتار دیتا ہے اور نہایت صفائی سے مکالمہ
کرتا ہے اور دیر تک سوال وجواب ہوتے رہتے ہیں۔

رسالۂ عقائد مرزا میں توضیح المرام وغیرہ رسائل سے منقول ہے کہ
خدا بے پردہ ہو کر مجھ سے ٹھٹے کرتا ہے نعوذ باللہ منہا۔

مرزا صاحب قادیانی کے یہ تمام اقوال جن سے خداوند کریم کے عزت
وجلال میں فرق آتا ہے اور انبیاء کرام کی عظمت وشان کے بالکل خلاف
ہیں اور جن سے مذہب اسلام کی علانیہ توہین ہے اہل سنتہ والجماعتہ کے
پاس گناہ کبیرہ ہیں چنانچہ عالمگیریہ جلد (۳) صفحہ (۴۵۰) کتاب الشہادہ میں
گناہ کبیرہ کی اس طرح تفصیل کی ہے واختلفوا فی تفسیر الکبائر
واصح ما قیل فیہ ما نقل عن الشیخ الامام شمس الائمۃ الحلوانی
رحمۃ اللہ تعالی انہ قال ما کان شنیعًا بین المسلمین وفیہ

ھذاك حرمة اللہ تعالی والدین تھوں من جملة الکبائر وکذلك
ماھیہ بذل المروۃ والکرم فھو من جملۃ الکبائر وکذلك الاعانۃ
علی المعاصی والفجور والحث علیھا من جملۃ الکبائر وما عداھا
فمن الصغائر کذا فی المحیط اور مرتکب گناہ کبیرہ شرعاً فاسق ہے۔

شرح عقائد نسفی مطبوعہ انوار محمدی کے صفحہ (۱۸۵) میں ہے مرتکب
الکبیرۃ فاسق مرزا صاحب آں سرور عالم صلی علیہ وسلم کو جسمانی معراج
ہونے کا بھی انکار کرتے ہیں جو سراسر اہل سنت والجماعۃ کے عقیدہ کے
خلاف ہے۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام کے صفحہ (۴۷) میں مرزا صاحب کا قول
ہے کہ (یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلی درجہ کا کشف
تھا اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفی واجلی ہوتی ہے اور اس
قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔ شرح عقائد نسفی مطبوعہ
انوار محمدی کے صفحہ (۲۱۸) میں ہے والمعراج لرسول اللہ ﷺ فی الیقظۃ
بشخصہ الی السماء ثم الی ماشاء اللہ تعالی من العلی حق ای
ثابت بالخبر المشھور حتی ان منکرہ یکون مبتدعا یعنے اہل سنت والجماعۃ
کے عقائد کی معتبر کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے کہ آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کو بیداری میں معراج ہوی اور آپ اپنے جسم پاک سمیت آسمانوں پر تشریف لے گئے
تھے اس کا جو شخص انکار کرے وہ بدعتی یعنے بدمذہب ہے۔

شرح مقاصد کے صفحہ (۱۹۸) میں ہے والمبتدع ھو من خالف
فی العقیدۃ طریقۃ اھل الحق وھو کالفاسق پس قادیانی فرقہ کے

لوگ جو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو اور معتقد ہیں اور اون کے تمام اقوال پر اعتقاد رکھتے اور احکام کی تعمیل کو فرض جانتے ہیں اہل سنتہ والجماعتہ کے پاس ان عقائد کے رو سے فاسق و بدعتی یقیناً ہیں۔ فاسق کے لئے شریعت میں یہ حکم ہے کہ اس پر حد اور تعزیر لگائی جائے اور توبہ کا حکم دیا جائے اس کی شہادت نامقبول اور ولایت یعنے حکومت سے معزول کیا جائے اور بدعتی کے لئے یہ حکم ہے کہ اس کے ساتھ بغض و عداوت رکھی جائے اور ہر وقت اس سے کنارہ کشی کی جائے ہمیشہ اس کی توہین ہو اور اس پر لعن طعن کیا جائے شرح مقاصد کے صفحہ (۱۹۸) میں ہے وحکم الفاسق الحد فیما یجب فیہ الحد والتعزیر فی غیرہ والامر بالتوبۃ ورد الشھادۃ وسلب الولایۃ علی اختلاف فی ذلک بین الفقہاء وحکم المبتدع البغض والعداوۃ والاعراض عنہ والاھانۃ والطعن واللعن وکراھیۃ الصلوٰۃ خلفہ پس صورت مسئولہ میں زید کا لڑکا عمر قادیانی مذہب ہونے کی وجہ سے اہل سنتہ والجماعتہ کے پاس فاسق و بدعتی ہے اور اور مذہب حنفی میں فاسق و بدعتی نکاح میں صالحہ لڑکی کا کفو اور مثل نہیں ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۳۲۸) باب الکفاءۃ میں ہے (و) تعتبر فی العرب والعجم (دیانۃ) ای تقوی فلیس فاسق کفوء الصالحۃ۔ نکاح کے قبل ہندہ کے والد نے چونکہ عمرو کے والد سے سنی حنفی المذہب ہونے کا اقرار لیا ہے اور یہ شرط لگایا ہے کہ بعد نکاح اگر خلاف ظاہر ہو جائے تو ہندہ کا نکاح فسخ کرادیگا۔ اس لئے

نکاح سے چار مہینہ بعد چونکہ عمرو کا قادیانی ہونا ثابت ہو گیا ہے اور عمرو ہندہ کو قادیانی ہونے پر مجبور بھی کیا اس لئے اب خالد کو از روئے شرع یہ حق ہے کہ اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح عمرو سے فسخ کرا دے چنانچہ درمختار میں اسی جگہ صفحہ (۳۲۶) میں ہے (و) الکفاءۃ (ھی حق الولی لاحقہا) فلو نکحت رجلاً ولم تعلم حالہ فاذا ھو عبد لاخیار لہا بل للاولیاء ولو زوجوھا برضاھا ولم یعلموا بعدم الکفاءۃ ثم علموا لاخیار لاحد الا اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بہا وقت العقد فزوجھا علی ذلک ثم ظہر انہ غیر کفء کان لہم الخیار۔ ولوالجیہ قلت فلیحفظ پس صورت مسئولہ میں قاضی یعنے حاکم عدالت کو چاہیئے کہ بعد ثبوت خالد کی درخواست کے بموجب ہندہ اور عمرو کا نکاح فسخ کرا دے اور تا فسخ ہندہ اپنے باپ والد خالد ہی کے گھر میں رہے عمرو کے پاس نہ بھیجی جائے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ زہرابی مادر علاتی محمد مجد الدین صاحب نے مسماۃ عزت النسا بیگم بنت محمد مجد الدین صاحب کو ایام رضاعت میں دودھ پلائی ہے اور مسماۃ زہرابی کو یہ دودھ محمد مجد الدین صاحب کے والد سے تھا اب محمد مجد الدین صاحب کی حقیقی بہن مسماۃ خورشید النسا چاہتی ہے کہ اپنے فرزند مسمی حسن الدین کا نکاح اپنی بھتیجی عزت النسا کے ساتھ کیا جائے اور حسن الدین نے زہرابی کا دودھ نہیں پیا ہے۔ پس از روے شرع کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

دودھ پلانے والی کا خاوند جس سے اس کو دودھ ہے دودھ پینے والے کا رضاعی باپ ہے۔ اور رضاعی باپ کی تمام اولاد نسبی ورضاعی دودھ پینے والے پر حرام ہے۔ عالمگیریہ جلد اوّل کتاب الرضاع میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعاً پس صورت مسئولہ میں چونکہ زہرابی کر مجدالدین کے والد کا دودھ تھا اس لئے عزت النساء بیگم مجدالدین کے والد کی رضاعی بیٹی ہوئی جس پر والد مجدالدین کا نواسہ حسن الدین حرام ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی رضاعی لڑکی زینب کا لڑکا ہندہ کی سوتن رحیمہ کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اور رحیمہ کو یہ لڑکی ہندہ کے خاوند سے ہے کہا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

نسب سے جس قدر ناتے حرام ہوتے ہیں رضاعت سے بھی وہ ناتے حرام ہیں۔ صورت مسئولہ میں چونکہ رحیمہ کی لڑکی زینب کے رضاعی باپ کی لڑکی ہونے کے سبب سے زینب کی رضاعی علاتی بہن ہے اور از روے نسب ماں کی علاتی بہن علاتی خالہ ہونے کے سبب سے حرام ہوتی ہے۔ لہذا زینب کے لڑکے کا نکاح رحیمہ کی لڑکی یعنے رضاعی علاتی خالہ سے حرام ہے۔ رضاعی باپ کے دوسری زوجہ کی اولاد کا رضیع کے علاتی بہن ہونا فتح القدیر کے کتاب الرضاع کی عبارت سے ثابت ہے (ولبن الفحل یتعلق به التحریم) یعنی اللبن الذی نزل من المرأة بسبب ولادتها من رجل زوج او سید یتعلق به التحریم بین من ارضعته وبین ذلک الرجل بان یکون ابا للرضیع فلا تحل له ان کانت صبیة لانه ابوها ولا لاخوته لانهم اعمامها ولا لآبائه لانهم اجدادها ولا لاعمامه لانهم اعمام الاب ولا لاولاده وان کانوا من غیر المرضعة لانهم اخوتها لابیها واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ھندہ نے کلثوم کی لڑکی مسمات زینب کو اپنے چھوٹے لڑکے بکر کا دودہ پلایا کیا ھندہ اس لڑکی کا اپنے بڑے لڑکے زید سے نکاح کرسکتی ہے۔

ف سلمہ کے تین لڑکیاں۔ زیتون۔ خاتون۔ بانو ہیں اور زینب کے تین لڑکے عمرو۔ خالد۔ ولید۔ خالد نے سلمہ کا دودہ خاتون کے ساتھ پیا ہے کیا زیتون و بانو سے جو خاتون کی حقیقی بہنیں ہیں نکاح کرسکتا ہے۔

الجواب

دودہ پلانے والی کی تمام اولاد دودہ پینے والے پر حرام ہے بنا برین پہلی صورت میں ہندہ اور دوسری صورت میں سلمہ کی تمام اولاد زینب و خالد پر حرام ہے۔ عالمگیریہ مصری جلد (۱) صفحہ ۳۴۳ کتاب الرضاع میں ہے۔ یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ایام رضاعت میں اپنی ممانی کا دودھ دوا کے طریقہ پر پلایا گیا اب اپنی ممانی کی دوسری لڑکی سے زید کا نکاح درست ہے یا نہیں۔

الجواب

دودھ پلانے والی کی تمام اولاد دودھ پینے والے پر حرام ہے عالمگیریہ کے باب الرضاع میں ہے ویحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا دوا کے طریقہ پر دودھ ڈالنے سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے عالمگیریہ کے اسی باب میں ہے وکما یحصل الرضاع بالمس من الثدی یحصل بالصب والسعوط والوجور کذا فی فتاوی قاضی خان قلیل الرضاع وکثیرہ اذا حصل فی مدۃ الرضاع تعلق بہ التحریم قال فی الینابیع والقلیل مفسر بما یعلم انہ وصل الی الجوف کذا فی السراج الوھاج رد المحتار کے باب الرضاع میں تحت قول والحق بالمس الخ مکتوب ہے وفی المصباح

الوجور بفتح الواو والدواء یصب فی الحلق والسعوط کرسول دواء یصب فی الانف۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی رضاعی بہن کی حقیقی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر مرضعہ کی اولاد سے نہیں ہے تو کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے چار یا پنچ برس کی عمر میں زید کی ماں نے ہندہ کے شیر خوارگی کے زمانہ میں ہندہ کو دودھ پلائی بعد سن شعور ہر دو زید و ہندہ کے درمیان نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

مرضعہ یعنی دودھ پلانے والے کی تمام اولاد دودھ پینے والے پر حرام ہے عالمگیریہ کے کتاب الرضاع میں ہے یحرم علی الرضیع

ابواہ من الرضاع واصولهما وفروعهما جمیعاً۔ پس صورت مسئولہ میں ہندہ کا نکاح زید سے حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ باہم خالہ زاد بھائی بہن ہیں مگر زید نے ڈیڑھ سال کی عمر میں اپنی نانی کا دودھ پیا ہے جو ہندہ کی بھی حقیقی نانی ہوتی ہے پس ایسی حالت میں زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ درست ہے یا نہیں۔

الجواب

صورت مسئولہ میں ہندہ چونکہ زید کو دودھ پلانے والی کی اولاد ہے اس لئے ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ درست نہیں عالمگیریہ کے کتاب الرضاع میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعاً۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مریم وسلیمان خان نے مدت رضاعت میں روشن بی کا دودھ پیا۔ اب مریم کا نکاح سلیمان خان

سے درست ہے یا نہیں۔

الجواب

مریم چونکہ سلیمان خاں کی رضاعی بہن اور روشن بی کی رضاعی لڑکی ہے اس لئے مریم کا نکاح سلیمان خان کے ساتھ درست نہیں۔ عالمگیری جلد (۱) کتاب الرضاع میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعاً کنز الدقائق کے کتاب الرضاع میں ہے وحرم بہ وان قل فی ثلثین شھرا ماحرم بالنسب واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کہ زید اپنی خالہ کی لڑکی کے ساتھ عقد کرنا چاہتا ہے۔ لڑکی زید کے چھوٹے بھائی خالد کا دودھ پی ہے ایسی صورت میں عقد جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

زید کے خالہ کی لڑکی اگر ایام رضاعت میں زید کی

والدہ کا دودھ پی ہے تو شرعاً زید کا نکاح اس سے حرام ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں زید کی والدہ اس لڑکی کی مرضعہ ہے اور مرضعہ کی تمام اولاد شرعاً رضیع یعنے دودھ پینے والے پر حرام ہے فتاوے عالمگیری مصری جلد (۱) صفحہ (۳۴۳) میں ہے ویحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولہما وفروعہما من النسب والرضاع جمیعًا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نواب محمد قادر علی خاں، و نواب محمد فاروق علی خاں دونوں حقیقی بھائی ہیں محمد قادر علی خاں اپنے لڑکے کی شادی اپنے بھائی فاروق علی خاں کی لڑکی زینب سے کرنا چاہتے ہیں شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ قادر علیخاں کی لڑکی ہندہ نے فاروق علی خاں کی لڑکی زینب کو تین مہینے کی عمر میں دودھ پلایا تھا اب ہندہ کا حقیقی بھائی اس لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

قادر علی خاں کے لڑکے کا نکاح فاروق علی خاں کی لڑکی سے جائز نہیں ہے کیونکہ قادر علی خاں کا لڑکا اس کی حقیقی بہن کے دودھ پلانے کی وجہ سے فاروق علی خاں کی لڑکی کا ماموں ہے اور رضاعی ماموں سے

شرعاً نکاح حرام ہے عالمگیریہ کے جلد (۱) صفحہ (۳۴۳) میں ہے و
اخو المرضعة خالہ واختہا خالتہ واللہ اعلم بالصواب
والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید
اپنے ماموں کی بیٹی کے ہمراہ اپنی نانی یا دادی کا دودھ پیا ہے زید اب اس
لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے کیا ایک ضعیفہ کا دودھ پینے سے ان ہر دو
کا آپس میں نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

جس عورت کا حیض بند ہو جاتا ہے ایسی عورت کے دودھ سے بھی
جبکہ مدت رضاعت کے اندر ہو پلایا جائے شرعاً حرمت ثابت ہوتی ہے
فتاوے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۴۱۳) باب الرضاع
میں ہے (هو) لغة بفتح وكسر مص الثدي وشرعا
(مص من ثدي آدمية) ولو بكرا او ميتة او آئسة
پس صورت مسئولہ میں ضعیفہ کا دودھ پینے کی وجہ سے دونوں کا نکاح
حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع
والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور بکر دونوں آپس میں حقیقی بھائی ہیں زید کی زوجہ نے بکر کی زوجہ کے انتقال کے بعد بکر کی دختر کو دودھ پلانے کا شبہ ظاہر کیا ہے لیکن زید کی زوجہ کا بیان ہے کہ دودھ پلانے کا حال بالکل یاد نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ کو تخمیناً چالیس (۴۰) سال کا عرصہ ہوتا ہے اور میری عمر بھی قریب ساٹھ (۶۰) سال کی ہے اُس زمانہ کی عورتوں سے چند عورتوں کا بیان ہے کہ دودھ پلانے کے لئے بہت اصرار کیا گیا تھا لیکن زید کی زوجہ نے دودھ نہیں پلایا اور بکر بھی اس بیان کی اپنی یاد سے تائید کرتا ہے۔ چند عورتوں کا بیان ہے کہ انہوں نے دودھ پلاتے ہوئے دیکھا نہیں بلکہ سنا ہے اب ایسی صورت میں زید کے فرزند سے بکر کی دختر کا عقد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

رضاعت کے ثبوت کے لئے شرعاً دو متقی مرد یا ایک متقی مرد اور دو پرہیزگار عورتوں کی گواہی ضروری ہے عالمگیریہ کے جلد (۱) صفحہ (۳۴۷) باب الرضاعۃ میں ہے ولا یقبل فی الرضاع الا شہادۃ رجلین اورجل وامرأتین عدول کذا فی المحیط درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار مصری جلد (۲) صفحہ (۴۲۴) میں ہے

والرضاع حجتہ حجۃ المال وھی شھادۃ عدلین وعدل وعدلتین محض عورتوں کی گواہی سے شرعاً رضاعت ثابت نہیں ہوتی واقعات المفتیین مصری کے صفحہ (۲۷) میں ہے وانا نقول ھٰذہ شھادۃ قامت علی زوال ملک النکاح فلا تثبت الحرمۃ کما لو قامت علی الطلاق فاشھد بذلک امراتان اورجل عدل فکذلک وکذا لو شھد اربع نسوۃ وکما لایفرق بینھما بعد النکاح ولا تثبت الحرمۃ بشھادتھن فکذلک قبل النکاح بحرالرائق جلد (۳) صفحہ (۲۴۹) میں ہے وفی الخانیۃ من الرضاع وکما لا یفرق بینھما بعد النکاح ولا تثبت الحرمۃ بشھادتھن فکذلک قبل النکاح پس صورت مسئولہ میں چونکہ گواہی دینے والے محض عورتیں ہیں اس لئے زید کے فرزند اور بکر کی دختر کے مابین از روئے شرع رضاعت ثابت نہیں ہے اس لئے ہر دو کا نکاح جائز ہے لیکن اگر زوج کو اس گواہی سے رضاعت کا یقین ہو جائے تو بربنائے احتیاط نکاح سے احتراز اولیٰ ہے۔ بزازیہ میں ہے لا یثبت بشھادۃ النساء وحدھن لکن ان وقع فی قلبہ صدق الخبر ترک قبل العقد اوبعدہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہندہ کی چار لڑکیاں۔ زبیدہ۔ مریم۔ حمیدہ۔ سلطانہ ہیں۔ زبیدہ جب پیدا ہوئی اوس وقت زید نے زبیدہ کے ساتھ ہندہ کا دودھ پیا ہے ایسی حالت میں کیا مریم۔ حمیدہ۔ سلطانہ ان تین بہنوں سے کسی ایک کے ساتھ زید کا عقد ہوسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مرضعہ یعنے دودھ پلانے والی کی تمام اولاد دودھ پینے والے پر حرام ہے اس لئے زید کا نکاح ان چار لڑکیوں سے کسی لڑکی کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ عالمگیری مصری کے جلد (۱) صفحہ (۳۴۳) کتاب الرضاع میں ہے ویحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے زید کی لڑکی زبیدہ کو دودھ پلائی تھی۔ بعد بکر کے لڑکے عمرو کو بھی شیر خوارگی کے زمانہ میں دودھ پلائی۔ جس کا اقرار ہندہ نے زبیدہ اور عمرو کے والدین کے روبرو ایک موقع پر کیا اُس وقت ہر دو کے والدین ہی نہ تھی بلکہ اور لوگ بھی موجود تھے جو ہندہ کے اس بیان کو

ُسنے علاوہ اس کے عمرو کی والدہ بھی بعض لوگوں کے رو برو یہ بیان کی کہ ہندہ عمرو کو دودھ پلانا جو ظاہر کی ہے وہ صحیح ہوگا کیونکہ مجھ سے چھوٹا لڑکا بھی تھا لیکن چند روز سے ہندہ اپنے پچھلے بیان کے خلاف میں یہ بیان کرنا شروع کی ہے کہ بکر کو دو لڑکے تھے ایک عمرو دوسرا قمران دوسے میں کس کو دودھ پلائی ہوں اُس کا مجھے اچھی طرح خیال نہیں ہے۔ ہندہ کے اس مخالفت و مشتبہ بیان کی بنا پر زبیدہ کی عمرو سے نسبت ہوی اور قریب میں شادی ہونے والی ہے۔ پس ایسی صورت میں زبیدہ کا عمرو سے نکاح شرعاً بنظر احتیاط صحیح ہے یا نہیں۔

الجواب

رضاعت کے ثبوت کے لئے شرع شریف میں دو متقی مرد یا ایک متقی مرد اور دو پرہیزگار عورتوں کی گواہی شرط ہے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۳۴۷) میں ہے لایقبل فی الرضاع الاشهادة رجلین اورجل وامراتین عدول کذا فی المحیط اور درمختار مطبوعہ برحاشیۂ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۴۲۴) باب الرضاع میں ہے وحجته حجة المال وهی شهادة عدلین او عدل وعدلتین صورت مسئولہ میں چونکہ محض ایک عورت کا بیان ہے اور وہ بھی مذبذب ہے اس لئے ازروئے شرع شریف رضاعت ثابت نہیں

اگر یہ عورت نیک بخت ہے اور اس کا قول قابل وثوق بھی رہے اور ناکح کو اس کے کہنے سے رضاعت کا یقین ہو گیا۔ ہے تو پھر نکاح سے بچنا اولیٰ ہے چنانچہ عالمگیریہ میں اسی جگہ ہے وان کان المخبر واحداً وقع فی قلبہ انہ صادق فالاولی ان یتنزہ ویأخذ بالثقۃ وجد الاخبار قبل العقد او بعدہ ولا یجب علیہ ذلک کذا فی المحیط۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجۂ ثانیہ نے زید کی زوجۂ اولیٰ کے نواسہ حامد کو دودھ پلایا کیا حامد اپنی خالہ زاد بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں چونکہ زید حامد کی مرضعہ کا خاوند ہے۔ اس لئے زید کی تمام اولاد حامد پر حرام ہے۔ فتاوے عالمگیری جلد (۱) صفحہ (۳۴۳) میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعاً اور جامع الرموز کے صفحہ (۲۱۸) میں ہے فیحرم علی الرضیع اولادھما واولادھا واولادہ المتقدمۃ منہ والمتاخرۃ لانھم اخوۃ واخوات لہ من قبل الام والاب او احدھما بنابریں حامد کا نکاح اپنے تمام حقیقی خالہ زاد بہنوں سے شرعاً حرام ہے واللہ اعلم بالصواب

والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے نواسے زید اور پوتی زینب کو دودھ پلایا ہے کیا زید کا نکاح زینب سے درست ہے یا نہیں۔

الجواب

زید وزینب چونکہ رضاعی بھائی بہن ہیں اس لئے دونوں کا نکاح حرام ہے شرح وقایہ جلد (۲) صفحہ (۱۰۶) مطبوعہ نور علی میں ہے یحرم منہ ما یحرم من النسب واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حقیقی نانی ہندہ کا دودھ پیا ہے کیا اس کا نکاح ہندہ کی پوتی آمنہ سے درست ہے۔

الجواب

مرضعہ یعنے دودھ پلانے والی کی تمام اولاد رضیع پر حرام ہے عالمگیری

جلد (۱) صفحہ (۳۴۳) میں ہے ویحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعًا پس صورت مسئولہ میں زید کا نکاح آمنہ سے حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایام رضاعت میں ہندہ کا دودھ پیا کیا زید ہندہ کی نواسی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

مرضعہ یعنے دودھ پلانے والی کی تمام اولاد رضیع یعنے دودھ پینے والے پر حرام ہے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۳۴۳) کتاب الرضاع میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعًا پس صورت مسئولہ میں زید کا نکاح ہندہ کی نواسی سے حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مساۃ ہندہ کی زچگی ہوکر تقریباً چھ۶ سال چھ۶ مہینے کا عرصہ ہوا تھا۔ ہندہ نے اپنے پستان کا سر حلیمہ شیر خوارہ کے منھ میں قریب نصف منٹ یا اس سے کچھ

زیادہ عرصہ تک رکھدیا اور ہندہ کو اس وقت اس امر کا شبہ ہے کہ سر پستان
حلیمہ کے منھ میں دیا گیا تھا یا حلیمہ کے بھائی بکر کے اور اس کا بھی یقین نہیں ہے
کہ حلیمہ نے ایک گھونٹ یا دو گھونٹ دودھ پیا یا نہیں اور اس وقت ہندہ کو
دودھ آتا تھا یا نہیں اور اگر آتا تھا تو نصف منٹ میں حلیمہ نے پیا یا نہیں کیونکہ
کیونکہ بچگی کا زمانہ دراز ہونے کی وجہ اس وقت دودھ باقی رہنے کا یقین نہیں
ہے اور اس واقعہ کا گواہ بھی بجز ہندہ کے اور کوئی نہیں۔ اب ہندہ اپنے
فرزند خالد کا عقد حلیمہ سے کرنا چاہتی ہے آیا بحالت صدر حرمت رضاعت
ثابت ہے یا نہیں

الجواب

اگر حرمت میں شک واقع ہو جائے تو شرعاً حرمت ثابت نہیں
ہوتی حموی شرح اشباہ والنظائر مطبوعہ مصطفائی صفحہ (۶۳) قاعدۂ ثالثہ
کے تحت ہے فلو کان فی الحرمۃ شك لم یعتبر فلذا قالوا
لو ادخلت المرأۃ ندیھا فی فم رضیعۃ ووقع الشك فی وصول
اللبن الی جوفھا لم تحرم لان فی المانع شکًا کما فی الوالجیۃ
وفی القنیۃ امرأۃ کانت تعطی ثدیھا صبیۃ واشتھر ذلك
فیما بینھم ثم تقول لم یکن فی ثدیی لبن حین القمتھا ثدیی
ولا یعلم ذلك الا من جھتھا جاز لابنھا ان یتزوج بھذہ
الصبیۃ انتھی پس صورت مسؤلہ میں چونکہ ہندہ کو حلیمہ کے منھ میں پستان

دینے کے وقت دودھ ہونے اور نہ ہونے اور حلیمہ کے پیٹ میں دودھ جانے یا نہ جانے کے متعلق شک ہے اس لئے خالد کا نکاح حلیمہ سے جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ جو زید کی خالہ زاد بہن ہے زید کی والدہ کا دودھ زید کے برادر حقیقی عمرو کے ساتھ پی ہے ایسی حالت میں کیا زید کا نکاح ہندہ سے جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

رضیع یعنے دودھ پینے والے پر مرضعہ یعنے دودھ پلانے والے کی تمام اولاد حرام ہے عالمگیریہ مصری جلد (۱) صفحہ (۳۴۳) کتاب الرضاع میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا پس صورت مسئولہ میں زید کا نکاح ہندہ سے حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب والیہ المرجع والمآب۔

کتاب الطلاق
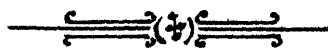
الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنے شوہر زید کے والدین سے نزاع و فساد کر کے زید کے غائبانہ اپنے والدین کے مکان کو چلی گئی جب یہ کیفیت شوہر کو معلوم ہوی تب شوہر نے ہندہ کو حضار مجلس کے روبرو تین طلاق دیا کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوی اور ادا کی مہر زید پر واجب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

طلاق کے لئے زوجہ کو خطاب کرنا یا اس کے طرف منسوب کرنا ضروری ہے بہجۃ المشتاق فی احکام الطلاق مصری کے صفحہ (۱۲) میں ہے

لابد فی الطّلاق من خطابھا او الاضافة الیھا کما فی البحر

صورت مسئولہ میں جبکہ زید نے حضار مجلس کے روبرو ہندہ کا نام لیکر طلاق دیا ہے اس لئے ہندہ پر طلاق واقع ہوگئی۔ بہجۃ المشتاق کے صفحہ (۱۵۱) میں بحر الرائق سے منقول ہے اذا قال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتی طلقت اور فتاوے مہدویہ جلد (۱) صفحہ (۱۸۹) کتاب الطلاق کے اس جزئیہ سے ثابت ہے سئل فی امرأۃ بالغة رشیدۃ متزوجة برجل بالغ رشید دخل بھا ومکث معھا مدۃ ثم تشاجر الزوج مع ابیھا فی غیبتھا و ابراء الزوج من صداقھا بغیر اذنھا ورضاھا فطلّقھا بحضرۃ بیّنة شرعیة وتزوجت غیرہ بعد انقضاء العدۃ والاٰن طلبت من زوجھا المطلّق الصداق فانکر طلاقھا فھل اذا کان الطلاق ثابتا بالبینة الشرعیة لا یجاب لذٰلک ولا عبرۃ بانکارہ ویکون لھا مطالبة بما لھا عندہ من الصداق ولا عبرۃ بابراء الاب له (اجاب) لا عبرۃ لانکار الزوج المذکور الطّلاق حیث ثبت علیه الطلاق بالوجه الشرعی وللزوجة المطالبة بمالھا من الصّداق وحیث لم یکن ابوھا وکیلاً عنھا فی الابراء منه ولم تجزہ

پس زید نے ہندہ کو جو طلاق دیا ہے یہ طلاق مغلظہ ہے۔ اگر زوج نے زوجہ سے صحبت یا خلوت صحیحہ کی ہے تو زوج پر پورا مہر واجب الادا ہے

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا ہندہ کو تین طلاق حسب الفاظ ذیل حاضرین مجلس کے روبرو دینا تین گواہ بیان کرتے ہیں مگر ہر سہ گواہ الفاظ طلاق میں مختلف ہیں اور حاضرین مجلس کو انکار ہے گواہ اوّل کہتا ہے کہ زید تین مرتبہ (طلاق دیا ہیں) کہا گواہ ثانی اوّلاً یہ کہتا ہے کہ زید صرف لفظ طلاق تین مرتبہ کہا اور ثانیاً یہ کہتا ہے کہ زید (طلاق میں تجھکو دیا) تین مرتبہ کہا اور گواہ ثالث کہتا ہے کہ زید (میں تم کو طلاق دیا) تین مرتبہ کہا۔ ایسی اختلافی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں اگر ہوگی تو کونسی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

طلاق شریعت میں دو گواہوں کے بیان سے جبکہ وہ اشہد باللہ کہکر گواہی دیں ثابت ہوجاتی ہے درمختار کے کتاب الشہادۃ میں ہے رو، نصابہا لغیرہا من الحقوق سواء کان) الحق (مالا او غیرہ کنکاح وطلاق ووکالۃ ووصیۃ واستہلال صبی) ولو (للارث رجلان اورجل وامرأتان) پس صورت مسئولہ میں جبکہ گواہ ثانی کے دوسرے بیان اور گواہ ثالث کے بیان سے زوجہ کو

خطاب کرکے تین طلاق دینا ثابت ہو تو ایسی حالت میں زوجہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوئی جس کے لئے تحلیل کی ضرورت ہے گواہ ثانی کے دوسرے بیان میں پہلے بیان پر زیادتی ہے جو ثبوت طلاق کے منافی نہیں۔ اور گواہوں کی حلفی گواہی کے مقابلہ میں حضار مجلس کا محض انکار قابل لحاظ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ ہندہ کو بحالت غصہ طلاق طلاق دو دفعہ کہا اور پھر تین بار یہ کلمات کہے تو ماں ہے۔ تو بیٹی ہے تو بہن ہے۔ پس صرف دو طلاق کا ایک مجلس میں بحالت غصہ مخاطب سے بلا اشارہ (اگرچہ مخاطبہ عورت ہی تھی) کہنا کیا اس سے طلاق واقع ہوئی اور یہ طلاق رجعی ہے یا بائن اور الفاظ مذکور الصدر سے کیا ظہار ہوگا یا تیسرا طلاق۔ بینوا توجروا۔

الجواب

دو طلاق صریح کے بعد اندرون عدۃ زوج کو رجوع کا حق ہے اور بعد ختم عدت زوجہ بائنہ ہوجاتی ہے جس کے لئے دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے عالمگیریہ جلد (۱) باب ایقاع الطلاق میں ہے متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو او بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق

وان عنی بالثانی الاول لم یصدق فی القضاء اور باب الرجعۃ میں ہے واذا طلق الرجل امرأتہ تطلیقۃ رجعیۃ او تطلیقتین فلہ ان یراجعہا فی عدتہا رضیت بذلک اولم ترض کذا فی الہدایۃ تو ماں ہے یا بیٹی ہے یا بہن ہے کہنے سے ظہار نہیں ہوتی اور شریعت میں یہ الفاظ کنایہ نہیں ہیں اس لئے نیت کے بعد بھی ان سے طلاق نہیں ہوتی بلکہ یہ کلام لغو ہے اور ایسا کہنا مکروہ ہے در مختار کے باب الظہار میں ہے (وان نوی بانتِ علیّ مثل امی) او کامی وکذا لوحذف علیّ خانیہ (برا اوظہارا او طلاقاً صحت نیتہ) ووقع مانواہ لانہ کنایۃ (والا) ینوشیئاً اوحذف الکاف (لغا) وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامۃ ویکرہ قولہ انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ رد المحتار میں ہے (قولہ لانہ کنایۃ) ای من کنایات الظہار والطلاق واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بحالت غصہ اپنی زوجہ کو سات بار طلاق دیا اور اپنی جگہ سے علیحدہ بھی کر دیا زید چونکہ بچو کو اپنے پاس رکھ لیا ہے اور بچے کمسنی کے سبب پریشان ہیں اس لئے اگر اس طلاق کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے تو بیان فرمایا جائے۔

الجواب

تین طلاق کے بعد زوجہ زوج پر حرام ہو جاتی ہے اگر زوج اسکو دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے تو چاہیئے کہ پہلے دوسرا شخص زوجہ کے ساتھ نکاح صحیح کے بعد صحبت کرکے طلاق دیوے جب اس طلاق کی عدۃ ختم ہو جائیگی تب پہلا خاوند اس سے نکاح کرسکتا ہے کنز الدقائق میں ہے وینکح مبانته فی العدۃ وبعدها لا المبانة بالثلث لو حرۃ وبالثنتین لو امة حتی یطأها غیرہ ولو مراهقا بنکاح صحیح وتمضی عدته لا بملک یمین لڑکے کو سات سال کی عمر تک اور لڑکی کو جوان ہونے تک پرورش کرنے کا حق ماں کو ہے اور باپ پر اس کا خرچ واجب ہے رد المحتار جلد (۲) باب الحضانۃ میں ہے (والحاضنة) اما کانت اوغیرها (احق به) ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی (والام والجدۃ) لام اولاب (احق بها) بالصغیرۃ (حتی تحیض) ای تبلغ فی ظاهر الروایة۔ اسی باب میں ہے (وتستحق الحاضنة واجرۃ الحضانة اذا لم تکن منکوحة ولا معتدۃ لابیه) وهی اجرۃ ارضاعه ونفقته کما فی البحر پس صورت مسئولہ میں زوج اگر زوجہ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے تو چاہیئے کہ حسب تفصیل سابق دوسرے شخص کے طلاق کی عدۃ ختم ہونے کے بعد نکاح کرے اور تا نکاح ثانی کمسن بچوں کو مدت مذکورہ تک خرچہ دیکر زوجہ کے پاس چھوڑے۔ واللہ اعلم

بالصّواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خاوند جب زوجہ کو طلاق دیدے تو زوجہ کے لڑکے پر اس کا نفقہ واجب ہے یا نہیں۔

الجواب

ماں اگر مالدار نہیں ہے تو اس کا نفقہ اس کی تمام اولاد ذی معاش و صاحب جائداد پر مساوی واجب ہے۔ درمختار کے باب النفقہ میں ہے (و) تجب (علی موسر) ولو صغیرا (یسار الفطرۃ النفقۃ لاصولہ الفقراء) ولو قادرین علی الکسب۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ کو طلاق دیا جس کو عرصہ ایک سال کا گذرا اور بوقت طلاق ایک شیرخوار لڑکی تھی جو تا حال ہندہ کے پاس ہے۔ اب ہندہ چاہتی ہے کہ ایام رضاعت کی اجرۃ اور ایام عدت کا نفقہ وکسوۃ زید سے حاصل کرے کیا شرعاً زید پر اجرۃ رضاعت اور نفقہ عدۃ کی ادائی واجب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ایام عدت کا نفقہ زوج پر واجب الادا ہے عالمگیریہ جلد (۱) کتاب الطلاق باب النفقہ میں ہے المعتدۃ عن الطلاق تستحق النفقۃ والسکنی کان الطلاق رجعیا او بائنا او ثلاثا حاملا کانت المرأۃ اولم تکن کذا فی فتاوی قاضی خاں۔ باپ پر بچہ کی رضاعت یعنے دودھ پلانے کی اجرت اور حضانت یعنے پرورش کرنے کی اجرت اور بچہ کا خرچ یعنے لباس ودیگر حوائج کی تکمیل شرعاً واجب ہے۔ بحر الرائق کے باب النفقہ میں ہے یجب علی الاب ثلاثۃ اجرۃ الرضاع واجرۃ الحضانۃ ونفقۃ الولد۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر عورت بلا اجازت شوہر کے کہیں چلی جائے یا شوہر کے حکم سے انحراف کرے مثلاً بغیر حکم شوہر کے نقل مقامات کرے یا غیر اشخاص کے روبرو بے پردہ ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں نفقہ پاسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب

جو عورت خاوند کی اطاعت نہ کرے یعنے بلا اجازت گھر سے

چلی جائے یا مقام سے منتقل ہو یا اجنبی اشخاص کے روبرو بے پردہ ہو اگر یہ افعال بلا کسی حق شرعی و وجہ شرعی کے اس سے سرزد ہوے ہیں تو تاوقتیکہ وہ ان سے باز نہ آئے اور خاوند کے گھر میں واپس آکر اس کی شرعی اطاعت میں مصروف نہو شرعًا ناشزہ و نافرمان سمجھی جاتی ہے جو نفقہ کی مستحق نہیں فتاوے مہدویہ مصری جلد (۱) صفحہ (۴۰۶) میں ہے لا نفقة للزوجة ما دامت ناشزة وخارجة عن طاعة الزوج لغير حق وتوم بطاعته ولا تقر على النشوز لانه معصية اور صفحہ (۳۹۴) میں ہے (سئل) فی امرأة خرجت من بيت زوجها ومكثت عند الناس اجانب من غير اذنه ومن غير رضاها وطلبت البقاء على النشوز والطلا وهو لا يرضى بذلك هل تسقط مؤنتها ونفقتها ما دامت كذلك (اجاب) لا نفقة للناشزة وهي من خرجت من بيت زوجها بغير حق ما دامت كذلك ـ والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب ـ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بحالت نشہ و بیخودی اپنی زوجہ کو ایک بار لفظ طلاق کہا پھر پانچ منٹ کے بعد کہا (دو طلاق دیا) پھر باہر جاکر آیا اور کہا کہ تیسرا طلاق لیو ـ یہ واقعہ

شب میں ہوا وہ شخص نشہ کی بے ہوشی میں پڑگیا اور اس کی عورت اپنے برادری کے مکان کو چلی گئی جب صبح ہوی تو مشارٌالیہ شب کے حرکات سے لاعلمی ظاہر کیا مگر دوسری عورتوں نے جو اس وقت موجود تھیں طلاق کا حال بیان کیا۔ پس از روے شرع طلاق واقع ہوی یا نہیں اگر ہوی تو کونسی۔

الجواب

شرعاً نشہ والی کی طلاق واقع ہو جاتی ہے لہذا صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئے اب زوجہ بغیر تحلیل کے یعنے ختم عدت کے بعد دوسرے شخص سے نکاح صحیح کے ساتھ وطی کرکے طلاق لیکر اس کی عدۃ ختم کئے بغیر پہلے خاوند کے لئے حرام ہے درمختار کے کتاب الطلاق میں ہے ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل) ولو تقدیرًا بدائع لیدخل السکران (ولو عبدًا او مکرهًا او هازلًا او سفیهًا او سکران) ولو بنبیذ وحشیش او افیون او بنج زجرًا به یفتی تصحیح القدوری عالمگیریہ کتاب الطلاق فصل من یقع الطلاق میں ہے والطلاق السکران واقع اذا سکر من الخمر او النبیذ وهو مذهب اصحابنا کذا فی المحیط۔ اسی جگہ ہے ومن سکر من البنج یقع طلاقہ ویحد لفشو هذا الفعل بین الناس وعلیہ الفتوی فی زماننا کذا فی

جواہر الاخلاطی کنز کے کتاب الطلاق باب الرجعۃ فصل فیما تحل بہ المطلقہ میں ہے وینکح مبانتہ فی العدۃ وبعدھا لا المبانۃ بالثلث لوحرۃ وبالثنتین لوامۃ حتی یطأھا غیرہ ولو مراھقاً بنکاح صحیح وتمضی عدتہ لا بملک یمین۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی مکان میں چند اشخاص کے روبرو اپنی زوجہ کو طلاق دے اور اسی مکان کے کسی حصہ میں زوجہ بھی موجود ہو مگر گواہ صرف یہ بیان کریں کہ ہمارے سامنے طلاق دیگئی مگر اس امر کے گواہ موجود نہیں کہ زوجہ نے اس طلاق کو سنا یا نہیں اب زوجین کا انتقال ہوگیا ہے کیا ایسے گواہ تصدیق طلاق کے لئے کافی ہیں کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی۔

الجواب

طلاق کے لئے زوجہ کو خطاب کرنا یا اُس کے طرف منسوب کرنا ضروری ہے اور جبکہ طلاق زوجہ کی طرف منسوب کردی گئی تو اس کے وقوع کے لئے زوجہ کا روبرو رہنا یا لفظ طلاق کو زوج کی زبان سے سننا ضروری نہیں بہجۃ المشتاق فی احکام الطلاق مصری کے صفحہ (۱۵) میں ہے لابد

فے الطلاق من خطابها والاضافة اليها بحر الرائق کے جلد (۳) صفحہ ۲۷۳ باب الطلاق الصریح میں ہے وذکر اسمها او اضافتها الیه کخطابه کما بیّنّا فلو قال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأته پس صورت مسئولہ میں اگر گواہ حسب شروط شہادت گواہی دیں تو طلاق ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی خوشدامن کی درخواست پر یہ لکھا کہ اگر زوجہ یعنے ہندہ تمام مطالبات شرعی وقانونی سے زید کو بری کرتی ہے اور شروط مذکورہ پر رضامند ہے تو زید خلع کرنے کو رضامند ہے اس تحریر کے جواب میں ہندہ نے لکھا کہ وہ تمام مطالبات شرعی وقانونی سے زید کو بری کرنے کے لئے آمادہ وتیار ہے مگر بعض شروط کے تسلیم سے انکار ہے پس ان تحریرات سے کیا زید کی جانب سے خلع اور زوجہ کی جانب سے اقبال واقع ہوگیا یا یہ کہ اس تصفیہ کے بعد پھر زوج کی جانب سے ایجاب خلع اور زوجہ کی جانب سے اس کے قبول کی ضرورت ہے۔

الجواب

خلع شریعت میں ملک نکاح کو زائل کرنے کا نام ہے جو عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے درمختار باب الخلع میں ہے هو ازالة ملك النكاح

المتوقفة علی قولها بلفظ الخلع او فی معناه خلع انہیں الفاظ
اور صیغوں سے ہوا کرتی ہے جن سے صاف وظاہر طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ
زوج نے بالمعاوضہ ملک نکاح کو زائل کر دیا ہے اور تمام حقوق زوجیت زوجہ
سے ساقط کئے ہیں اور زوجہ اوسکو تسلیم کرلی ہے درمختار کے اسی باب میں ہے
ویکون بلفظ البیع والشراء والطلاق والمبارأة کبعت نفسك
او طلاقك او طلقتك علی کذا او بارأتك ای فارقتك وقبلت
المرأة ردالمحتار میں ہے (قوله والخلع یکون) فی الجوهرة الفاظ الخلع
خمسة خالعتك باینتك بارأتك فارقتك طلقی نفسك علی
الف اه وبزاد علیه ما ذکره المصنف من لفظ البیع والشرأ
(قوله کبعت نفسك) تقدم عن الصغری تصحیح انه مسقط للحقوق
پس صورت مسئولہ میں زوج وزوجہ کے الفاظ سے دونوں کا محض خلع اور
قبول پر آمادہ ہونا ثابت ہے قطعی طور پر زوج کا خلع دیدینا اور زوجہ کا
اوسکو قبول کرنا جسکو شرعاً ایجاب وقبول کہا جاتا ہے طرفین کی تحریر سے
ثابت نہیں لہذا اس تصفیہ کے بعد جبکہ طرفین ایک دوسرے کے شروط پر
راضی ہو جائیں تو وقوع خلع کے لئے زوج کا ازسر نو الفاظ وقوع کے ساتھ
خلع دینا اور زوجہ کا الفاظ قبول کے ساتھ اوسکو قبول کرنا ضروری ہے
چنانچہ بهجة المشتاق فی احکام الطلاق صفحہ (۱۵۴) کی عبارت سے ثابت
ہے مدخولة سئلت طلاقها فقال الزوج ابرئینی عن کل حق
لكِ علیّ حتی اطلقكِ فقالت ابرأتك عن کل حقٍ یکون للنساء

علی الرجال فقال الزوج فی فور ذلك طلقتك واحدة وكذا یقع واحدة بائنة لانه طلقها عوضاً عن الابراء۔ واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

الاستفتا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر اپنی زوجہ ہندہ سے بارہا یہ کہا کہ میں تجھے طلاق دیا میرے گھر سے چلے جا اور اس کے بعد متعدد اشخاص کے روبرو یہ بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ نہیں بلکہ دس مرتبہ کہدیا کہ ہندہ جہاں چاہے چلی جائے مجھ کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے اس قول کے بعد جب تحریری طلاق کے لئے کہا گیا تو بیان کیا کہ تحریری کی ضرورت نہیں میں زبان سے ایک نہیں دس دفعہ طلاق کہدیا ہوں اس واقعہ کو تین چار سال کا عرصہ گذرا کیا ہندہ پر طلاق واقع ہوگئی اور ہندہ عقد ثانی کرسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب

طلاق واقع ہوگئی اور عدۃ بھی ختم ہوگئی ہندہ کو حق ہے کہ دوسرے سے عقد ثانی کرلے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرزا بلاقی بیگ نے مندرجۂ ذیل طلاق نامہ کے ذریعہ اپنی زوجہ کو طلاق بائن دیا اور طلاقنامہ عدالت میں ارسال کرکے بذریعۂ تحریر زوجہ کو بھی اس کی اطلاع دیدی ایسی حالت میں کیا شرعاً طلاق واقع ہوی یا نہیں۔
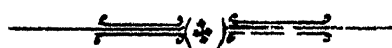
میں بذریعۂ اس تحریر کے اقرار کرتا ہوں کہ میں نے بتاریخ ۱۷ ارخورداد ۱۳۲۲؁ فصلی وقت نو بجے بروز پنجشنبہ بمقابلۂ گواہان میر رحمت علی و غوث محمد خاں سماۃ فاطمہ بیگم عرف جمال بی کو اوس کی وفاداری پر اعتماد نہونے کی وجہ سے طلاق بائن دیا۔

وقوع طلاق کے لئے زوجہ کا نام لینا بھی کافی ہے زوجہ کا روبرو

رہکر زوج کی زبان سے طلاق سننا ضروری نہیں۔ بہجۃ المشتاق فی احکام الطلاق مصری صفحہ (۱۵) میں ہے لابد فی الطلاق من خطابها والاضافة الیها۔ بحر الرائق جلد (۳) صفحہ (۲۷۳) باب الطلاق الصریح میں ہے وذکر اسمها او اضافتها الیہ کخطابہ کما بینا پس صورت مسئولہ میں زوج اگر گواہوں کے روبرو زبانی طلاق دیکر اس کی اطلاع بذریعہ اس تحریر کے عدالت اور زوجہ کو دیا ہے تو بمجرد زبان سے لفظ طلاق نکالنے کے طلاق واقع ہوگئی بشرطیکہ گواہ اسکی شہادت دیں اگر زبانی نہیں دیا بلکہ ابتداءً یہ تحریر بعنوان طلاقنامہ زوجہ کے پاس ارسال کیا ہے تو لفظ طلاق لکھنے کے وقت ہی طلاق واقع ہوگئی بشرطیکہ تحریر اسکی دستخطی ثابت ہوجائے عالمگیریہ جلد اوّل صفحہ (۳۷۸) فصل طلاق بالکنایہ میں ہے و ان کانت مرسومة یقع الطّلاق نوی او لم ینو ثم المرسومة لا تخلو اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطّلاق وتلزمها العدة من وقت الکتابة واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عطاء الرحمن اپنی زوجہ کبریٰ بی سے مخاطب ہوکر کہا کہ میں تم کو طلاق دیتا ہوں اسی طرح تین مرتبہ کہا اور تین مرتبہ دروازہ کے باہر کہا اس وقت معزز اشخاص اہل محلہ موجود تھے

جو اس طلاق کو سُنے۔ کیا شرعاً طلاق واقع ہوی اگر ہوی تو کونسی۔

الجواب

زوج طلاق کو بصیغۂ مضارع ادا کرتے وقت اگر زمانۂ حال کی صراحت کر دے تو طلاق فی الحال واقع ہو جاتی ہے بہجۃ المشتاق فی احکام الطلاق کے صفحہ (۱۳) میں ہے قال فی الفتح ولا یقع باطلّقك الا اذا غلب فی الحال اھ قال فی الخلاصۃ وفی المحیط لو قال بالعربیۃ اطلّق لا یکون طلاقاً الا اذا غلب استعماله فی الحال فیکون طلاقاً پس صورت مسئولہ میں چونکہ زوج نے (تمکو طلاق دیتا ہوں) بصیغۂ مضارع حال تین دفعہ بیان کیا ہے لہذا تین طلاق واقع ہو گئے اب زوجہ بعد ختم عدت دوسرے شخص سے نکاح کرلے جب دوسرا خاوند اس سے صحبت کر کے طلاق دیدے اور اس کی عدت بھی ختم ہو جائے تب پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ کنز الدقائق کے کتاب الطلاق باب الرضاعۃ میں ہے وینکح مبانتہ فی العدۃ وبعدھا لا المبانۃ بالثلث لو حرۃ وبالثنتین لو امۃ حتی یطأھا غیرہ ولو مراھقا بنکاح صحیح وتمضی عدتہ لا بملك یمین۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ کی ناشائستہ

وناگوار گفتگو پر دو طلاق دیا کیا یہ طلاق بائن ہے یا رجعی۔

الجواب

دو طلاق صریح رجعی ہیں زوج کو حق ہے کہ عدت ختم ہونے کے پہلے رجعت کرلے یعنے دو گواہوں کے روبرو یہ کہے کہ میں اپنی زوجہ کو طلاق سے واپس کرلیا یا زوجہ سے کہے کہ میں تجھے واپس کرلیا کنز الدقائق کے کتاب الطلاق باب الرجعۃ میں ہے۔ ھی استدامۃ الملک القائم فی العدۃ وتصح فی العدۃ ان لم یطلق ثلاثا ولو لم ترض براجعتک وراجعت امرأتی وبما یوجب حرمۃ المصاھرۃ والاشھاد مندوب علیھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اگر بحالت جنون ہندہ کو طلاق دے تو یہ طلاق واقع ہوگئی یا نہیں گر واقع ہوگی تو اس کی عدت کیا ہے

الجواب

زید اگر جنون کی حالت میں طلاق دیا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوی درمختار کے کتاب الطلاق میں ہے لایقع طلاق المولی علی امرأۃ عبدہ والمجنون الا اذا علق عاقلا ثم جن فوجد الشرط اگر جنون سے

افاقہ کامل حاصل ہونے کی حالت میں طلاق دیا ہے تو طلاق واقع ہے اور اس کی عدت زوجہ حائضہ کے لئے تین حیض ہے اور غیر حائضہ کے لئے تین مہینے اور حاملہ کے لئے وضع حمل رد المحتار کے جلد (۵) صفحہ (۹۴) کتاب الحجر میں ہے وجعلہ الزیلعی فی حال افاقتہ کالعاقل والمتاد دراللہ کالعاقل البالغ وبہ اعترض الشرنبلالی علی الدرر فلا تتوقف تصرفاتہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام محمد دستگیر خاں نے فاطمہ بیگم کو ایک طلاق دیا جسکو تخمیناً چار سال کا عرصہ گذرا تاریخ طلاق سے فاطمہ بیگم شوہر سے علیحدہ ہی کیا دوبارہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

صورت مسئولہ میں غلام محمد دستگیر خاں کا نکاح اپنی سابقہ زوجہ فاطمہ بیگم سے درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ طلاق کی عدت میں

اجنبی شخص سے نکاح کرلی اور اس کے ساتھ رہی کیا یہ نکاح قابل فسخ ہے
اور در صورتِ فسخ تجدید نکاح کے لئے استبراء کی ضرورت ہے یا نہیں۔

الجواب

عدت والی عورت کا نکاح چونکہ شرعاً غیر منعقد ہے اس لئے صورت مسئولہ میں ہندہ کا نکاح ثانی منعقد نہیں ہے اگر ناکح اس کو معتدۂ غیر جانکر نکاح کیا اور اس کے ساتھ قربت یا خلوت کی ہے تو اُس پر عدت یعنی استبراء واجب نہیں چاہیئے کہ عدۃ طلاق ختم ہونے کے بعد تجدید نکاح کرے موجودہ نکاح ثانی باطل ولغو ہے رد المحتار جلد (۲) صفحہ ۶۲۲ باب العدۃ میں بحر سے منقول ہے اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انھا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلاً واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر بالغ وعاقل سے جبراً اوس کی زوجہ کلثوم کا طلاق نامہ لکھوایا گیا اور جبراً دستخط لی گئی کیا یہ طلاق واقع ہوی یا نہیں اس کے بعد کلثوم کا عقد نکاح صحیح ہے یا نہیں۔

الجواب

جبراً طلاق نامہ لکھوانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی اس لئے کلثوم کا عقد ثانی درست نہیں رد المحتار جلد دوم صفحہ (۴۴۲) کتاب الطلاق میں ہے فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ههنا کذا فی الخانیة واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ منکوحہ خالد بعد وفات خالد ایام عدت میں زید کے ساتھ نکاح کی کیا یہ نکاح صحیح ہے یا فاسد اگر فاسد ہے تو بعد ختم عدۃ زید ہی سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب

زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ جو اندرون عدت ہوا ہے شرعاً درست نہیں ہے بعد ختم عدت ہندہ زید سے نکاح کر سکتی ہے رد المحتار جلد (۲) صفحہ (۶۲۲) باب العدۃ میں ہے اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدۃ ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ بیماری کی وجہ سے اپنے والدین کے گھر زید کی رضامندی سے بغرض علاج

گئی تھی زید اپنی زوجہ کو لے جانے کے واسطے اصرار کیا مگر زوجہ اور اس کے
والدین اس غرض سے راضی نہیں ہوئے کہ زید کے گھر اچھی طرح علاج
نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے گھر میں کوئی پرسان حال تھا۔ مگر زید باصرار تمام
اپنے گھر لے جانے پر حجت کیا اور حضار مجلس کے روبرو یہ الفاظ کہا کہ اگر آج
میرے گھر ہمراہ نہ چلے تو طلاق ہے پھر اس کے بعد اپنی زوجہ سے بالمشافہ
حاضرین مجلس اور دو عورتوں کے روبرو یہ الفاظ کہا کہ میرے کہنے کے
موافق تم بکر و عمرو سے پردہ نہیں کئے اس لئے تم میرے نکاح سے باہر
ہو گئے۔ یہ الفاظ مکرر سہ کرر کہا لیکن بکر و عمرو کے سامنے زوجہ شادی سے
اب تک برابر نکلتی تھی اون سے کسی قسم کا پردہ نہ تھا اور بکر و عمرو رشتہ
میں چچیرے بھائی ہوتے ہیں۔ زوجہ اس روز والدین کے گھر سے نہیں
گئی کیا زوجین میں تعلقات شرعی باقی ہیں یا نہیں اگر طلاق واقع ہوئی
ہے تو رجعی ہے یا بائن یا مغلظہ۔

الجواب

صورت مسؤلہ میں زوج کا پہلا قول کہ اگر میرے گھر ہمراہ نہ چلے
تو طلاق ہے۔ یہ طلاق معلّق ہے اس کے بعد اگر زوج اسی وقت یا
اس دن کے ختم ہونے کے پہلے یہ کہا ہے کہ (تم میرے کہنے کے موافق
بکر و عمرو سے پردہ نہیں کئے اس واسطے تم میرے نکاح سے باہر ہو گئے)
یہ طلاق کنائی ہے اگر زوج یہ لفظ کہتے وقت طلاق کی نیت کیا ہے تو

اس سے فی الفور طلاق بائن واقع ہوگئی۔ عالمگیریہ مصری جلد (۱) صفحہ ۳۷۵
کتاب الطلاق فصل کنایات میں ہے ولو قال لها لانكاح بيني وبينك
او قال لم يبق بيني وبينك نكاح يقع الطلاق اذا نوى اس
قول کے بعد جب دن ختم ہوگیا اور زوجہ زوج کے ساتھ گھر نہیں گئی تو
پہلے قول کے موافق طلاق صریح معلق واقع ہوی عالمگیریہ کے اسی باب میں
ہے الطلاق الصريح يلحق الطلاق الصريح بان قال انت طالق
وقعت طلقة ثم قال انت طالق تقع اخرى ويلحق البائن
ايضا بان قال لها انت بائن او خالعها على مال ثم قال لها انت
طالق وقعت عندنا پس اس ترتیب سے چونکہ پہلے طلاق بائن اور بعد
طلاق صریح معلق واقع ہوی ہے اس لئے زوج بدون نکاح کے زوجہ کے
ساتھ تعلق زوجیت قائم نہیں کرسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید شہر سے تین منزل
کی مسافت پر چلا گیا اور وہاں سے ایک خط زوجہ کے باپ کے پاس بایں
الفاظ روانہ کیا کہ میں تمہاری دختر مسماۃ عائشہ بی کو اپنی زوجیت سے
خارج کردیا چاہتا ہوں اس لئے بذریعہ ہذا مطلع کئے دیتا ہوں کہ عورت
مذکورہ مطلقہ خیال کی جائے یعنے عورت مذکورہ کو طلاق دیا میں وہ جس
سے چاہے بعد عدۃ نکاح کرسکتی ہے مجھے کوئی عذر نہیں ہے وہ تاریخ وصول خط

مطلقہ خیال کیجائے اور اسی وثیقہ کو بجائے طلاقنامہ کے تصور کیجئے اور عورت متنبہ کی جائے۔ پس زوج کی اس تحریر سے کیا طلاق واقع ہوی اگر ہوی تو بائن ہے یا رجعی یا مغلظہ اور درصورت طلاق کیا زوجہ کا نفقۂ عدت زوج پر واجب ہے یا نہیں۔

الجواب

طلاق بالکتابتہ چونکہ شرعاً معتبر ہے اس لئے صورت مسئولہ میں زوجہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہوی ختم عدت کے بعد زوجہ جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے اور ایام عدت کا نفقہ زوج پر واجب الادا ہے ردالمختار جلد (۲) صفحہ (۴۲۹) کتاب الطلاق میں ہے وان کانت مرسومة یقع الطلاق نوی اولم ینو ثم المرسومة لاتخلوا ما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الکتابة وان علق طلاقها بمجئ الکتاب بان کتب اذا جاءك کتابی فانت طالق فجاءها الکتاب فقرأته اولم تقرأ یقع الطلاق کذا فی الخلاصه درمختار جلد (۲) صفحہ (۶۸۷) باب النفقہ میں ہے وتجب لمطلقة الرجعی والبائن والمفرقة بلا معصیة کخیار عتق وبلوغ وتفریق بعدم کفاءة النفقة والسکنی والکسوة ان طالت المدة واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجۂ حاملہ کو دو گواہوں کے روبرو بحالت غضب تین طلاق دیا اس کے بعد دوسرے مکان میں جاکر اپنی دوسری زوجہ کو بھی تین طلاق دیا اُس وقت گواہ نہیں تھے محض زوج زوجہ کو اس کا اقبال ہے ایسی صورت میں ان دونوں زوجگان پر کونسی طلاق ہوئی اور اس کے کیا احکام ہیں کیا زید کا ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں۔

الجواب

صورت مسئولہ پر دونوں زوجہ پر طلاق مغلّظہ واقع ہوگئی اب بدون تحلیل کے یعنے ان دونوں کی عدت ختم ہونے کے بعد جب یہ دوسرے اشخاص کے ساتھ نکاح وصحبت کریں پھر وہ ان کو طلاق دیں اور اس کی عدت ختم ہوجائے تب زید ان کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ کنز الدقائق کے باب الرجعۃ میں ہے وینکح مبانتہ فی العدۃ وبعدھا لا المبانۃ بالثلث لو حرۃ وبالثنتین لو امۃ حتی یطاءھا غیرہ ولو مراھقا بنکاح صحیح وتمضی عدتہ لا بملک یمین۔ واللہ اعلم بالصواب۔ والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دولت خاں اپنی زوجہ کو ایک طلاق بائن بذریعۂ تحریر دیا۔ اب مابین ان ہر دو کے تعلق زوجیت قائم کرنے کی کیا صورت ہے۔

الجواب

طلاق بالکتابۃ شرعاً معتبر ہے لہذا صورت مسئولہ میں ہر دو کے مابین تعلق زوجیت قائم کرنے کے لئے عقد ثانی کی ضرورت ہے ردالمحتار جلد (۳) صفحہ (۴۳۹) کتاب الطلاق میں ہے وان کانت مرسومۃ تقع الطلاق نوی او لم ینو کنز الدقائق کے باب الرجعۃ میں ہے وینکح مبانۃ فی العدۃ وبعدھا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زوج زوجہ کو بلانے کی غرض سے اس کے والد کے مکان پر گیا تھا زوجہ کے والد کے چند احباب کے مجمع میں طلاقنامہ مغلظہ لکھدینے پر مجبور کیا گیا اور تخویف دلائی گئی۔ زوج ضرر جان کے خوف سے طلاق نامہ مغلظہ لکھدیا بروقت تحریر طلاق زوجہ رضامند تھی لیکن بعد طلاق وہ بھی طلاق سے

ناراض ہوگئی۔ پس ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

اگر زوج کسی تخویف وجبر سے طلاق دیدے تو شرعاً طلاق واقع ہوتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ طلاق اپنی زبان سے کہے اگر جبر و تعدی سے کسی کاغذ پر قلم سے لکھدے اور زبان سے کچھ بھی نہ کہے تو ایسی صورت میں شرعاً طلاق واقع نہیں ہوتی فتاوے درمختار مطبوعہ برحاشیۂ ردالمحتار جلد (۲) صفحہ (۴۳۲) میں ہے (ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او مکرھا فان طلاقہ صحیح لا اقرارہ بالطلاق وقد نظم فی النھر مایصح مع الاکراہ فقال طلاق وایلاء و ظھار ورجعۃ۔ اور ردالمحتار کے اوسی صفحہ میں تحت قول (لا اقرارہ بالطلاق) مکتوب ہے فی البحران المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا کذا فی الخانیۃ پس صورت مسئولہ میں اگر زوج نے طلاق مغلظہ محض کاغذ پر لکھدیا ہے اور زبان سے کچھ بھی نہیں کہا تو طلاق واقع نہیں ہوی۔ واللہ اعلم بالصواب الیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی

زوجہ سے یہ کہکر سفر کیا کہ اگر میں مدت معیّنہ تک تیرا نفقہ روانہ نہ کروں تو تجھے
طلاق ہے اس کے بعد عدۃ ختم کر کے کسی سے نکاح کر لینا پس زید کو سفر کئے
ہوئے دو سال کا عرصہ ہوا ہے ابتک نہ تو نفقہ روانہ کیا اور نہ اس کی کوئی
خبر ہے اور جو مدت کہ نفقہ روانہ کرنے کی بیان کیا تھا وہ بھی ختم ہو گئی ہے
ایسی صورت میں کیا ہندہ پر طلاق واقع ہوی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جب طلاق کی اضافت کسی شرط کے طرف کی جاتی ہے تو اس شرط
کے واقع ہونے کے بعد طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے عالمگیریہ مصری کے جلد
(۱) صفحہ (۴۲۰) کتاب الطلاق میں ہے واذا اضافہ الی الشرط
وقع عقیب الشرط اتفاقاً پس صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے مدت معیّنہ
تک نفقہ نہ بھیجنے کو طلاق کے لئے شرط گردانا ہے اب جبکہ مدت معینہ گذر گئی
اور زید نفقہ نہیں بھیجا اس لئے مدت کے ختم ہوتے ہی زوجہ پر ایک
طلاق رجعی واقع ہوی اور طلاق کے واقع ہونے کے ساتھ ہی عدۃ بھی
شروع ہو گئی یعنے مدت معیّنہ کے ختم ہونے کے بعد جب زوجہ کے تین
حیض پورے ہوئے اسی وقت اس کو دوسرے سے نکاح کرلینے کا
شرعاً اختیار حاصل ہو گیا ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس عورت کو
طلاق ثلثہ دیا جائے کیا وہ عورت اپنے شوہر کی جائداد پہ قابض ہو سکتی کیا

وہ بحالت زندگی مورث جائداد کی وارث ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر زوج زوجہ کو بحالت صحت تین طلاق دیدے تو زوجہ شرعاً زوج کی میراث سے محروم ہو جاتی ہے بحرالرائق مصری جلد (۴) صفحہ (۴۶) میں ہے اذا طلق فی الصحۃ ثم مرض ومات وھی فی العدۃ لا ترث منہ اور عنایہ کے باب طلاق مریض میں ہے اذا طلقھا بائنا فی صحتہ او فی مرضہ ثم صح ثم مات لا ترث اور فتح القدیر میں ہے واجمعوا انہ لو طلقھا فی الصحۃ فی کل طھر واحدۃ ثم مات احدھما لا یرثہ الآخر اور فتاوے مہدویہ کے جلد (۱) صفحہ (۱۵۲) کتاب الطلاق میں ہے اذا ابنت وارث الزوج طلاق الزوجۃ لا تحال صحۃ الزوج لا یکون لھا میراث ولو مات فی عدتھا پس صورت مسئولہ میں بعد طلاق اگر زوج کا انتقال ہو جاتا تو شرعاً زوجہ اس کی میراث پانے کی مستحق نہیں تھی اور اب جبکہ زوج زندہ ہے زوجہ کو اسکی جملہ جائداد سے مہر معین کے سوا شرعاً کوئی اور حق نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ کے ساتھ عقد کیا ہندہ تمتع نہ دے کر بلا اجازت شوہر کے مکان کے باہر ہو گئی۔ ایسی حالت میں ہندہ کا عقد و نفقہ و مہر قائم ہے یا نہیں۔

الجواب

زوجہ خاوند کے گھر سے بلا اجازت بدون حق شرعی باہر جانے کو نشوز کہتے ہیں اور ناشزہ نفقہ پانے کی مستحق نہیں ہے فتاوی انقرویہ جلد (۱) صفحہ (۱۱۱) کے حاشیہ میں فتاوے ابن نجیم سے منقول ہے سئل عن النشوز واسقاط النفقۃ والکسوۃ اجاب ھو الخروج عن محل الزوج بلا اذنہ بغیر حق من فتاوی ابن نجیم فی النفقۃ شرعاً ناشزہ عورت کا نہ نکاح ٹوٹتا ہے اور نہ مہر سے محروم کی جاتی ہے صفحہ (۱۱۴) میں ہے ونشزت فی حال قیام النکاح من کل وجہ لم تکن لھا النفقۃ والسکنی وکذا اذا نشزت فی حال قیام النکاح من وجہ من المحل المزبور البتہ اگر عورت مرتد ہوجائے یا اپنے سوتیلے لڑکے کا شہوت سے بوسہ لے تو اس وقت مہر ساقط ہوتا ہے۔ اور اگر خاوند اوس کو بدون وطی یا خلوۃ صحیحہ کے طلاق دیدے تو نصف مہر خاوند پر واجب ہوتا ہے فتاوے ردالمحتار جلد (۲) صفحہ (۳۹۳) میں ہے وافاد ان المھر وجب بنفس العقد مع احتمال سقوطہ بردتھا وتقبیلھا ابنہ او تنصفہ بطلاقھا قبل الدخول پس صورت مسئولہ میں اگر ہندہ بدون حق شرعی بلا اجازت خاوند کے گھر سے باہر گئی ہے تو تا واپسی خاوند پر اس کا نفقہ وکسوۃ واجب نہیں ہے اور اس نشوز سے شرعاً نکاح باطل ہوتا ہے اور نہ مہر ساقط ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے نکاح کیا بعد از چند سال ہندہ زید سے خلاف کرکے فرار ہوگئی۔ زید اسے طلاق نہیں دیا اور معلوم نہیں کہ اس وقت ہندہ کس حالت میں ہے مگر دریافت سے صرف اسقدر معلوم ہوا ہے کہ زندہ ہے اس صورت میں زید کا ہندہ کی بھانجی سے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں اور عدم علم کی وجہ سے نکاح ہوجائے تو کیا باطل ہوگا یا اوس پر کچھ کفارہ لازم آئیگا۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی ہندہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے اگرچہ وہ غائب ہو ہندہ کی بھانجی سے نکاح کرنا شرعاً حرام ہے۔ شرح وقایہ جلد (۲) صفحہ (۱۳) مطبوعہ مجتبائی میں ہے وحرم الجمع بین الاختین نکاحًا وعدۃ ولو من بائن ووطیًا بملک یمین وبین امراتین ایتهما فرضت ذکرًا لم تحل له الاخرى البتہ زید ہندہ کو طلاق دینے کے بعد جبکہ عدۃ ختم ہوجائے ہندہ کی بھانجی سے نکاح کرسکتا ہے۔

ف خالہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے بھانجی کا نکاح فاسد و باطل ہے ردالمحتار مصری کے جلد (۲) صفحہ (۲۶۰) میں ہے وفسر القهستانی هٰهنا الفاسد بالباطل ومثله بنکاح المحارم اس قسم کے نکاح کیلئے شرع میں زوج و زوجہ ہر ایک کو یہ حق دیا گیا ہے کہ بدون اجازت و حاضری دوسرے کے اس نکاح کو فسخ کرلے اور علحدہ ہوجائے کیونکہ گناہ سے

بچنا ہر ایک پر لازم ہے اور اس فسخ کے لئے مابین ہر دو کے وطی کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ ہر حالت میں یہ حکم ہے اور در صورت علیحدہ نہونے کے قاضی پر ان کی تفریق واجب ہے در مختار مطبوعہ بر حاشیہ رد محتار جلد (۲) صفحہ (۳۶۰) میں ہے (و) یثبت (لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر عن صاحبہ دخل بھا اولا) فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلا ینافی الوجوب بل یجب علی القاضی التفریق بینھما ردمحتار میں تحت قول ھل یجب علی القاضی مکتوب ہے ای ان لم یتفرقا جان بوجھکر اس قسم کے نکاح و وطی کرنے والے پر شرعاً اگرچہ حد زنا نہیں ہے مگر قاضی کو چاہیئے کہ کچھ نہ کچھ سزا ضرور دے تاکہ آئندہ کے لئے اس کو نصیحت ہو اور دوسروں کو تنبیہ ہو جائے۔ در مختار مطبوعہ بر حاشیہ رد محتار مصری جلد (۳) صفحہ (۱۵۸) کتاب الحدود میں ہے (و) لاحد ایضاً (لشبھۃ العقد) ای عقد النکاح (عندہ) ای الامام (کوطء محرم نکحھا) اور رد محتار میں ہے تحت قول کوطء محرم نکحھا مکتوب ہے ای عقد علیھا اطلق فی المحرم فشمل المحرم نسبا ورضاعا وصھریۃ اسی جگہ کافی حاکم سے منقول ہے وکذا عبارۃ الکافی للحاکم تفیدہ حیث قال تزوج امراۃ ممن لایحل لہ نکاحھا فدخل بھا لاحد علیہ وان فعلہ علی علم لایحد ایضا ویوجع عقوبۃ فی قول ابی حنیفۃ پس صورت مسئولہ میں اگر زید زوجہ کی بھانجی سے نکاح کر لیا ہے تو چاہیئے کہ فوراً علیحدہ ہو جائے اور نکاح کو فسخ کر دے تاکہ گناہ حرام سے نجات ملے اور اگر لاعلمی

سے اس نے یہ فعل کیا ہے تو اس پر شرعاً کوئی حد نہیں ہے۔

ف نکاح فاسد و نکاح باطل میں بعض فقہاء کے پاس عدۃ کا فرق ہے یعنے نکاح باطل میں وطی کرنے کے بعد بھی جبکہ مابین زوج و زوجہ کے تفریق ہو جائے عدۃ لازم نہیں ہے ردالمحتار مصری کے جلد (۲) صفحہ (۳۶۰) کتاب النکاح میں ہے والحاصل انہ لافرق بینھما فی غیر العدۃ واما فیھا فالفرق ثابت اور بعض فقہاء دونوں کو ایک ہی لکھتے ہیں۔ اس لئے رسالۂ صواب یہ بیان کرتے ہیں کہ نکاح باطل میں بھی عدۃ و نسب ثابت ہے چنانچہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۶۲۳) باب العدۃ میں ہے (قولہ فلا عدۃ فی باطل) فیہ انہ لافرق بین الفاسد والباطل فی النکاح بخلاف البیع کما فی النکاح الفتح والمنظومۃ المحبیۃ درمختار میں ہے لکن الصواب ثبوت العدۃ والنسب عدۃ کے سوا دوسرے احکام یعنے ثبوت نسب و مہر نکاح باطل میں نکاح فاسد کی طرح ہیں اور نکاح فاسد کے یہ احکام ہیں کہ اگر اس نکاح کے بعد وطی کی جائے تو بعد تفریق زوج پر زوجہ کا مہر مثل واجب ہے اور اگر مہر مثل مہر مسمی یعنے نکاح کے وقت مقرر کئے ہوئے مہر سے زائد ہے تو پھر مہر مسمی دینا چاہیئے۔ درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۳۵۹) میں ہے (ویجب مھر المثل فی نکاح فاسد) بالوطء فی القبل (لا بغیرہ) کالخلوۃ لحرمۃ وطئھا (ولم یزد علی المسمی) اور بعد وطی جبکہ تفریق ہو جائے احتیاطاً نسب ثابت ہوتا ہے چنانچہ درمختار میں ہے (ویثبت النسب) احتیاطاً

مگر شرط یہ ہے کہ وطی سے چھ مہینے یا اس سے زیادہ مدت گذرنے کے بعد بچہ پیدا ہو اگر چھ مہینے سے کم میں بچہ کی ولادت ہو تو نسب ثابت نہیں ہوتا چنانچہ درمختار میں اسی جگہ ہے (وتعتبر مدته) وهی ستة اشهر من الوطء فان کانت منه الی الوضع اقل مدة الحمل یعنی ستة اشهر فاکثر (یثبت) النسب (والا) بان ولدته لاقل من ستة اشهر (لا) انتہت بنا برین اگر زید نے ہندہ کی بھانجی سے وطی کیا ہے تو زید کو چاہیئے کہ بعد تفریق ہندہ کی بھانجی کو حسب تفصیل سابق مہر مثل ادا کرے اگر اس سے زید کو کوئی اولاد ہوی ہے تو حسب تفصیل بالا زید کا اس سے نسب ثابت ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بزمانۂ نابالغی ہوی جب سن بلوغ متجاوز ہوا اور تقریبًا بیس سال سے زائد اوس کی عمر گذری تب اسی کو نہیں بلکہ اس کی زوجہ و والدین واقارب و احباب کو بھی اس امر کا ثبوت و یقین ہو گیا کہ زید نامرد ہے اور یہ نامردی بوجہ خصی یا جادو یا قطع انثیین کے نہیں بلکہ خلقی و پیدائشی ہے نیز اسوقت زوجہ کی بھی عمر ۱۴ برس کی ہوگئی ہے زوجہ اور اوس کے ولی جائز نے بگذاشت زر مہر زوج سے خلع کرلیا ہے اور باہمی مفارقت بھی بحکم قاضی ہوگئی کیا ایسی صورت میں جبکہ نہ وطی ہوی اور نہ زوج میں وطی کی صلاحیت تھی زوجہ پر عدت لازم ہے اگر ہے تو کتنی مدت۔

الجواب

شرع میں عدۃ کے وجوب کا سبب وہ نکاح ہے جس کے بعد وطی یا خلوت یا موت ہوتی ہے پس جس عورت کے ساتھ وطی یا خلوۃ ہوئی ہے شرعًا اوس پر عدۃ واجب ہے درمختار مطبوع برحاشیۂ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۶۱۵) باب العدۃ میں ہے (وسبب وجوبہا) عقد (النکاح المتأکد بالتسلیم وماجری مجراہ) من موتٍ اوخلوۃٍ پس صورت مسئولہ میں اگر زوجِ عنین نے اپنی زوجہ سے خلوۃ کی ہے تو بعد تفریق زوجہ پر عدۃ واجب ہے اور اگر خلوۃ نہیں ہوی ہے تو عدۃ واجب نہیں ہے۔ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۶۰۹) باب العنین میں تحت قول فرق الحاکم مکتوب ہے ولہا کل المہر وعلیہا العدۃ ان خلا بہا عندہ وعندہما لہا نصفہ کما لو لم یخل بہا عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۵۲۴) باب العنین میں ہے ولہا المہر کاملا وعلیہا العدۃ بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بہا وان لم یخل بہا فلا عدۃ علیہا ولہا نصف المہر ان کان مسمی والمتعۃ ان لم یکن مسمی کذا فی البدائع۔

ف شرع نے حیض والی عورت کے لئے کامل تین حیض عدۃ رکھی گئی ہے اور جسکو حیض نہیں آتا اس کی عدۃ ہلالی تین مہینے ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۶۱۶) میں ہے (وہی فی حرۃ تحیض لطلاق) ولو رجعیا (او فسخ) بجمیع اسبابہ ومنہ الفرقۃ بتقبیل ابن الزوج (بعد الدخول حقیقۃ اوحکمًا ثلاث) حیض کوامل فی

من لم تحض لصغر او کبر او بلغت بالسن و لم تحض ثلاثۃ اشھر بالاھلۃ لو فی الغرۃ و الا فالایام بحر و غیرہ (ان وطئت فی الکل و لو حکما کالخلوۃ و لو فاسدۃ رد المحتار میں تحت قول والا فالایام مکتوب ہے فی المحیط اذا اتفق عدۃ الطلاق والموت فی غرۃ الشھر اعتبرت الشھور بالاھلۃ وان نقصت عن العدد وان اتفق فی وسط الشھر فعند الامام تعتبر بالایام فتعتد فی الطلاق بستین یوما و فی الوفاۃ بمائۃ و ثلثین پس صورت مسئولہ میں اگر زید کی زوجہ کو حیض آتا ہے تو بعد تفریق جبکہ تین حیض کامل گذر جائیں تب اسکو دوسرے سے نکاح کرنے کی اجازت ہے اور اگر کسی کی وجہ سے حیض نہیں آتا ہے تو تفریق کے بعد اس کو تین مہینہ کامل عدۃ گذارنا چاہیئے۔ چاند کی پہلی تاریخ میں اگر تفریق ہوئی ہے تو چاند سے چاند تک حساب لگاکر عدۃ پوری کرنا ہوگا اور اگر پہلی کے بعد تفریق ہوی ہے تو فی مہینہ تیس دن کے حساب سے پورے نوے روز گذر جانے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کا حق حاصل ہے جیسا کہ روایت سابقہ سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر زوج اپنے حقوق مثل نان و نفقہ وغیرہ کے زوجہ کو ادا کرتا ہے اور زوجہ اپنے زوج کی اطاعت میں نہو اور اپنے بھائی بہن یا والدین

کے مکان میں رہے اور زوج کی نافرمان ہو تو ایسی صورت میں زوج نان و نفقہ دے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

زوجہ جب نافرمان وناشزہ ہے تو اوس کا نفقہ وسکنی زوج پر واجب نہیں ہے۔ فتاوے انقرویہ جلد (۱) صفحہ (۱۴۲) میں ہے ولو نشزت فی حال قیام النکاح من کل وجہ لم تکن لہا النفقۃ والسکنی وکذا اذا انشزت فی حال قیام النکاح من وجہ من المحل المزبور۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر زید اپنی زوجہ کو (چلے جاؤ) کہے تو از روئے شرع شریف کیا اس لفظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں اگر طلاق واقع ہوتی ہے تو طلاق بائن ہوگی یا رجعی اور نیت کے متعلق اختلاف ہونے کی صورت میں زوج کا قول معتبر ہے یا زوجہ کا۔

الجواب

چلے جاؤ کی عربی (اذھبی واخرجی) ہے اور یہ طلاق کنائی کے لفظ ہیں۔ عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۳۷۴) فصل الکنایات میں ہے ومایصلح جوابا ورداً لا غیر اخرجی اذھبی طلاق کنائی کے واقع ہونے کی شرط نیت ہے اگر زوج بحالت رضا ایسے لفظ زبان سے نکالنے کے وقت طلاق کی نیت کرے تو ان الفاظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ اگر طلاق

کی نیت نہ کرے تو طلاق نہیں ہوتی۔ عالمگیریہ میں اسی جگہ ہے ففی حالۃ الرضا
لا یقع الطلاق فی الالفاظ کلھا الا بالنیۃ اور اظہار نیت کے
متعلق زوج کا حلفی بیان معتبر ہے یعنے اگر زوج قسم کھا کر یہ بیان کرے کہ
میری نیت اس لفظ سے طلاق کی نہیں تھی تو شرعًا زوج کا قول معتبر ہے
عالمگیریہ میں اسی جگہ ہے والقول قول الزوج فی ترک النیۃ
مع الیمین واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خالد
بلا گذاشت جائداد انتقال کیا بعد انتقال خالد کی زوجہ ہندہ ایام عدۃ گزر
جانے کے بعد تمام سامان جہیز وسامان چڑھاوے کر اپنے باپ کے گھر گئی
تا حال باپ کے مکان میں سکونت پذیر ہے اور مدعی ہے کہ خالد کے باپ
زید کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے اپنا نفقہ ومہر حاصل کرے کیا اس کا یہ
دعوے شرعًا درست ہے یا نہیں۔

الجواب

زوجہ کا نفقہ اس کے زوج پر واجب ہے چاہے وہ بڑا ہو یا بچہ عقلمند
ہو یا دیوانہ غنی ہو یا فقیر۔ فتاوے ہندویہ جلد (۱) صفحہ (۵۹۴) میں ہے
نفقۃ الزوجۃ الغیر الناشزۃ التی لا مانع من قبلھا واجبۃ
علی زوجھا کبیرا کان او صغیرا عاقلا کان او مجنونا غنیا کان
او فقیرا لانھا جزاء الاحتباس اسی طرح مہر کا حال ہے کیونکہ مہر

ملک بضع یعنی حق وطی کا معاوضہ ہے جس کا زوج مالک ہے اس لئے زوج ہی کے ذمہ اس کی ادائی ہے۔

ف زوج و زوجہ سے کسی ایک کے مرجانے کے بعد نفقۂ مفروض ساقط ہو جاتا ہے فتاوے مہدویہ جلد (۱) صفحۂ (۳۸۸) میں ہے۔

فی التنویر و بموت احدهما و طلاقها یسقط المفروض الا اذا استدانت بامر قاض پس صورت مسئولہ میں چونکہ خالد کا بحالت ناداری انتقال ہو گیا ہے اس لئے خالد کی زوجہ ہندہ کو خالد کے باپ کی ذاتی جائداد سے مہر و نفقہ لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

نفقہ تو خالد کے انتقال کی وجہ سے ساقط ہو گیا البتہ زر مہر خالد کے ذمہ قرض ہے۔ سامان چڑھاوا جو خالد کی جانب سے شادی کے وقت ہندہ کو دیا گیا ہے اگر خالد یا اس کا والد جو اس سامان کو اپنی ذاتی رقم سے بھیجا ہے ہندہ کو دیدینے کی نیت سے یا مہر کی ادائی میں بھیجا تھا تو اسکی ملک ہو اگر اسکو دینے کی نیت نہیں تھی تو بھیجنے والے کی ملک ہے جو ہندہ سے واپس لینے کے قابل ہے کیونکہ سامان چڑھاوا اسی وقت ملک ہوتا ہے جبکہ زوجہ کو مفت دیدیا جاے یا مہر میں ادا ہو عالمگیریہ جلد (۱) صفحۂ (۳۲۷) کتاب النکاح میں ہے۔ واذا بعث الزوج الی اهل زوجته اشیاء عند زفافها منها دیباج فلما زفت الیه اراد ان یسترد من المرأة الدیباج لیس له ذلک اذا بعث الیها علی جهة التملیک اور صفحۂ (۳۲۲) میں ہے۔ رجل بعث الی امرأته متاعا و بعث ابو المرأة الی الزوج متاعا ایضا ثم قال الزوج

الذی یعتنه ... کان صداقا کان القول قول الزوج مع یمینه الخ

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ ہندہ زید کے سفر کی حالت میں دوسرے شخص سے ناجائز تعلق پیدا کرکے فرار ہوگئی جسکو تخمیناً ۲۴ سال کا عرصہ گذر گیا زید ہندہ کے فراری کی کیفیت سنکر دو آدمیوں کے سامنے ہندہ کو طلاق دیدیا چونکہ ہندہ اسوقت غائب تھی زید کے طلاق کی اس کو اطلاع نہیں ہوی بعد انقضائے عدت بلکہ تخمیناً ۲۴ سال بعد زید نے فاطمہ سے جو ہندہ کی حقیقی بھانجی ہے نکاح کیا کیا زید کا فاطمہ سے عقد شرعاً درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

خاوند اگر زوجہ کے غائبانہ [illegible] شخصوں کو گواہ رکھکر طلاق دیدے تو یہ طلاق معتبر ہے اور گ[illegible] کی گواہی سے ثابت ہو جاتی ہے جیساکہ فتاوے مہدویہ جلد [illegible] صفحہ (۱۸۹) میں کتاب الطلاق کے اس جزئیہ سے ثابت ہے (سئل) فی امرأة بالغة رشیدة متزوجة برجل بالغ رشید دخل بها ومکث معها مدة ثم انتقل الزوج مع امه فی غیبتها ثم ابراء الزوجه من صداقها بغیر اذنها وبناتها فطلقها بحضرة بینة شرعیة وتزوجت غیره بعد انقضاء العدة وارادت المطالبة من زوجها المطلق الصداق [illegible]

فانکر طلاقها فهل اذا کان الطلاق ثابتا بالبینة الشرعیة لا یجاب لذلک ولا عبرة بانکاره ویکون لها مطالبة بما لها عنده من الصداق ولا عبرة بابراء الاب له (اجاب) لا عبرة لانکار الزوج المذکور الطلاق حیث ثبت علیه الطلاق بالوجه الشرعی وللزوجة المطالبة بما لها من الصداق حیث لم یکن ابوها وکیلا عنها فی الابراء منه ولم تجزه۔ جن دو عورتوں کو کہ نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اگر ان میں سے ایک کو جو نکاح میں تھی طلاق دیدیا جائے تو اوس کی عدۃ ختم ہونے کے بعد دوسری سے نکاح کرنا جائز ہے۔ عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۲۷۸) باب المحرمات میں ہے وان انقضت عدتها جاز له ان یتزوج بایتهما شاء کذا فی التبیین پس صورت مسئولہ میں جبکہ زید نے دو گواہوں کے روبرو ہندہ کو طلاق دیدیا ہے اور عدۃ بھی ختم ہوگئی ہے تو اب زید کا ہندہ کی بھانجی سے نکاح کرنا شرعاً درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زوجہ سے یہ تحریری اقرار کیا کہ ماہ بماہ مبلغ چار روپیہ سکہ مجوبیہ سسرال میں [illegible] دیا کریگا اور پارچہ وغیرہ سالانہ اس کے علاوہ ایصال کرے گا احیاناً کسی ماہ مبلغ مذکور نہ پہونچے تو دوسرے ماہ میں بلا عذر پہونچا دیگا اگر تیسرا مہینہ بھی بلا ادائی خوراک گذر جائے تو طلاق بائن ہے اور مہر دین واجب زید سے اس اقرار کی پابندی نہیں ہوی گیا اقرار کے موافق تین ماہ کے بعد طلاق بائن واقع ہوی یا نہیں اور مہر

واجب الادا ہے یا نہیں۔

ف بعد انقضائے عدت زید سے خوراک ایام عدت و زر مہر زوجہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں اور زوجہ کا دوسرے شخص سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

جو طلاق کہ کسی شرط کے متعلق کی جاتی ہے اس کو طلاق معلق و یمین بالطلاق کہا جاتا ہے شرط موجود ہونے سے وہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے درمختار مطبوعہ برحاشیۂ ردمحتار مصری جلد (۲) صفحۂ (۵۰۵) باب التعلیق میں ہے (هو ربط حصول مضمون جملة بحصول مضمون جملة اخری) ویسمی یمینا مجازا اور صفحۂ (۵۱۵) میں ہے (وتنحل) الیمین (بعد) وجود (الشرط مطلقا) صورت مسئولہ میں چونکہ زوج تین مہینے تک زر خوراک روانہ نہ کرنے پر طلاق بائن کے واقع ہونے کو معلق کر دیا تھا اس لئے بدون ادائے زر خوراک تین مہینے کامل گذرنے کے بعد زوجہ پر ایک طلاق بائن ہو گئی۔

ف زوج اگر زوجہ سے خلوۃ صحیحہ کیا ہے تو بعد طلاق اس پر پورا مہر واجب الادا ہے اگر خلوۃ صحیحہ نہیں ہوی ہے تو نصف مہر کی ادائی واجب ہے۔

ف طلاق کے بعد ایام عدت کا نفقہ زوج کے ذمہ واجب ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحۂ (۶۸۷) باب النفقہ میں ہے (و) تجب (ای النفقة) (للمطلقة الرجعی والبائن بالفرقة بلا معصية) ردمحتار میں ہے وفی المجتبی نفقة العدة کنفقة النکاح۔

ف بعد ختم عدۃ یعنے غیر حاملہ کے لئے کامل تین حیض گذر جانے کے بعد اور حاملہ کے لئے وضع حمل کے بعد یہ اختیار ہے کہ دوسرے شخص سے نکاح کرلے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر بکر اپنی زوجہ ہندہ کے خلاف شرع و نازیبا حرکتوں کا کسی عدالت میں کافی ثبوت دے تو ہندہ پر شرعاً کیا سزا عائد ہو سکتی ہے۔

ف ۲ ہندہ بلا اجازت زوج کے اپنی والدہ کے گھر سے اپنے برادر حقیقی کے سسرال میں تقریب یا ملاقات کے بہانہ سے جاکر رہا کرتی ہے ایسی صورت میں زوج اور زوجہ کے نسبت کیا حکم ہے۔

ف ۳ اگر ہندہ اپنے زوج سے دو ہفتہ کی اجازت لے کر اپنے والدہ محمودہ کے گھر جائے اور زد و کوب و دشنام دہی کا غلط الزام لگاکر زوج کے گھر واپس نہ آئے۔ اور اگر زوج کے گھر سے منجانب زوج بغرض طلبی کوئی جائے تو اُن کو یہ جواب دیا جائے کہ میں تا قیامت نہیں آتی اس کا کیا حکم ہے۔

ف ۴ ہندہ کسی محلہ دار یا شناسا یا خویش و اقارب کے گھر یا شفاخانہ میں جو خاص مستورات کے لئے ہو یا کسی میلہ یا مینا بازار جو مستورانوں کے لئے ہوتا ہے یا کسی بنگلہ یا ملگی وغیرہ میں بغرض تماشہ بینی جائے تو اس کے متعلق شرعاً کیا احکام ہیں۔

ف ۵ بلا اجازت زوج کے خفیہ کسی شخص کے سامنے جو برادری کا ہو بے پردہ

ہوجائے تو ایسی صورت میں زوجہ زوج کے عقد سے باہر سمجھی جائیگی یا نہیں۔ اگر سمجھی جاتی ہے تو مہر کے نسبت کیا حکم ہے۔

الجواب

زوجہ سے جو قصور کہ سرزد ہوتے ہیں اگر وہ ایسے ہیں کہ جن پر حد واجب ہوتی ہے تو ان قصور کے لحاظ سے زوجہ شرعاً حد کی مستحق ہے اور جن قصور کے لئے شرع میں حد نہیں ہے ان کے متعلق زوج کو یہ حق دیا گیا ہے کہ زوجہ کو تنبیہ و تعزیر کرے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۳) صفحہ (۱۹۴) باب التعزیر میں ہے (یعزر المولی عبدہ والزوج زوجتہ) ولو صغیرۃ لما سیجیء (علی ترکہا الزینۃ) الشرعیۃ مع قدرتہا علیہا (و) ترکہا (غسل الجنابۃ) و (علی الخروج من المنزل) لو بغیر حق (وترک الاجابۃ الی الفراش) لو طاہرۃ من نحو حیض ویلحق بذلک ما لو ضربت ولدہا الصغیر عند بکائہ او ضربت جاریۃ غیرۃ ولا تتعظ بوعظہ او شتمتہ ولو بنحو یا حمار او ادعت علیہ او مزقت ثیابہ او کلمتہ لیسمعہا اجنبی او کشفت وجہہا لغیر محرم او کلمتہ او شتمتہ او اعطت ما لم تجر العادۃ بہ بلا اذنہ والضابطہ ان کل معصیۃ لا حد فیہا فللزوج والمولی التعزیر ولیس منہ ما لو طلبت نفقتہا او کسوتہا والحت لان لصاحب الحق مقالا بحر۔ ردمختار میں ہے (قولہ لا تتعظ بوعظہ) مفادہ انہ لا یعزرہا اول مرۃ اور تحت قول ولو بنحو یا حمار لکھا ہے اذ لا شک ان ہذہ اساءۃ منہا فی حق زوجہا الذی ہو لہا کالسید وقدمنا عن الفتح ان لہ تعزیرہا باساءۃ الادب جو عورت کہ بدون حق شرعی خاوند کے بلا اجازت گھر سے چلی جاتی ہے اور خاوند کی اطاعت نہیں کرتی ایسی عورت کو شرع میں ناشزہ کہا جاتا ہے اور جب تک خاوند کے گھر میں واپس نہ آئے نفقہ سے محروم رہتی ہے

فتاوے مہدویہ کے جلد (۱) صفحہ (۴۰۶) میں ہے سئل فی رجل نشزت منہ زوجتہ فی دار ابیھا مدۃ عامین فطلبھا الزوج فی محل الحکومۃ الشرعیۃ الی طاعتہ فلم تجبہ وقالت انا کارھۃ لہ ولم ارض ان یجمع بینی وبینہ فھددھا القاضی وخوفھا بالضرب الشدید وضربھا الحاکم السیاسی اخاھا ضرباً شدیداً لاجل ان یحث اختہ علی طاعۃ الزوج فلم ترض وقالت اقتل نفسی ولا ارجع لہ ومکثت فی بیت ابیھا فھل والحال ھذہ تکتب ناشزۃ ولا نفقۃ لھا ولا یجوز ایلامھا بالضرب فی کل حین حتی یؤلف اللہ بینھما (الجواب) لا نفقۃ للزوجۃ مادامت ناشزۃ وخارجۃ عن طاعۃ الزوج بغیر حق وتؤمر بطاعتہ ولا تقر علی النشوز لانہ معصیۃ وقد صرحوا بان کل معصیۃ لیس فیھا حد مقدر ففیھا التعزیر وذکر فی التنویر وشرحہ من باب التعزیر یعزر المولی عبدہ والزوج زوجتہ ولو صغیرۃ علی ترکھا الزینۃ الشرعیۃ مع قدرتھا علیھا وترکھا غسل الجنابۃ وعلی الخروج من المنزل لو لغیر حق وترک الاجابۃ الی الفراش لو طاھرۃ من حیض اور صفحہ (۳۹۴) میں ہے (سئل) فی امرأۃ خرجت من بیت زوجھا ومکثت عند الناس اجانب من غیر اذنہ ومن غیر رضاھا وطلبت البقاء علی النشوز والطلاق وھو لا یرضی بذلک فھل یسقط مؤنتھا ونفقتھا مادامت کذلک (الجواب)

لا نفقة للناشزة وهي من خرجت من بيت زوجها بغير حق ما دامت كذلك پس صورت مسئولہ میں زوجہ کا خاوند کے گھر سے بلا اجازت باہر جانا اور بلا اجازت اجنبی اشخاص کے گھر میں رہنا اور ان سے بے پردہ ہونا خاوند پر زدوکوب کی تہمت لگا کر ماں باپ کے گھر بیٹھنا اور تا قیامت آنے سے انکار کرنا میلوں اور بنگلوں پر تماشہ بینی کیلئے بلا اجازت جانا ان تمام افعال کے ارتکاب سے زوجہ ناشزہ و نافرمان ہوتی ہے گھر میں واپس آنے تک زوج پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہے اور گھر میں آنے کے بعد جبکہ خاوند کی اطاعت سے انکار کرے تو خاوند کو یہ حق ہے کہ اطاعت قبول کرنے تک غیر نقصان دہ زدوکوب کرتا ہے کیونکہ نقصان دہ زدوکوب سے شرعاً زوج پر تعزیر واجب ہوتی ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۳) صفحہ (۱۹۵) باب التعزیر میں ہے لان تاديبه مباح فيتقيد بشرط السلامة قال المصنف وبهذا ظهر انه لا يجب على الزوج ضرب زوجته اصلا (ادعت على زوجها ضربا فاحشا وثبت ذلك عليه عزر كما لو ضرب المعلم الصبي ضربا فاحشا) فانه يعزر ويضمنه لو مات ردمحتار میں ہے (قوله ضربا فاحشا) قيد به لانه ليس له ان يضربها في التاديب ضربا فاحشا وهو الذي يكسر العظم او يخرق الجلد او يسوده كما في التاتارخانية قال في البحر وصرحوا بانه اذا ضربها بغير حق وجب عليه التعزير اهـ اي وان لم يكن فاحشا نافرمانی کی وجہ سے زوجہ نکاح سے خارج نہیں ہوتی اور نہ مہر ساقط ہوتا ہے البتہ اگر مرتد ہو جائے یا اپنے سوتیلے لڑکے سے تعلق

پیدا کرے تو اس وقت مہر ساقط ہوتا ہے ردالمحتار جلد (۲) صفحہ (۳۳۹) میں ہے
وافاد ان المہر وجب بنفس العقد مع احتمال سقوطہ بردتہا
او تقبیلہا ابنہ وتنصفہ بطلاقہا قبل الدخول۔
ف اگر زوجہ بحالت نکاح اجنبی شخص سے زنا میں مرتکب ہو جاوے تو
نکاح سے خارج نہیں ہوتی مگر زوج پر لازم ہے کہ حیض آکر اس کا رحم نطفۂ زنا
سے پاک ہونے تک اس سے جماع نہ کرے اس کے بعد کرسکتا ہے درمختار مطبوعہ
برحاشیۂ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۶۳۱) باب العدۃ میں ہے والمزنی بہا
لاتحرم علی زوجہا وفی شرح الوہبانیۃ لو زنت المرأۃ لا یقربہا زوجہا
حتی تحیض لاحتمال علوقہا من زنا فلا یسقی ماءہ زرع غیرہ
فلیحفظ لغرابتہ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے
نومسلمہ ہندہ کے ساتھ بمعاوضۂ پانچ سو سکۂ رائجہ اور پانچ دینار مہر موجل کے
نکاح کیا۔ کچھ عرصہ تک ہندہ زید کی مطیع رہی بعد انواع و اقسام کے کج بحثیوں
و نااتفاقیوں کی وجہ سے زید نے ہندہ کو ایک مقام سے دوسرے مقام
کو روانہ کرکے بذریعۂ تحریر طلاق لکھ بھیجی اور اس کی اطلاع تحریر آ اپنے دو
ایک دوستوں اور دارالقضاء کو بھی دیدی۔ اس کے بعد ہندہ زید کا تعاقب
کی اور اپنے رکھنے پر مصر ہوئی نہ رکھنے کی صورت میں مرجانے پر آمادگی ظاہر
کی تو زید نے ہندہ کو رکھ لیا اور پھر تعلقات زن و شوہری جاری ہوگئے

مہر کا روپیہ ادا نہیں ہوا تھا اور بالمواجہ دینے میں خطرات تھے لہذا علماء دین حوالۂ کتب سے فتویٰ صادر فرمائیں کہ نکاح ساقط ہوا یا نہیں اور ایسا رجوع جائز ہے یا نہیں بصورت اسقاط نکاح ونا جواز رجوع ایسی عورت کے علحدگی کی کیا صورت ہے۔

الجواب

زید اگر ہندہ کو ایک یا دو طلاق صریح بایں لفظ کہ تجھے طلاق ہے یا ایک طلاق ہے یا دو طلاق ہے لکھ بھیجا ہے تو ایسی حالت میں زید کو طلاق کے بعد عدت یعنے تین حیض کے اندر ہندہ کو رجوع کرلینے کا حق ہے اور یہ رجوع شرعاً صحیح ہے اور اگر زید طلاق بائن یا تین طلاق لکھ بھیجا ہے تو زید کو اندرون عدۃ رجوع کا حق نہیں ہے طلاق بائن میں تو دوبارہ نکاح کی ضرورت ہے اور بدون نکاح ہندہ حرام ہے اور تین طلاق کی صورت میں تحلیل کے بعد زید نکاح کرسکتا ہے اور بدون تحلیل ہندہ زید پر حرام ہے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۴۷۰) باب الرجعۃ میں ہے واذا طلق الرجل امرأتہ تطلیقۃ رجعیۃ او تطلیقتین فلہ ان یراجعھا فی عدتھا رضیت بذالک اولم ترض کذا فی الھدایہ کنز الدقائق مجتبائی صفحہ (۱۲۰) باب الرجعۃ میں ہے وتصح فی العدۃ ان لم یطلق ثلاثاً ولم ترض اور صفحہ (۱۲۲) میں ہے وینکح مبانتہ فی العدۃ وبعدھا لا المبانۃ بالثلاث لو حرۃ وبالثنتین لو امۃ حتی یطأھا غیرہ پس صورت مسؤلہ میں زید اگر ہندہ کو طلاق صریح ایک یا دو تحریر کیا تھا اور بعد ختم عدۃ پھر اسکو رجوع کیا ہے یا طلاق بائن یا تین طلاق تحریر کرنے کے بعد تعلقات زوجیت قائم کیا ہے تو

شرعاً یہ حرام ہے ایسے وقت میں اگر ہندہ اس کو چھوڑنا نہیں چاہتی تو چاہیئے کہ جس طرح بن پڑے اس سے قطعاً علیحدہ ہو جائے ہندہ کی خودکشی و تباہی کا اصلا لحاظ نہ کرے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۴۷۶) باب الرجعۃ میں ہے وفی النعیسیۃ سئل عن امراۃ حرمت علی زوجھا ولا یتخلص عنھا الزوج ولوغاب عنھا سحرتہ فردتہ الیھا ھل لہ ان یحتال فی قتلھا بالسم ونحوہ یتخلص منھا قال لا یحل ویبعد عنھا بای وجہ قدر کذا فی التاتارخانیہ اسی طرح درمختار مطبوعہ برحاشیۂ ردمختار جلد ۲ صفحہ ۵۵۹ باب الرجعۃ میں ہے واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر عورت بحالت غصہ اپنے شوہر سے کہے کہ تو میرا باپ ہے اور میں تیری بیٹی یا تو باپ کے سر کا اور میں تیری بیٹی کے برابر یا اس کا عکس یعنے مرد اسی طرح کہے اور اپنی اس گفتگو پر قسم کھائے تو کیا ایک دوسرے میں تعلق شرعی باقی رہے گا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی یا کفارہ لازم آئیگا اور اگر اس حالت میں مباشرت کریں تو ان کی نسبت کیا حکم ہے۔

الجواب

خاوند اگر اپنی زوجہ کو یہ کہے کہ تو میری بیٹی ہے یا بہن ہے یا ماں ہے تو اس سے ظہار نہیں ہوتا اور نہ کوئی حرمت لازم آتی ہے مگر ایسا کہنا شرعاً مکروہ ہے البتہ ظہار کے کہنے سے ظہار ہوتا ہے اور کفارہ بھی لازم آتا ہے عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ ۵۰۷ میں ہے لو قال لھا انتِ امی لا یکون مظاھرا وینبغی ان یکونا مکروھا ومثلہ ان یقول یا ابنتی ویا اختی ونحوہ پس صورت مسئولہ میں خاوند کا اپنی زوجہ

کو بیٹی کہنا یا زوجہ کا اپنے کو خاوند کی بیٹی کہنا اور اس پر قسم کھانا یا خاوند کا اپنے کو زوجہ کا بیٹا کہنا ان الفاظ سے شرعاً مابین زوج و زوجہ کے کوئی حرمت نہیں آتی اور نہ اس کا کوئی کفارہ ہے ایسے الفاظ کہنے کے بعد ہر دو مباشرت کر سکتے ہیں مگر ایسے الفاظ کا زبان سے نکالنا شرعاً مکروہ ہے اس لئے زوج زوجہ پر لازم ہے کہ آئندہ سے احتیاط کرے اور کبھی ایسے کلمات زبان پر نہ لائے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنے زوج خالد پر زدوکوب ودشنام دہی کا اتہام لگا کر اپنے والدہ کے گھر میں اپنے دو کم سن لڑکوں کے ہمراہ سکونت پذیر رہی اور زوج کو لڑکوں کی ملاقات سے محروم کرکے زوج کے گھر آنے سے ہمیشہ کے لئے انکار کی حالانکہ ہندہ کو زوج کے گھر میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔ زوج اپنے اقارب و احباء کو بغرض طلبی ہندہ کے پاس بھیجتا رہا مگر ہندہ کو انکار ہی رہا۔ آخر کار دس ماہ کے بعد زوج خود چند احباب کے ساتھ ہندہ کے پاس گیا اور اوسکو اپنے گھر لایا ہندہ دو چار روز زوج کے گھر میں اقامت کرکے زوج کو مجبور کر رہی ہے کہ پھر اپنی والدہ کے پاس روانہ کرے اور زوج اس اندیشہ سے کہ پھر بیٹھ جائے گی اور اجنبیوں سے بے پردہ ہوگی بھیجنا نہیں چاہتا اس کے متعلق حکم شرعی کیا ہے۔

ف زوج کو اگر زوجہ کے والدین و رشتہ دار قریبہ سے زوجہ کو بھڑکانیکا اندیشہ ہو تو کیا زوج ان کو زوجہ کی ملاقات سے روک سکتا ہے یا نہیں اور زوجہ

اپنے شوہر کے بلا اجازت اپنی رائے سے کسی رشتہ دار سے بے پردہ ہو سکتی ہے یا نہیں

الجواب

زوجہ کے والدین اگر صحیح و تندرست ہیں اور دیکھنے کے لئے خاوند کے گھر تک آسکتے ہیں اور زوجہ کے والدین کے گھر جانے سے زوج کو فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے تو ایسی حالت میں زوج کو یہ حق حاصل ہے کہ زوجہ کو بغرض ملاقات جانے سے منع کرے کیونکہ اس وقت زوجہ کے وہاں جانے سے والدین کا یہاں آنا آسان ہے۔ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۶۸۲) میں ہے وعن ابی یوسف فی النوادر تقیید خروجہا بان لا یقدر اعلی اتیانہا فان قدر الا تذہب وھو حسن وقد اختار بعض المشائخ منعہا من الخروج الیہما واشار الی نقلہ فی شرح المختار والحق الاخذ بقول ابی یوسف اذا کان الابوان بالصفۃ التی ذکرت والا ینبغی ان یأذن لہا فی زیارتہما فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف اما فی کل جمعۃ فھو بعید فان کثرۃ الخروج فتح باب الفتنۃ خصوصاً اذا کانت شابۃ والزوج من ذوی الھیأت بخلاف خروج الابوین فانہ ایسر زوج کو اگر زوجہ کے والدین وعزیز و اقارب قریبہ کے آنے سے اغواء وفتنہ وفساد کا اندیشہ ہے تو چاہیئے کہ والدین کو ہفتہ میں ایک دفعہ اور دوسرے محارم کو سال میں ایک دفعہ آنے سے منع نہ کرے مگر ان کو زوجہ کے پاس قیام کرنے کی اجازت نہ دے اور محارم کے سوا اجنبی اشخاص اور اقارب بعیدہ کے روبرو بے پردہ ہونے اور ملنے سے منع کرے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صفحہ (۶۸۲) ولا یمنعہما من الدخول علیہا فی کل جمعۃ وفی غیرہا

من المحارم فی کل سنة ویمنعهم من الکینونة وفی نسخة من البیتوتة لکن عبارة ملا مسکین من القرار عندها به یفتی خانیه ویمنعها من زیارة الاجانب وعیادتهم والولیمة وان اذن کانا عاصیین واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ ہندہ کو بحالت غضب بلفظ طلاق ایک طلاق دیا اور تین طہر کے اندر زوجہ سے ملاپ کرلیا کیا یہ رجوع شرعاً صحیح ہے یا نہیں بسوا توجروا۔

الجواب

طلاق رجعی میں عدۃ کے اندر رجعت صحیح ہے اور مذہب حنفی میں حائضہ غیر حاملہ کیلئے طلاق کے بعد تین حیض عدۃ رکھی گئی ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اگر تین حیض ختم ہونے کے پہلے زبان سے یا فعل سے رجعت کی گئی ہے تو صحیح ہے۔ کنز الدقائق مطبوعہ مجتبائی کے صفحہ (۱۳۰) باب الرجعۃ میں ہے وتصح فی العدة ان لم تطلق ثلاثا ولو لم ترض براجعتك وراجعت امرأتی وبما یوجب حرمة المصاهرة اور صفحہ (۱۳۳) باب العدۃ میں ہے ھی تربص تلزم المرأة وعدة الحرة للطلاق او الفسخ ثلثة اقراء ای حیض۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پر ہفتہ میں ایک یا دو بار

ایک عارضہ طاری ہوتا ہے جس میں اس کی طبیعت نہایت پریشان ہوجاتی ہے اور ہوش و حواس برابر نہیں رہتے اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی ایک دفعہ رات کے چار بجے اس کو یہ حالت شروع ہوی اور وہ اپنی خوشدامن کے باہمی جھگڑے سے زوجہ کو طلاق طلاق دو دفعہ کہا اس کے بعد قاضی محلہ کہنے سے زوجہ کا نام لیکر تین طلاق کہا اس حالت سے افاقہ پانے کے بعد زید اس واقعہ کو سن کر نہایت افسوس کیا اور نافہمی سے ان الفاظ کے اپنی زبان سے نکلنے کا اقرار کیا کیا ازروے شرع شریف طلاق واقع ہوی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جب کسی شخص پر مرض یا دماغی خلل و فتور عقل کی وجہ سے یا شدۃ غضب سے ایسی مدہوشی طاری ہو جائے کہ اسکو بھلے برے کی تمیز نہ رہے اور نہ اسبات کا خیال رہے کہ اسوقت اس کی زبان سے کیا الفاظ نکل رہے ہیں اگر ایسا شخص ایسی حالت میں زوجہ کو طلاق دیدے تو اس طلاق کا شرع میں اعتبار نہیں ہے ردمحتار جلد (۲) صفحہ ۴۳۸ طلاق مدہوش میں ہے سئل نظما فیمن طلق زوجتہ ثلثا فی مجلس القضاء وھو مغتاظ مدھوش فاجاب ایضا بان الدھش من اقسام الجنون فلا یقع واذا کان یعتادہ بان عرف منہ الدھش مرۃ یصدق بلا برھان اھ اسی صفحہ میں ہے والذی یظھر لی ان کلام المدھوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الھذیان واختلاط الجد بالھزل کما ھو المفتی بہ فی السکران علی ما مر اس عبارت کے سلسلہ میں ہے فالذی ینبغی التعو

علیہ فی المدھوش ونحوہ اناطۃ الحکم لغلبۃ الخلل فی اقوالہ وافعالہ الخارجۃ عن عادۃ وکذا یقال فیمن اختل عقلہ لکبر اولمرض اولمصیبۃ فاجأتہ فما دام فی حال غلبۃ الخلل فی الاقوال والافعال لا یعتبر اقوالہ وان کان یعلمھا ویریدھا لان ہذہ المعرفۃ والارادۃ غیر معتبرۃ لعدم حصولھا عن ادراک صحیح کما لا یعتبر من الصبی العاقل پس صورت مسئولہ میں اگر طلاق دینے کے وقت زید کی فی الواقع ایسی حالت تھی جیسا کہ تحریر کیا گیا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ مسمی زیب النساء نے نان و نفقہ کی عدم خبر گیری کی وجہ سے عدالت متعلقہ میں اپنے شوہر پر دعویٰ دائر کی عدالت میں حاکم وقت کے روبرو مسمی عبد الواحد شوہر زیب النساء نے یہ اقرار نامہ داخل کیا کہ آئندہ سے میں برابر ماہ بماہ نان و نفقہ کے لئے پانچ روپیہ دیا کرونگا۔ اگر چھ ماہ کی مدت تک میرے طرف سے مسماۃ مذکور کو نان و نفقہ نہ پہنچے تو مسماۃ مذکور اس مدت کے گذر جانے کے بعد میرے نکاح سے باہر ہو جائیگی یعنے طلاق ثلاثہ عائد ہوگی اس اقرار نامہ کے بعد ایک سال تک مسمی عبد الواحد نے اپنی زوجہ کو کچھ بھی نان و نفقہ ادا نہیں کیا کیا مسماۃ زیب النساء اس وقت اس نکاح سے علحدہ ہوئی اور اس پر طلاق ثلاثہ واقع ہوئی اور اب وہ نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں اور در صورت علحدگی کے مہر کی مستحق ہوگی یا نہیں۔

الجواب

جو طلاق کسی شرط کے متعلق کی جاتی ہے اوس کو طلاق معلّق و یمین بالطلاق کہا جاتا ہے شرط کے موجود ہونے سے طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے درمختار مطبوعہ برحاشیۂ ردمحتار مصری جلد (۲) صہ ۵۰۵ باب التعلیق میں ہے وھو ربط حصول مضمون جملۃ بحصول مضمون جملۃ اخریٰ) ویسمی یمینا مجازا اور صہ ۵۱۵ میں ہے (وتنحل) الیمین (بعد) وجود (الشرط مطلقا) پس صورت مسئولہ میں چونکہ زوج نے چھ ماہ تک زرخوراک ادا نہ کرنے پر طلاق ثلاثہ کے وقوع کو معلّق کر دیا ہے اس لئے بدون ادائی زرخوراک چھہ مہینہ کامل گذر جانے کے بعد زوجہ پر طلاق ثلاثہ سے طلاق مغلظہ واقع ہو گئی اگر زوجہ حاملہ نہیں ہے تو وقوع طلاق سے تین حیض گذر جانے کے بعد اوسکو دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کا حق حاصل ہے زوج اگر زوجہ سے خلوت صحیحہ کیا ہے تو بعد طلاق اوس پر پورا مہر واجب الادا ہے اگر خلوت صحیحہ نہیں ہوئی ہے تو نصف مہر کی ادائی واجب ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید عمرو سے اقرار کیا کہ عمرو کے ہمراہ شرب خمر یا زنا یا قتل یا دیگر افعال شنیعہ کا مرتکب ہوگا۔ اگر نہ ہوا تو زید کی زوجہ پر تین طلاق ہیں اس کے بعد زید ان افعال میں عمرو کی ساتھ داری نہیں کیا کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

الجواب

زوج اپنی زوجہ کے طلاق کو جس کام کے نہ کرنے پر معلق کرتا ہے اگر اس کام کا مرتکب نہ ہو تو بلحاظ تعلیق زوجہ پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ بزازیہ برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد ۴ صفحہ ۲۷۳ باب یمین الطلاق میں ہے قال لغیرہ ان لم افعل کذا غداً آنکہ مرا بخانہ است بطلاق است ولم یفعل غداً طلقت بنابریں اگر ترک شراب پر کوئی اپنی زوجہ کی طلاق کو معلق کرے تو استعمال شراب سے زوجہ مطلقہ نہ ہو گی اور ترک کی دائی پر مطلقہ ہو جائیگی عالمگیریہ مصری جلد (۱) صفحہ (۴۳۸) باب تعلیق طلاق میں ہے وفی الفتاوی رجل عاتبت امرأته فی شرب الشراب فقال ان ترکت شربها غداً فانت طالق ان کان بعزم ان لا اترک شربها الا بحنث وان کان لا یشربها کذا فی الخلاصۃ بس صورت مسئولہ میں زید نے چونکہ افعال شنیعہ کے ساتھ داری کرنے پر طلاق کو معلق کیا ہے اس لئے بلحاظ تعلیق ساتھ داری نہ کرنے کی وجہ سے زوجہ پر تین طلاق واقع ہو گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک زوجہ کے ہوتے ہوئے ایک اور نکاح کیا۔ چند روز بعد زوجۂ اولیٰ کو اس نکاح سے مغموم اور بے دل پاکر زوجۂ ثانیہ کو اوس کے عدم موجودگی میں زوجۂ اولیٰ کی خوشی کے لئے بلا ارادہ تعیین وقت طلاق دیا ہوں کہدیا۔ یہ سنکر زوجۂ اولیٰ بہت خوش اور تابعدار بنگئی۔ کیا یہ طلاق شرعاً واقع ہوی یا نہیں اگر واقع ہوئی ہے تو کیسی کیا دوبارہ نکاح کا موقع باقی ہے یا نہیں۔

الجواب

طبیل اور مذاق سے بدون ارادہ کے محض زبان سے طلاق کا لفظ نکالنے سے بھی واقعی و یقینی طلاق واقع ہو جاتی ہے عالمگیریہ جلد اوّل کتاب الطلاق فصل منمن یقع طلاقہ میں ہے وطلاق اللاعب والھازل بہ واقع پس صورت مسئولہ میں زوج نے بدون ارادہ کے زوجہ اولیٰ کو خوش کرنے کے لئے جو زوجہ ثانیہ کو طلاق دیا ہے یہ طلاق واقع ہو گئی اور تین صریح طلاق ہونے کی وجہ سے بدون تحلیل کے یعنی زوجہ دوسرے خاوند سے نکاح و صحبت کرنیکے بعد اس سے طلاق حاصل کر کے عدت ختم کئے بغیر زوج اوّل پر حرام ہے۔ کنز الدقائق کتاب الطلاق فصل فیما یحل بہ المطلقۃ میں ہے وینکح مبانتہ فی العدۃ وبعدھا لا المبانۃ بالثلث لو حرۃ وبالثنتین لو امۃ حتی یطأھا غیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ زید سے بتقرر زر مہر مبلغ پانسو روپیہ عقد کی بعد چندی زید فارغخطی دیا اور ہندہ بذریعہ عدالت زر مہر تمام و کمال زید سے وصول پاکر عمرو سے عقد کی اور عمرو کے صلب سے ہندہ کو ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ہندہ کے والدین بھی زندہ موجود ہیں ہندہ مبلغ پانچسو روپیہ رقم زر مہر شوہر مابعد کو مبادلہ دی۔ چند عرصہ کے بعد ہندہ بیماری میں مبتلا ہوئی اور اخیر وقت میں وصیت کی کہ مبلغ پانسو زر مہر شوہر مابعد کے پاس ہے میرے والدین کو دیا جائے ان کے سوائے کوئی نہ لے۔ ہندہ کا انتقال ہو گیا ہے اسکے ورثا میں والدین لڑکا شوہر ثانی موجود ہے اور شوہر ثانی کا بیان ہے کہ وہ بھی ہندہ کو طلاق دیا ہے۔ پس اس حالت میں رقم مذکور پانیکے کون مستحق ہیں۔

ف عمر شوہر ثانی سوا سو روپیہ زر مہر پر عقد کیا تھا اس کے نسبت کیا حکم ہے
بینوا توجروا۔

الجواب

شریعت میں بدون اجازت دوسرے ورثا کے وارث کے لئے وصیت
ناجائز ہے عالمگیری کے کتاب الوصایا میں ہے ولا تجوز الوصیۃ للوارث
عندنا الا ان یجیزها الورثۃ خاوند اگر زوجہ کو طلاق رجعی دے تو اندرون
عدۃ ہر ایک دوسرے کا وارث ہے اور عدۃ کے بعد وارث نہیں۔ عالمگیریہ کے
جلد (۱) کتاب الطلاق باب طلاق المریض میں ہے قال الجخندی الرجل اذا
طلق امراته طلاقا رجعیا فی حال صحته او فی حال مرضه رضاها او
بغیر رضاها ثم مات وهی فی العدۃ فانهما یتوارثان بالاجماع اور اگر زوجہ
کو طلاق بائن یا مغلظہ زوجہ کے بلا رضامندی اپنے مرض موت کی حالت میں دے
تو اندرون عدۃ زوجہ اسکی وارث ہے اور یہ اس کا وارث نہیں اور اگر زوجہ
کی رضامندی سے دے تو اندرون عدۃ ہر ایک دوسرے کے وارث نہیں اور
عدۃ ختم ہونے کے بعد کسی طلاق میں بھی زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں
اور اگر زوج اپنے صحت کی حالت میں زوجہ کو طلاق بائن یا مغلظہ دے تو ہر ایک
دوسرے کا نہ اندرون عدۃ وارث ہے اور نہ بعد عدۃ عالمگیری باب طلاق المریض
میں ہے ولو طلقها طلاقا بائنا او ثلاثا ثم مات وهی فی العدۃ فکذلک
عندنا ترث ولو انقضت عدتها ثم مات لم ترث وهذا اذا طلقها من
غیر سوالها فاما اذا طلقها بسوالها فلا میراث لها کذا فی المحیط ردمحتار

کے باب طلاق المریض میں ہے لو ابانھا فی مرضہ فماتت ھی قبل القضاء عدتھا لا یرث منھا بیّن شرح کنز کے طلاق مریض میں ہے بخلاف البائن لان السبب وھو النکاح قد زال فلا ینبغی ان ترثہ کما لا یرثھا ھو حاشیہ شلبی علی التبیین میں تحت قول (فلا ینبغی لھا ان ترثہ) مکتوب ہے یعنے لو ابان امرأتہ ثم ماتت لا یرثھا لان الزوجیۃ قد بطلت بھذا العارض اور اس عبارت کے ماقبل ہے واجمعوا انہ طلقھا فی الصحۃ فی کل طھر واحدۃ ثم مات احدھا لا یرثہ الآخر پس صورت مسئولہ میں ہندہ جو زرِ مہر والدین کو دینے کے لئے وصیت کی ہے چونکہ یہ وصیّت وارث کے لئے ہے اس لئے دوسرے ورثار کی اجازت پر موقوف ہے۔

ہندہ کا دوسرا خاوند جو اسکو طلاق دیا ہے اس کے متعلق حسب تفصیل سابق صراحت کرلی جائے کہ کس قسم کی طلاق دیا ہے آیا رجعی یا بائن اور بعد طلاق زوجہ عدۃ کے اندر مری ہے یا باہر اس تحقیق کے بعد جبکہ خاوند مستحق میراث ثابت ہو اور خاوند اور لڑکا بعد بلوغ جبکہ یہ دونوں اس وصیّت کو جائز نہ رکھیں یعنے اس سے راضی نہوں تو زرِ مہر اور جملہ متروکہ ہندہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے اور اگر کوئی دوسری وصیت غیر وارث کے لئے کی ہے تو ثلث متروکہ میں وہ وصیت جاری کرنے کے بعد باقی کے بارہ حصّے کرکے خاوند کو تین حصّے اور ماں باپ سے ہر ایک کو دو دو حصّے اور بیٹے کو پانچ حصّے دئے جائیں اور اگر خاوند وارث ثابت نہو تو اس کے جملہ متروکہ سے امور مذکورۂ بالا وضع کرنے کے بعد باقی کے چھہ حصّے کرکے ماں باپ سے ہر ایک کو ایک ایک حصّہ اور بیٹے کو چار حصّے دئے جائیں۔

ف زوجہ کا مہر جو دوسرے خاوند کے ذمہ واجب الادا رہے یہ زوجہ کا متروکہ ہے دیگر متروکہ کے ساتھ یہ بھی تقسیم سابق میں شریک رہیگا۔ فتاوائے مہدویہ جلد (۱) ص ۲۳۱ باب المہر میں ہے یتاکد المہر بموت احد الزوجین فیکون ترکۃ یقسم بین ورثتہا بالفریضۃ الشرعیۃ کجمیع ما تحقق انہ مملوک لہا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق بائن دیا طلاق کے وقت ہندہ کے بطن سے زید کو پانچ سال کی عمر کا لڑکا موجود تھا پس زید کے انتقال کے بعد کیا یہ لڑکا زید کے متروکہ کا وارث شرعی ہے یا نہیں۔

الجواب

ماں کے مطلقہ ہو جانے سے اولاد باپ کے متروکہ سے محروم نہیں ہوتی پس صورت مسئولہ میں زید کا لڑکا جو ہندہ کے بطن سے ہے زید کے متروکہ کا وارث شرعی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص غصہ یا نشہ کی حالت میں بلا نیت اپنی منکوحہ کو کہے کہ چلی جا۔ یا نکل جا۔ یا گھر سے باہر ہو جا۔ یا میں تجھ سے الگ ہوا تو ان جملوں کے کہنے سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں اور اگر طلاق واقع ہو گی تو کونسی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ان الفاظ میں چونکہ عورت کے سوالِ طلاق کو رد کرنے اور جواب دینے کا احتمال ہے اس لئے یہ الفاظ اگر غصہ کی حالت میں کہے جائیں تو جبتک ان سے طلاق کی نیت نہ کی جائے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ درمختار کے باب الکنایات میں ہے (فنحو اخرجی واذھبی) تقنعی تخمری استتری انتقلی انطلقی اعزبی من الغربة او من العزوبة (یحتمل ردًّا) اسی جگہ ہے (وفی الغضب توقف (الاولان) ای نوی وقع والا لا ردمحتار میں ہے (قوله توقف الاولان) ای مایصلح ردًّا وجوابًا ومایصلح سبًّا وجوابًا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید خانہ زاد سرکاری کے انتقال کے بعد اسکی زوجہ کے نام بیوہ پروری کی ماہوار جاری ہوئی اب اوس کی جائداد پر دوسرا خانہ زاد مامور ہوا ہے اور زید کی زوجہ عقد ثانی کرلی ہے۔ کیا ماہوار بیوہ پروری لائق موقوفی ہے یا نہیں۔

الجواب

زوجہ کا نفقہ زوج پر واجب ہی اس لئے صورت مسئولہ میں جب زید کی زوجہ عقد ثانی کرلی ہے تو اوس کی پرورش کا ذمہ دار اوس کا زوج ثانی ہے ماہوار کی ضرورت نہیں۔ عالمگیریہ جلد اوّل کتاب الطلاق باب نفقات میں ہے تجب علی الرجل نفقة امراته المسلمة والذمیة والفقیرة والغنیة دخل بها او لم یدخل کبیرة کانت المرأة او صغیرة

یجامع مثلہا کذا فی فتاوی قاضی خان واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی زوجہ سے لڑائی کی حالت میں کہا کہ تو آج کے روز سے میری والدہ کے مثل ہے اور نیت اوسکی یہ تھی کہ زوجیت کے معاملہ میں مثل والدہ کے ہے۔ چنانچہ اوس کے بعد زوجہ سے علحدہ ہوکر دو سال کا عرصہ گذرا پس یہ ظہار ہے یا طلاقِ کنایہ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں شخص مذکور کا قول ظہار ہے۔ چاہیئے کہ کفارۂ ظہار ادا کر کے زوجہ سے مباشرت کرلے درمختار کے باب الظہار میں ہے (وان نوی بانت علی مثل) اوکامی وکذا لو حذف علی خانیہ (براً او ظہاراً او طلاقاً صحت بینۃ) (والا ینو شیئاً او حذف الکاف لغا) وتعین الاولی ای البر یعنی الکرامۃ ردالمحتار میں تحت قول لانہ کنایۃ بحر سے منقول ہے والصحیح انہ ظہار عند الکل لانہ تحریم موکد بالتنبیہ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں کیا فرماتے ہیں۔

(۱) بغیر نکاح بطور زنا بکر کا نامزد بیٹا زید غیر صحیح النسب موجود ہے بکر کا انتقال ہوگیا کیا ایسی حالت میں بکر کا وارث شرعی زید قرار پاسکتا ہے۔

(۲) بکر کا جائز مگر علاتی بھائی موجود ہے بکر کے نام عطائے سلطانی معاش مشروط بھی ہے اور یہ معاش پیدا کردہ جد و پدر بکر و خالد ہے بکر کا لاولد انتقال ہوا ایسی صورت میں کیا بہ مقابل خالد زید غیر صحیح النسب کو ترجیح ہو سکتی ہے اور زید معاش مشروط پاسکتا ہے۔

(۳) زید جسکی ماں کا نکاح نہیں ہوا اور باپ بھی شک کی حالت میں ہے یہ پیش امام نماز یا سجادگی یا قضاءۃ وغیرہ امور شرعیہ کا پیشوا قرار پاسکتا ہے اور خدمت خطابت وغیرہ انجام دے سکتا ہے۔

(۴) کیا شرعاً خدمت قضاءۃ اور اس کا صلہ قابل تقسیم ہے اگر ہے تو اوس کا استحقاق ورثاء جائز کو ہے یا شخص غیر صحیح النسب کو۔

(۵) شرعاً قاضی کیسا شخص مقرر ہونا چاہیئے۔

الجواب

(۱) بکر اگر اپنے حین حیات زید کے لڑکا ہونے کا اقرار کیا ہے اور زنا سے ہونا
بیان نہیں کیا تو زید کا نسب بکر سے ثابت ہے بشرطیکہ زید میں بلحاظ عمر
بکر کا لڑکا ہونے کی صلاحیت ہو اور کسی دوسرے سے اس کا نسب ثابت
نہو اور اگر بکر کو زید کے زنا سے ہونے کا اقرار تھا تو زید کا نسب ثابت نہیں
درمختار کے کتاب الطلاق باب ثبوت النسب میں ہے (قال لعلام
هو ابنی ومات) المقر فقالت امه انا امرأته وهو ابنه يرثانه
استحسانا ردمختار میں ہے (قوله وهو ابنه) لم يظهر لی وجه
التقييد به فان البنوة ثابتة باقرار الميت اور عالمگیریہ کے
جلد ۴ کتاب الدعوی فصل الثامن میں ہے ولو قال المدعی هو ابنی و
هو غير الاب ولم يقل من الزنا ثم ملكه يثبت النسب ويعتق
اور کتاب الاقرار باب سابع عشر فی الاقرار بالنسب میں ہے يصح اقرار الرجل
بالولد بشرط ان يكون المقر له بحال يولد مثله لمثله وان لا يكون
المقر له ثابت النسب من غيره وان يصدق المقر له المقر فی اقراره
اذا كانت له عبارة صحيحة اس اقرار کے بعد زید بکر کا بیٹا ہونیکی حیثیت
سے وارث شرعی ہے اگرچہ اس وقت بکر کے دوسرے ورثاء اس کے بیٹا
ہونے سے انکار کریں عالمگیریہ کے اسی صفحہ میں ہے حتى انه اذا اقر بالابن
مثلا فالابن المقر له يرث مع سائر ورثة المقر وان جحد سائر
الورثة نسبه اگر بکر کو حین حیات زید کے لڑکا ہونے کا اقرار نہیں تھا تو
اب بکر کے انتقال کے بعد تاوقتیکہ زید کی ماں کا نکاح ثابت نہو زید بکر کا لڑکا نہیں

ہو سکتا کیونکہ شریعت میں ولدالزنا کا نسب زانی سے منقطع کر دیا گیا ہے۔ عالمگیریہ کے
کتاب الدعویٰ فصل دعوۃ الولد من الزنا میں ہے فجاءت بولد فادعاہ الزانی لم یثبت
نسبہ منہ ردمحتار کے کتاب النکاح فصل محرمات میں ہے لان الشرع قطع نسبہ منہ
(۲) معاش مشروط الخدمت خدمت کی اجرت ہے اس کا مستحق وہی شخص ہے
جس کو سرکار سے خدمت عطا ہوئی ہے اور خدمت کا دینا یہ سرکار کے
اختیار میں ہے متروکہ و میراث نہیں ہے اہلیت و قابلیت پر اس کا مدار
ہے اگر زید بکر کا وارث جائز یعنی لڑکا ثابت ہو جائے اور خدمت کا
اہل بھی ہو تو یہی اس کا مستحق ہے ورنہ جو اہل ہے وہ اس کا مستحق ہے
فتاوے قاضی خاں میں ہے وان کان الانعام بشرط الخدمة
فهو اجرة فلا یورث ولا یقسم ولا یستحق الاجرة الا من
قام بالخدمة فتاوی ابی اللیث میں ہے الوظیفة بشرط الخدمة
لمن قام بها ردمحتار کے جلد سوم ص ۲۹۰ فصل الجزیہ میں ہے فیجب
علی ولاة الامور توجیهها علی اهلها ونزعها من الذی غیر الاهل
واذا مات احد من اهلها توجه علی ولده فان لم یخرج علی طریقة
والده یعزل عنها وتوجه للاهل۔
(۳) ولدالزنا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے درمختار کے کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ
میں ہے ویکره تنزیها امامة ولدالزنا خدمت قضارۃ کا اہل وہی
ہے جس کی گواہی کا شریعت میں اعتبار ہے درمختار کے کتاب القضاء میں ہے
(واهله اهل الشهادة) ای ادائها علی المسلمین ولدالزنا اگر متدین ہو

فاسق وفاجر نہو تو اس کی گواہی کا شریعت میں اعتبار ہے درمختار کے کتاب الشہادۃ باب من تقبل شہادتہ میں ہے وتقبل من ولد الزنا ردمحتار میں ہے قال فی المنح وتقبل شہادۃ ولد الزنا لان فسق الابوین لا یوجب فسق الولد ککفرھما پس صورت مسئولہ میں ولد الزنا خدمت قضاءۃ انجام دیسکتا ہے اور خدمت خطابت وسجادگی چونکہ عبادت سے متعلق ہے اس لئے اس کا حکم امامۃ کے ساتھ مربوط ہے۔ سوال چہارم کا جواب جواب دوم سے اور پنجم کا سوم سے حاصل ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

باب الحضانۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ میر سردار علی کا انتقال ہوا ورثا میں ایک برادر حقیقی سید احمد اور ایک زوجہ ایک پسر و تین دختر چھوڑا زوجہ بعد انتقال دوسرے سے نکاح کرلی پس پسر و دختران کمسن کی نگہداشت کیا ماں کے ذمہ رہیگی یا چچا کے بچوں کے نانا نانی بھی فوت ہیں۔

الجواب

بچوں کی ماں جس شخص سے نکاح کی ہے اگر وہ بچوں کا رحمی قرابت دار

نہیں ہے بلکہ اجنبی ہے تو حق حضانت دادی کو ہے اگر دادی زندہ نہیں ہے تو حقیقی بہن کو پھر اخیافی بہن کو پھر علاتی بہن کو۔ اس کے بعد حقیقی بھانجی کو پھر اخیافی بھانجی کو پھر علاتی بھانجی کو پھر اسی سلسلہ سے حقیقی و اخیافی و علاتی خالات کو پھر ان کے بعد اسی طرح پھوپیوں کو پھر ماں کی خالہ کو پھر باپ کی خالہ کو پھر ماں کی پھوپیوں کو پھر باپ کی پھوپیوں کو پھر باپ کو پھر دادا کو پھر حقیقی بھائی کو پھر علاتی بھائی کو پھر حقیقی بھتیجے کو پھر علاتی بھتیجے کو ان سب کے نہ ہونے کی صورت میں چچا مستحق حضانت ہے پس بصورت مسئولہ میں اگر ان تمام رشتہ داروں سے حسب ترتیب بالا کوئی بھی نہیں ہے تو چچا مسمی سید احمد کو حق حضانت حاصل ہے درمختار کے باب الحضانتہ صفحہ ۶۵۵ میں ہے (ثم) ای بعد الام بان ماتت اولم تقبل او اسقطت حقها او تزوجت باجنبی (ام الام) وان علت عند عدم اهلية القربی (ثم ام الاب وان علت) بالشرط المذکور واما ام اب الام فتؤخر عن ام الاب بل عن الخالة ایضا بحر (ثم الاخت لاب وام ثم لام) لان هذا الحق لقرابة الام (ثم) الاخت (لاب) ثم بنت الاخت لابوین ثم لام ثم لاب (ثم الخالات کذلك) ای لابوین ثم لام ثم لاب ثم بنت الاخت لاب ثم بنات الاخ (ثم العمات کذلك) ثم خالة الام کذلك ثم خالة الاب کذلك ثم عمات الامهات والاباء بهذا الترتیب ثم العصبات بترتیب الارث فیقدم الاب ثم الجد ثم الاخ الشقیق ثم لاب ثم بنوه کذلك ثم العم ثم بنوه واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ماں کو بچہ کا حقِّ حضانت بمقابل تایا کے کس عمر تک ہے۔

الجواب

اگر لڑکا ہے تو سات سال تک اور لڑکی ہے تو جوان ہونے تک در المختار کے کتاب النکاح باب الحضانۃ میں ہے (والحاضنۃ) اما کان او غیرها (احق به) ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقد ربسبع وبه یفتی (والام والجدۃ لام او لاب (احق بها) بالصغیرۃ (حتی تحیض) ای تبلغ فی ظاهر الروایۃ
واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں مسمی داور علی کے انتقال کے بعد اسکی لڑکی مسماۃ ثابت النساء بیگم اپنے والدہ کے پاس تھی والدہ کے انتقال کے بعد اب وہ اپنی حقیقی خالہ کے پاس ہے مسمی فتح اللہ اپنے کو داور علی کا وصی بیان کرکے چاہتا ہے کہ ثابت النساء کو اپنے پاس رکھے مگر ثابت النساء اوس کے پاس رہنے سے ناراض ہے اور عاقلہ و بالغہ ہے کیا ایسی حالت میں قاضی کو حق ہے کہ اسکو وصی کے پاس رہنے کے لئے جبر کرے یا ثابت النساء مختار ہے کہ جہاں چاہے رہے۔

الجواب

ثابت النساء اگر بالغہ عاقلہ ہے اور اس کی عمر اتنی ہے کہ اسکو اپنی بھلائی

وبرائی کی اچھی طرح تمیز ہے اور معاملات میں صاحب رائے ہے تو اس کو حق ہے کہ ایسی جگہ رہے جو اسکو اچھی معلوم ہو اور کسی قسم کا خوف نہو قاضی کو ایسی حالت میں جبر کا حق نہیں درمختار کے کتاب الطلاق باب الحضانۃ میں ہے بلغت الجاریۃ مبلغ النساء ان بکراً ضمها الاب الی نفسه الا اذا دخلت فی السن واجتمع لها رائ فتسکن حیث احبت حیث لاخوف علیها واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر اپنے انتقال کے وقت ایک لڑکا چھوڑا بکر کی زوجہ اس کے انتقال کے بعد نکاح ثانی کرلی اس وقت لڑکے کی عمر سات سال ہے اور لڑکا ابھی اپنی والدہ ہی کے پاس ہے بکر کا حقیقی بھائی عمرو چاہتا ہے کہ اس لڑکے کو اپنے پاس رکھے کیا شرعاً اس کو حق ہے یا نہیں۔

الجواب

لڑکے کے لئے سات سال مدتِ حضانت ہے ساتواں سال ختم ہوجانے کے بعد اگر لڑکے کا دادا پڑدادا یا اس کا کوئی حقیقی یا علاتی بھائی پرورش کرنے والا نہیں ہے تو ایسی حالت میں چچا کو حق ہے کہ اس کو ماں سے لیکر خود پرورش کرے۔ درالمختار کے کتاب النکاح باب الحضانۃ میں ہے والحاضنۃ اما کان او غیرها احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی ردالمحتار میں اسی باب کے اخیر میں ہے

والذی افتی به الرملی فی الخیریة هوانه اذا تزوجت باجنبی وللصغیر ابن عم له طلبه قال فی المنهاج للعقیلی وان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانة فمن سواه من العصبة اولی الاقرب فالاقرب - والله اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب -

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوا اور ایک فرزند سہ سالہ چھوڑا زید کے انتقال کے بعد اس کی زوجہ یعنے لڑکے کی والدہ اس کی نگرانی و پرورش کرتی تھی اب والدہ کا بھی انتقال ہوگیا ہے اس لڑکے کا ایک ماموں اور ایک تایا یعنے باپ کا بڑا بھائی موجود ہے - پس لڑکے کی نگرانی کا حق شرعاً کس کو حاصل ہے -

الجواب

صورت مسئولہ میں بچے کی پرورش کا حق ماں کے بعد نانی کو ہے اگر وہ بھی نہیں تو دادی کو چاہے کتنے اونچے درجہ کی ہو اگر وہ بھی نہیں تو حقیقی بہن کو اس کے بعد اخیافی بہن کو پھر علاتی بہن کو پھر خالہ کو حسب سلسلۂ حقیقی واخیافی وعلاتی پھر پھوپی کو حسب سلسلۂ حقیقی واخیافی وعلاتی اگر یہ سب نہیں تو دادا کو اگر وہ بھی نہیں تو بھائی کو حسب ترتیب حقیقی وعلاتی اگر یہ بھی نہیں تو تایا کو ہے درمختار کے باب الحضانۃ میں ہے ثم ای بعد الام ام الام ثم ام الاب وان علت ثم الاخت لاب وام ثم لام ثم لاب ثم خالات کذلک ثم العمات کذلک) ثم العصبات

بالترتیب الارث فیقدم الاب ثم الجد ثم الاخ الشقیق ثم لاب۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عبداللہ بن عوض کا انتقال ہوا جس کی ایک زوجہ اور دو لڑکیاں ایک کتخدا اور دوسری ناکتخدا ایک اخیافی بھائی اور ایک حقیقی بھتیجا مسمی عوض بن سعید موجود ہیں اس کے سوا کوئی اور ورثا مرحوم کے یہاں موجود نہیں البتہ عربستان میں ہیں مرحوم نے انتقال کے وقت مسمی مبارک بن علی کو اپنی ناکتخدا لڑکی خدیجہ بی کی پرورش کے لئے وصیت کیا تھا پس ایسی حالت میں خدیجہ بی کی پرورش شرعاً کس کے ذمہ ہے اور اس کے مال کی ولایت کس کو ہے۔

الجواب

صورت مسئولہ میں مرحوم کا حقیقی برادرزادہ مسمی عوض بن سعید خدیجہ بی کے بنی اعمام سے ہے جس کا نکاح خدیجہ بی سے جائز ہونے کی وجہ سے خدیجہ بی کے محارم سے نہیں ہے اور مرحوم کا اخیافی بھائی اگرچہ ذوی الارحام سے ہے مگر خدیجہ بی کا چچا ہونے کی وجہ سے خدیجہ بی کے محارم سے ہے اور عصبہ نہ ہونے کی صورت میں مستحق حضانت ہے۔ بنی اعمام عصبہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ مستحق حضانت ہیں مگر اس میں شرط یہ ہے کہ جو لڑکی حضانت میں دی جاتی ہے وہ قابل شہوت نہ ہو اگر لڑکی قابل شہوت ہے تو ابن عم اگر متقی و محتاط ہے جس سے کوئی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہیں تو وہ مستحق حضانت ہے

بہرحال اس بات کی تحقیق قاضی کی رائے پر موقوف ہے جس میں مصلحت اور فتنہ کا اندیشہ نہ دیکھے اس کے ذمہ لڑکی کی پرورش متعلق کرے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد ۲ صـ ۶۵۵ باب الحضانۃ میں ہے ثم العم ثم بنوہ واذا اجتمعوا فالاورع ثم الاسن اختیار سوی فاسق ومعتوہ وابن عم لمشتھاۃ وھو غیر مامون ثم اذا لم یکن عصبۃ فلذوی الارحام فتدفع لاخ لام ثم لابنہ ثم للعم للام ردمحتار میں ہے (قولہ وابن عم لمشتھاۃ الخ) اما اذا کانت لاتشتھی کبنت سبۃ فلامنع لانہ لافتنۃ وکذا اذا کانت تشتھی وکان مامونا بحر بحثا وایدہ بما فی التحفۃ وان لم یکن للجاریۃ غیر ابن العم فالاختیار للقاضی ان راٰہ اصلح ضمھا الیہ والا توضع علی ید امینۃ ردمحتار میں تحت قول (سوی فاسق) مکتوب ہے وفی البدائع حتی لوکانت الاخوۃ والاعمام غیر مامونین علی نفسھا اومالھا لاتسلم الیھم وینظر القاضی امرأۃ ثقۃ عدلۃ امینۃ فیسلمھا الیھا الی ان تبلغ پس صورت مسئولہ میں قاضی کو چاہیئے کہ اگر ابن عم مسمی عوض بن سعید ہر طرح سے قابل اطمینان ومتدین ہے اور اس سے لڑکی کے ساتھ کوئی ناجائز برتاؤ نہ ہونے کا یقین ہے تو اسی کے ذمہ لڑکی کی پرورش رکھے ورنہ اخیافی چچا کی حضانت میں لڑکی دی جائے اگر اخیافی چچا سے بھی اچھی طرح نگرانی ونگہداشت کی امید نہ ہو تو اپنی رائے سے کوئی اجنبیہ متدین اور نیک عورت کے پاس بالغ ہونے تک رکھے۔

ف لڑکی کے مال کی ولایت صورت مسئولہ میں اگر اس کے باپ نے ولایت

مال کے متعلق کسی کو وصی کیا ہے تو اس وصی کو ہے پھر اس وصی کے وصی کو پھر دادا کو پھر اس کے وصی کو پھر وصی کے وصی کو یہ تمام نہ ہونیکی صورت میں قاضی یا اس کے نائب کو ہے۔ در مختار مطبوعہ برحاشیۂ رد محتار مصری جلد (۵) صـ۱۱۴ میں ہے۔ وولیه ابوہ ثم وصیه بعد موته ثم وصی وصیه کما فی القهستانی عن العمادیة ثم بعدهم جده الصحیح وان علا ثم وصیه ثم وصی وصیه ثم القاضی او وصیه دون الام او وصیها۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکا اپنی والدہ کی وفات کے بعد جبکہ اسکی عمر چھ مہینے کی تھی اپنی نانی کے پاس پرورش پایا اس وقت اسکی عمر نو سال کی ہے۔ نانی کو اس سے بے حد محبت ہے اور وہ بھی نانی سے بیحد مانوس ہے درصورت مفارقت تعجب نہیں کہ لڑکے کو صدمہ ہو ایسی حالت میں لڑکے کا باپ چاہتا ہے کہ اس کو جبراً اپنے پاس رکھے حالانکہ باپ نے ایک دوسری شادی کر لی ہے اور اس کے بطن سے بھی ایک لڑکا موجود ہے۔ کیا ایسی حالت میں جبکہ نانی کو اقسام کے اندیشہ ہیں لڑکے کو باپ کے پاس دیدینا جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

لڑکا اس وقت چونکہ نو سال کی عمر میں پہونچ گیا ہے اس لئے اس کو اب باپ کے حوالہ کرنا چاہیئے تاکہ وہ اپنے منشا کے موافق اس کی تعلیم و تربیت کرے لڑکے چونکہ عموماً کھیل کی طرف راغب ہوتے ہیں اس لئے وہ ایسی جگہ رہنے کو پسند کرتے

ہیں جہاں محبت و شفقت کے سبب کھیل کا زیادہ موقع ملتا ہے اور جہاں تعلیم و تنبیہ ہوتی ہے رہنے کو پسند نہیں کرتے اس لئے شریعت میں ان کی رضامندی و اختیار کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا اور نہ صحابۂ کرام نے ایسا اختیار دیا درمختار کے باب الحضانۃ میں ہے۔ (ولا خیار للولد عندنا مطلقاً) ذکراً کان او انثیٰ ردمحتار میں ہے (قولہ ولا خیار للولد عندنا) ای اذا بلغ السن الذی ینزع من الام یأخذ الاب ولا خیار للصغیر لانہ لقصور عقلہ یختار من عندہ اللعب وقد صح ان الصحابۃ لم یخیروا اسی جگہ ردمحتار میں ہے (والحاضنۃ) امّا او غیرھا (احق بہ) ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی لانہ الغالب

کتاب البیوع

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیسوں کو روپیہ کے معاوضہ میں بازار کے نرخ سے زائد بیچنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو تھوڑی زیادتی سے درست ہے یا جس قدر چاہے اور اس تجارت میں کیا تقابض فی المجلس شرط ہے یا نہیں۔

الجواب

پیسوں کو روپیہ کے معاوضہ میں بازار کے نرخ سے زائد خریدنا اور بیچنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ بائع اور مشتری سے کوئی ایک اپنے بدل کو نقد یعنے ایجاب و قبول کی مجلس ہی میں ادا کر دے اگر دونوں ایک مجلس میں بیع و شرا کی بات چیت کر کے علحدہ ہو جائیں اس کے بعد ہر ایک اپنے بدل کو ادا کر دے تو یہ بیع ناجائز ہے۔ درمختار کے کتاب البیوع باب الربا میں ہے (باع فلوسا بمثلھا او بدراھم او بدنانیر فان

نقد احدھما جاز وان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز لما مر ردالمحتار جلد (۳) صہ ۱۹۲ کتاب البیوع باب الربا میں ہے فی الدرایۃ لو اشتری مائۃ فلس بدرھم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثلہ لو باع فضۃ او ذھبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط اگر کوئی شخص کسی کو روپیہ قرض دے اور یہ شرط لگائے کہ میں ادائی کے وقت تجھ سے اس روپیہ کا خردہ بازار کے نرخ سے زائد لونگا تو اس طرح قرض دینا اور لینا حرام ہے ردمحتار جلد (۳) صفحہ (۱۸۲) کتاب البیوع باب القرض میں ہے وفی الخلاصۃ القرض بالشرط حرامٌ والشرط لغوٌ بان یقرض علی ان یکتب بہ الی بلد کذا فی الاشباہ کل قرض جر نفعاً حرام اگر یہ معاملہ بظاہر قرض کے الفاظ سے نہ کیا جائے اور جائز بنانے کے لئے یہ حیلہ کیا جائے کہ قرض لینے والے کو قرض دینے والا یہ کہے کہ جس قدر رقم چاہتے ہو میں تم کو قرض نہیں دیتا بلکہ میں اس رقم سے تمہارے ساتھ خردہ کا بیوپار کرتا ہوں یعنے یہ روپیہ خردہ کی قیمت ہے روپیہ اس وقت لیجاؤ اور مدت معینہ پر اس کا خردہ بازار کے نرخ سے اس قدر زائد مجھے ادا کرنا یہ معاملہ بعینہ بیع عینۃ کا ہے جو شرعاً مکروہ ومذموم ہے اور امام محمدؒ نے اس کی برائی کو بڑے بڑے پہاڑوں کے مشابہ بیان فرمایا ہے درمختار کے کتاب الکفالہ میں ہے بیع العین بالربح نسیئۃ لیبیعھا المستقرض باقل لیقضی دینہ اخترعہ اکلۃ الربا وھو مکروہ مذموم شرعاً لما فیہ من الاعراض عن مبرۃ الاقراض ردالمحتار میں اسی جگہ ہے (قولہ وھو مکروہ) ای عند محمدؒ وبہ جزم فی الھدایہ۔ وقال محمدؒ ھذا البیع فی قلبی کامثال الجبال ذمیم اخترعہ اکلۃ الربا وقد ذمھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فقال اذا انتم تبعتم بالعینۃ واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظهر علیکم عدوکم ای اشتغلتم بالحرث عن الجهاد فی روایۃ سلط علیکم شرارکم فدعوا خیارکم فلا یستجاب لکم وقیل ایاک والعینۃ فانها العینۃ۔ ردالمحتار جلد (۳) ص ۲۵۵ کتاب البیوع باب الصرف میں ہے۔ اختلف المشائخ فی تفسیر العینۃ التی ورد النهی عنها قال بعضهم تفسیرها ان یأتی الرجل المحتاج الی اخر ویستقرضه عشرۃ دراهم ولا یرغب المقرض فی الاقراض طمعًا فی فضل لاینا له بالقرض فیقول لا اقرضك ولکن ابیعك هذا الثوب ان شئت باثنی عشر درهمًا وقیمته فی السوق عشرۃ لیبیعه فی السوق بعشرۃ فیرضی به المستقرض فیبیعه کذلك فیحصل لرب الثوب درهمان وللمشتری قرض عشرۃ وقال بعضهم هی ان یدخلا بینهما ثالثا فیبیع المقرض ثوبه من المستقرض باثنی عشر درهمًا ویسلم الیه ثم یبیعه المستقرض من الثالث بعشرۃ ویسلمه الیه ثم یبیعه الثالث من صاحبه هو المقرض بعشرۃ ویسلمه الیه ویاخذ منه العشرۃ ویدفعها للمستقرض فیحصل للمستقرض عشرۃ ولصاحب الثوب علیه اثنا عشر درهما کذا فی المحیط۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ضروریات معیشت کی تکمیل کے لئے ہر طرح سے مجبور ہو کر سود سے روپیہ لینا چاہتا ہے کیا شرعًا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سود دینے والا شرعاً گنہ گار ہے اور حدیث شریف میں سود کھانے والے اور
اور کھلانے والے اس معاملہ کو لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والے اشخاص کی
لعنت وارد ہے عینی شرح بخاری جلد (۵) ص۴۳۶ کتاب البیوع فصل موکل الربوا
میں ہے ان موکل الرباء واکلہ اثمان فتاوے کمالیہ مصری ص۲۸۲ کتاب الحظر والاباحۃ
میں ہے وقد ورد فی ذم اکل الربا من الاحادیث مالا یحصی فمنھا لعن اللہ
آکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدہ کلھم فی اللعنۃ سواء معیشت
دنیا کی مجبوری وتنگدستی سود کے لین دین اور دیگر محرمات شرعی کو اصلاً جائز
نہیں کرتی البتہ جبکہ کسی انسان پر فاقہ کشی سے مخمصہ یعنے جان جانے کی حالت آجائے
تب اس کے لئے جان بچنے کے موافق حرام چیز کا کھانا پینا شرعاً جائز ہے درمختار
مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۵) ص۲۲۲ کتاب الحظر والاباحۃ (الاکل)
للغذاء والشرب للعطش ولو من حراما ومیتۃ او مال غیرہ وان ضمنہ
(فرض) یثاب علیہ بحکم الحدیث ولکن (مقدار ما یدفع) الانسان (الھلاک
عن نفسہ ومأجور علیہ جلد (۵) ص۳۳۷ کتاب الکراھیۃ الباب الحادی عشر
اکل المیتۃ حالۃ المخمصۃ قدر ما یدفع الھلاک لا باس بہ کذا فی الستراحیۃ
ص۳۳۸ میں ہے خاف الھلاک عطشاً وعندہ خمر لہ شربہ قدر ما یدفع
العطش ان علم انہ یدفعہ کذا فی الوجیز للکردری واللہ اعلم بالصواب
والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جن اشیاء کا استعمال شرعاً حرام ہے

مثلاً حریر۔ طلا۔ خمر۔ خوک۔ افیون۔ بھنگ۔ گل موہا۔ سیندھی۔ کوکن۔ وغیرہ اور اس کے سوا دوسرے اشیاء مثلاً تمباکو اور ماہی خشک وغیرہ کیا شرعاً مسلمانوں کے لئے بیوپار کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

جس چیز کا استعمال شرعاً حرام ہے اس کی بیع و شرا یعنی تجارت مسلمانوں کے لئے چاہے وہ کافر و مشرک کے ساتھ کیوں نہو شرعاً ناجائز ہے۔ درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار مصری جلد (۴) ص ۱۰۸ کتاب البیوع باب بیع فاسد میں ہے (و) بطل (بیع مال غیر متقوم) ای غیر مباح الانتفاع به ابن کمال فلیحفظ (کخمر وخنزیر ومیتة لم تمت حتف انفه) ای بالذین کدراهم ودنانیر ومکیل وموزون بطل فی الکل عالمگیریہ مصری جلد (۳) ص ۱۱۶ کتاب البیوع باب فصل بیع محرمات میں ہے ولا یجوز بیع الحر والخمر والخنزیر والمیتة۔ کذا فی التهذیب پس صورت مسئولہ میں خمر۔ خوک۔ افیون۔ بھنگ۔ سیندھی۔ کوکن۔ وغیرہ جن کا استعمال شرعاً حرام ہے انکا بیوپار ناجائز ہے۔ حریر و طلا مسلمان مردوں کیلئے اگرچہ حرام ہے مگر عورتوں کے لئے ان کا استعمال جائز ہے۔ اس لئے اس کی بیع و شری درست ہے۔ گل موہا اگر خالی کھانے سے نشہ پیدا کرتا ہے تو اس کا بیوپار بھی ناجائز ہے۔ اگر نشہ نہیں پیدا کرتا تو درست ہے کیونکہ جن اشیاء سے شراب نکالی جاتی ہے شراب نکالنے والوں کے ہاتھ ان کا بیچنا شرعاً جائز ہے عالمگیریہ کے اسی صفحہ میں ہے ولا بأس ببیع العصیر ممن یتخذها خمراً ولا بیع الارض ممن یتخذها کنیسة کذا فی التتارخانیه تمباکو کے مباح و مکروہ ہونے میں

چونکہ اختلاف ہے اس لئے اس کا بیوپار ناجائز نہیں ٹھرایا جا سکتا۔ ماہی خشک کے استعمال میں جبکہ کوئی قباحت نہیں ہے اور پیاز و لہسن وغیرہ بو دار اشیاء جن کا خام استعمال کرکے مسجد میں جانا بد بو کی وجہ سے اگرچہ شرعاً ممنوع کیا گیا ہے مگر بیوپار بلا کلام جائز ہے تو مچھلی جیسی حلال چیز جس کی تعریف قرآن شریف میں لحم طری کے ساتھ کی گئی ہے خشک ہونے کے بعد بد بو کی وجہ سے کس طرح اس کی تجارت میں کلام ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید تاجر ہے اور بکر سے ایکہزار روپیہ تجارت کے لئے اس وعدہ سے لینا چاہتا ہے کہ جو نفع ہوگا وہ نصف نصف حاصل کیا جائیگا بکر روپیہ دینا تو چاہتا ہے مگر یہ وعدہ لینا چاہتا ہے کہ بصورت نقصان اس کی عین رقم یعنی ایکہزار میں کسی قسم کی کمی نہ ہو کیا ایسا وعدہ سود کی تعریف میں داخل ہوگا یا نہیں۔

الجواب

روپیہ ایک شخص کا ہو دوسرا شخص اس کی تجارت کرے اور نفع میں دونوں شریک رہیں شرعاً اس معاملہ کو مضاربت کہا جاتا ہے اور مضاربت میں صاحب مال یہ شرط کرے کہ نفع نصف نصف ہے اور مال تلف ہو جانے کی صورت میں مضارب یعنی تاجر اس کا ضامن ہے ایسی شرط فاسد ہے اس سے نفس معاملہ مضاربت پر کوئی اثر نہیں پڑتا مضاربت صحیح اور شرط ناقابل اعتبار ہے اس شرط کے بعد مضارب یعنی تاجر کے احتیاط

وکافی نگہداشت کے باوجود نرخ کے اختلاف یا کسی ایسے سبب سے جس کے پیدا ہونے
میں تاجر کی جانب سے کوئی افراط و تفریط نہیں مال تلف ہوجائے تو اس مال کی بھرپائی
نفع سے کی جائے گی اور نفع نہ ہونے کی صورت میں صاحب مال کا نقصان سمجھا جائیگا
تاجر پر اس کا ضمان نہیں اگرچہ تاجر بوقت معاملہ نقصان کا ضامن تھا۔ فتاوے مہدویہ
جلد (۴) صفحہ (۵۱۲) کتاب لمضاربتہ میں ہے شرط الخسران علی العامل فاسد
ولا یوجب فساد المضاربۃ واذا کانت المضاربۃ صحیحۃ وحصل فیہا خسران
بعد الربح وقسمتہ قبل الفسخ یجبر الخسران من الربح ولا یعتبر الشرط
المذکور ویترادان الربح لیجبر الخسران منہ صفحہ (۴۹۱) میں ہے خسران ما
المضاربۃ علی رب المال بعد جبرہ بالربح ان وجد والقول للمضارب
فی الربح والخسران مع الیمین ولا یلزم المضارب شئی من الخسران ولو
التزمہ وکتبہ علی نفسہ صفحہ (۵۲۲) میں ہے شرط الخسران علی المضارب
باطل والمضاربۃ علی حالہا فاذا حصل خسران فی مال المضاربۃ بلا
تعد ولا تفریط من العامل کان بتنازل الاسعار نحوہ لا یضمنہ المضارب
ولو شرط علیہ ذلک فلا یطالب لعامل بشئی من الخسران المذکور حیث
لم یوجد فی المضاربۃ ربح سابق اصلا قال فی الدر من کتاب المضاربۃ
نقلا عن الجلالیۃ کل شرط یوجب جہالۃ فی الربح او یقطع الشرکۃ
فیہ یفسدہا والا بطل الشرط وصح العقد اعتبارا بالوکالۃ قال
فی حواشیہ للسید الطحاوی قولہ والا بطل الشرط ای ان لم یکن
واحدا منہما کاشتراط الخسران علی المضارب اھ حلبی وعلیہا حموی

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص چرم کے بڈلے جس میں تیل وگھی وغیرہ ڈالا جاتا ہے تیار کرکے بیوپار کرتا ہے کیا یہ شرعاً گنہگار ہے۔

ف ایک قاضی نے چند جاہلوں کی ترغیب سے مولود شریف کی ایک مجلس میں یہ کہا کہ آئندہ سے مسلمان اُس شخص سے راہ ورسم ترک کردیں اور اس کی دعوت وغیرہ میں شریک نہوں اور نہ اس کو اپنی محفلوں میں شریک کریں جب حاضرین نے اسکی شرعی وجہ دریافت کی تو یہ بیان کیا کہ اس وقت شرع کو بازو رکھو میں ان لوگوں کی خوشی کے لئے یہ حکم دیتا ہوں۔ پس ایسے شخص کے لئے جو کہ ایسا حکم دے اور ایک دیندار شخص کی اس دہندے کی وجہ سے جبکہ وہ اس کو ترک بھی کردیا اس طرح تہتک کرے شرعاً کیا حکم ہے اور جو مسلمان اس کے حکم سے ایسا کریں ان کیلئے کیا حکم ہے بیان فرمایا جائے۔

الجواب

مردار کے چمڑے کا دباغت دینے کے بعد بیوپار کرنا اور اس سے فائدہ اُٹھانا شرع میں جائز ہے ہدایہ جلد (۲) صفحہ (۳۹) کتاب البیوع میں ہے ولا بأس ببیعها والانتفاع بها بعد الدباغ لانها طهرت بعد الدباغ بنابریں چمڑے کے بڈلے بناکر بیوپار کرنے والا اکثر مذبوحہ جانور کے چمڑے سے بناتا ہے شرعاً گنہگار نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی بُرائی ہے۔

ف مقامی قاضی نے راہ و رسم بند کرنے کے متعلق جو مسلمانوں کو حکم دیا ہے وہ خلاف شریعت ہے خصوصًا قاضی کا یہ کہنا کہ اس وقت شرع کو بازو رکھو) اس میں شرع سے انکار اور شرع کی توہین ہے جو کفر ہے فتاوے عالمگیریہ مصری جلد (۲) صفحہ ۲۸۱ میں ہے والاستھزاء باحکام الشرع کفر کذا فی المحیط اور استہزار کے معنی منتہی الارب میں اس طرح لکھے گئے ہیں (استھزاء) فسوس کردن و انکار چیزے نمودن غیاث اللغات میں ہے فسوس بکسر اول و واو مجہول بازی و ظرافت و سخریہ بیضاوی شریف مطبوعہ مجتبائی کے صفحہ ۳۱ میں ہے الاستھزاء السخریۃ والاستخفاف پس قاضی کو چاہئیے کہ انکار شریعت سے جو شرعًا ارتکاب کفر ہے توبۂ واثق کرکے اپنی نجات حاصل کرے۔

ف قاضی نے بلا وجہ شرعی ایک مسلمان کی جو توہین و ایذا رسانی کی ہے اسکے معاوضہ میں یہ تعزیر و تنبیہ کا مستحق ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار مصری جلد (۳) صفحہ ۱۸۷ میں ہے وعزر کل مرتکب منکر او موذی مسلم بغیر حق بقول او فعل ولو بغمز العین اور تعزیر و تادیب شرع میں حاکم وقت کی رائے پر رکھی گئی ہے کہ حسب حیثیت ہر ایک کو تنبیہ کرے اسی جگہ صفحہ ۱۸۴ میں ہے التعزیر لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رائ القاضی) وعلیہ مشائخنا زیلعی لان المقصود منہ الزجر واحوال الناس فیہ مختلفۃ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا بوقت نکاح ہندہ کی ذاتی جائداد منقولہ تخمینًا چار سو کی تھی اور

بکر بلا جائداد تھا۔ اس کے بعد بکر ہندہ کا ذاتی زیور رہن رکھ کے قرض نکالا اور اس سے ایک زمین ہندہ کے نام سے خرید کیا اس کے بعد رہن کا زیور چھڑا دیا۔ پھر ہندہ کو بکر نے طلاق دیدیا اور مہر نہیں ادا کیا گیا تھا کہ ہندہ بکر کے پاس واپس ہوی۔ اور بمثل سابق تعلقات عود کئے اس کے بعد بکر نے اوسی خرید کردہ قطعہ کے متصل ایک زمین مع مکان ہندہ کے نام سے ہندہ کا زیور بیچکر خرید کیا اور ایک تیسرا قطعہ زمین کا اپنے روپیہ سے ہندہ کے نام خریدا۔ اور تینوں قطعات کو ملا کر عمدہ مکانات بنوائے۔ جس قدر زیور ہندہ کا بیچا تھا وہ بھی بنوا دیا۔ بلکہ ہندہ کے زیور کے وزن سے زیادہ وزن وقیمت کا سابق سے زائد زیور ہندہ کو بنوا دیا۔ اور بہت سا اسباب ہندہ کو فراہم کیا۔ ہندہ کہتی ہے یہ سب جائداد منقولہ وغیر منقولہ مالیتی تخمیناً تین ہزار میری ملک ہے کیا یہ تمام جائداد شرعاً ہندہ کی ملک ہے یا بکر کی بینوا توجروا۔

الجواب

بکر جو ہندہ کا ذاتی زیور رہن رکھکر قرض لیا ہے اور اس رقم سے ہندہ کے نام سے زمین خرید کیا ہے اگر اس قرضہ کی رقم کو بکر ہندہ کے کہنے سے ہندہ کیلئے لیا ہے اور اسی کے کہنے سے اس کے نام پر زمین بھی خرید کیا تو یہ زمین ہندہ کی ملک ہے اور بکر اس فعل میں ہندہ کا وکیل بالاستقراض و وکیل بالشرا رہے اس کے بعد بکر نے ہندہ کا مرہونہ زیور جو اپنی ذاتی رقم ادا کر کے چھوڑا دیا ہے وہ رقم بکر کی ہندہ پر قرض ہے اور اگر بکر کا یہ فعل ہندہ کے کہنے اور مامور کرنے پر نہیں تھا بلکہ بکر نے ہندہ کے زیور پر اپنی ذات کیلئے قرض لیا ہے اور بدون ہندہ کے کہنے اور مامور کرنے کے اس

رقم سے زمین ہندہ کے نام سے خرید ہے اور اس کو خود اپنے لئے لینا تھا تو ایسی حالت میں بحکم ہندہ کے جانب سے فضولی ہے جو بلا اجازت اور بلا امر ہندہ کے اس کے لئے خرید رہا ہے۔ پس اس وقت اگر بائع سے یہ کہا ہے کہ میں اس زمین کو ہندہ کے لئے لیتا ہوں اور بائع اس کو منظور کر لیا ہے تو یہ خریدی ہندہ کی اجازت پر موقوف تھی اس کے بعد اگر ہندہ کو اس کی اطلاع دیا ہے اور وہ اس کی اجازت دی ہے تو یہ زمین ہندہ کی ملک ہے اور رقم ہندہ کے ذمہ قرض ہے ورنہ شرعاً یہ بیع نہیں ہوئی چاہیئے کہ بائع سے از سر نو اپنے لئے بیع و شراء کرلے۔ در مختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۴) صفحہ ۱۴۴ فصل الفضولی میں ہے هذا اذا لم یضیفه الفضولی الی غیره فلو اضافه بان قال بع هذا العبد لفلان وقال البائع بعته لفلان توقف ردمختار میں ہے الحاصل انه اذا اضیف الی فلان فی الکلامین توقف علی اجازته والا نفذ علی المشتری ما لم یضف الی الآخر علی فیبطل فتح القدیر مصری جلد (۶) صفحہ ۱۹۲ میں ہے ذکر فی شرح الطحاوی ولو اشتری رجل لرجل شیئاً بغیر امره کان ما اشتراه لنفسه اجاز الذی اشتراه له اولم یجز اما اذا اضافه الی اخر بان قال للبائع بع عبدک من فلان بکذا فقال بعت وقبل المشتری هذا البیع لفلان فانه یتوقف فتاوی مہدویہ جلد (۳) صفحہ ۱۳۵ میں ہے (سئل) فی اخوین کل منهما فی معیشته علی حدة اشتری احدهما حصة من دار بمبلغ معلوم له ولاخیه مع غیبته من غیر توکیل منه فحضر الاخ الغائب عن مجلس الشراء ولم یجزه بعد عرضها علیه بل رده فهل یقع الشراء للمشتری حیث لم یجز الاخ الشراء للعقد ولم یکن

وکیلاً عن اخیہ سیما وقد دفع المشتری الثمن من مالہ الخاص بہ (احاب)
حیث اشتری لاخیہ بدون توکیل عنہ فی ذلک و لم یجزہ الاخ المشتری
لہ لفقل الشراء علی المباشر للعقد وھذا اذا لم یضف الی المشتری لہ فی الایجاب
والقبول او فی احدھما علی الخلاف فی ذلک والا لا ینفذ علی المباشر اسکے
بعد ہندہ کا مرہونہ زیور جو بکر اپنی ذاتی رقم ادا کرکے چھوڑایا ہے حسب تفصیل بالا زمین
مشتراۃ ہندہ کی ملک ہونے کی صورت میں رقم ہندہ پر قرض ہے اور بکر کے جدید
شرا کر لینے کی صورت میں بکر کے جانب سے ذاتی قرض کی ادائی ہے۔

ف طلاق کے بعد بکر نے ہندہ کا تمام زیور بیچکر جو جدید زمین و مکان ہندہ کے
نام سے خریدا ہے اس کا بھی وہی حال ہے اگر ہندہ کے کہنے سے یہ سب کیا ہے تو
اس معاملہ میں ہندہ کا وکیل ہے اور اگر بلا اطلاع ہندہ کے بائع سے ہندہ کا
نام کہکر ہندہ کے لئے خریدا ہے تو اس فعل میں فضولی ہے یہ خریدی ہندہ کی اجازت
پر موقوف ہے اس کے بعد اگر ہندہ اجازت دی ہے تو زمین و مکان ہندہ کی ملک
ہے اور اگر اجازت نہیں دی تو بیع نہیں ہوی چاہیئے کہ از سر نو بائع سے اپنے لئے
بیع کرالے اس کے بعد ہندہ کا فروخت شدہ زیور جو بکر اپنی ذات سے بنوا دیا
ہے مکان و زمین حسب تفصیل سابق ہندہ کا ہونے کی صورت میں یہ سارا زیور
بکر کی ملک ہے۔

ف زمین کا تیسرا قطعہ جو اپنی ذاتی رقم سے ہندہ کے نام سے خریدا ہے
اس کا بھی وہی حال ہے جو مذکور ہوا۔

ف بکر ہندہ کو اپنے روپیہ سے جو مکانات بنوا دیا ہے اور زیور پہلے سے

زیادہ تیار کیا ہے اور سامان فراہم کیا ہے یہ تمام جائداد اگر بکر نے ہندہ کو ہبہ کیا ہے اور
قبضہ بھی دیدیا ہے یا کچھ مہر میں دیا اور کچھ قرضہ میں اور باقی ہبہ بالقبض کیا ہے تو
یہ ہندہ کی ملک ہے ورنہ بکر کی ملک ہے جو ہندہ کے پاس عاریت ہے کیونکہ شرعاً زوج
زوجہ جب تک کہ اپنی چیز ایک دوسرے کو ہبہ بالقبض نہ کردے تو وہ دوسرے کے
پاس عاریت یعنے مستعار ہے۔ ردمحتار جلد (۴) صفحہ کتاب البیوع میں ہے
وھذا یوجد کثیرا بین الزوجین یبعث الیھا متاعا وتبعث له ایضا
وھو فی الحقیقة ھبة حتی لو ادعی الزوج العاریة رجع ولھا ایضا
الرجوع لانھا قصدت التعویض عن ھبة فلما لم توجد الھبة لدعوی العاریة
لم یوجد التعویض عنھا فلھا الرجوع طلاق کے بعد بکر نے ہندہ کو اگر کچھ مال و
اسباب ہبہ بالقبض کیا ہے اور وہ تاحال باقی ہے تو اس وقت بکر اس کو واپس
لے سکتا ہے اور طلاق کے قبل اگر کچھ دیا ہے تو واپس نہیں لے سکتا کیونکہ شرع میں
ہبہ سے رجوع ہو سکتا ہے مگر زوجین میں بحالت زوجیت رجوع نہیں ہوتا ہدایہ
مصطفائی صفحہ ۲۷۳ کتاب الہبہ میں ہے واذا وھب ھبة لاجنبی فله الرجوع
الا ان یعوضه او تزید زیادة متصلة - او یموت احد العاقدین درمختار
مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۴) صفحہ ۵۳۸ میں ہے (ویمنع الرجوع فیھا دمع
خزقه) فالدال الزیادة المتصلة کبناء وغرس والمیم موت احد العاقدین
والعین العوض والخاء خروج الھبة عن ملك الموھوب له والزاء الزوجیة
وقت الھبة والقاف القرابة والھاء ھلاك العین الموھوبة۔ واللہ اعلم
بالصواب والیه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمد وزیر مورث پیچش و بخار سے علیل ہوکر چار ماہ بیمار رہا ایک ماہ سے علالت سخت رہی حتٰی کہ نشست و برخواست کی طاقت نہیں تھی موت سے تین یوم قبل مسماۃ عائشہ بی زوجہ نے براہ بدنیتی بغرض اتلاف حق ورثہ مرحوم سے حسب دلخواہ فرضی طور پر مرحوم کے مکانات کے ایک اپنے نام سے اور ایک اپنے بھتیجے کے نام سے اور ایک اپنے متبنیٰ کے نام سے بیعنامہ کرالئے کیا بحالت اشتداد مرض موت مریض کی جانب سے ایسے فرضی انتقالات شرعاً جائز سمجھے جائینگے یا نہیں۔

الجواب

مرض موت کی حالت میں بعض ورثا کیلئے جو بیع کی جاتی ہے یہ بیع دوسرے ورثہ کی رضامندی پر موقوف ہوتی ہے اگر تمام ورثہ بعد وفات مورث اجازت دیں تو جائز ہوتی ہے اور اگر نامنظور و رد کریں تو باطل ہو جاتی ہے فتاویہ مہدویہ جلد (۴) صفحہ ۴۵۶ باب اقرار المریض میں ہے بیع المریض مرض الموت لبعض ورثتہ موقوف علی اجازۃ الباقی فیبطل ردہ ولو بمثل القیمۃ عند الامام الاعظم رحمۃ اللہ علیہ وینفذ بالاجازۃ والرضیٰ بعد الموت لا قبلہ پس جبکہ خود مریض کا جان بوجھ کر اپنی کسی ملک کو بیچنا شرعاً ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے صورت مسئولہ میں زوجہ کا فرضی طور پر بلا اجازت دیگر ورثہ کے بیع کرنا شرعاً درست نہیں واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں۔

س ۱ محمد یحییٰ خاں رسالدار مرحوم نے باوقات مختلف قطعات اراضیات من ابتدائے ۲۱ رمضان المبارک ۱۲۶۲ھ لغایۃ ۱۲۶۸ھ اپنی ذاتی رقم سے خرید کیا بروقت خریدی انکو بجز محمد عمر خاں کے اور کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے اراضیات مذکور کے قبالے محمد عمر خاں کے نام سے مرتب کرائے اور قبالہ میں خریدی بحیثیت ولایت نہیں لکھی ہے قبالہ اوّل کے وقت محمد عمر خاں کی عمر دو سال اور قبالۂ اخیر کے وقت (۸) سال کی تھی اور انہیں اراضیات سے بعض کے پن کا دعویٰ بحیثیت مالکانہ محمد یحییٰ خاں پر ۱۲۸۸ھ میں رجوع اور ۱۲۸۹ھ میں منتقل ہوا اوس وقت محمد عمر خاں کی عمر (۲۸) سال کی تھی اور محمد یحییٰ خاں اراضیات مذکور پر بحیثیت مالکانہ خریدی سے تا تاریخ انتقال قابض رہے اور دفتری عمل بھی بنام محمد یحییٰ خاں تھا حالانکہ محمد یحییٰ خاں کے انتقال کے وقت محمد عمر خاں کی عمر (۳۴) سال کی تھی اس صورت میں اراضیات مذکور عمر خاں کی ملک سمجھی جائیگی یا یحییٰ خاں کی اور بلحاظ حصص شرعی دیگر فرزندان محمد یحییٰ خاں اراضیات مذکور سے شرعاً حصہ پانے کے مستحق ہیں یا کیا۔

س ۲ محمد عمر خاں نے بوقت دعویٰ متروکہ محمد یحییٰ خاں اسکا اعتراف کیا ہے کہ اراضیات زرخرید محمد یحییٰ خاں کے ہیں لیکن میرے موہوبہ ہیں مگر کوئی ہبہ نامہ پیش نہیں کیا بلکہ قبالوں کو ہبہ سے تعبیر کیا۔ حالانکہ محمد عمر خاں کی عمر ۳۲ سال تک یحییٰ خاں کا قبضہ رہا کبھی عمر خاں کا قبضہ نہ تھا کیا یہ قبالے ہبہ کی تعریف میں آسکتے ہیں اور عمر خاں اراضیات مذکور کے مالک سمجھے جائیں گے یا محمد یحییٰ خاں۔

س ۳ عمر خاں کے انتقال کے بعد اون کی زوجہ مسماۃ عزت النسا بیگم نے بھی اولاً اراضیات مذکور کو ملک محمد یحییٰ خاں حسب بیان محمد عمر خاں تحریراً تسلیم کیا ہے ثانیاً اپنے اور اپنے شوہر کے بیان کے خلاف زرخرید عمر خاں بیان کر کے دعویدار ہوئی کیا شرعاً عزت النسا بیگم

کا ... سورۃ اور خود اپنی بیان کے خلاف بیان کرنا تھا ہمارا زنسب یا نہیں اور راضیات مذکورہ شرعاً بچل خان کے سمجھے جائیں گے یا محمد خان کے۔

الجواب

باپ جو اپنے کم سن لڑکے کے لئے کپڑا یا غلام یا مکان یا زمین اپنی ذاتی رقم سے خریدا ہے اس خریداری سے وہ چیز لڑکے کی ملک ہو جاتی ہے اگر بروقت خریداری باپ نے لوگوں کو گواہ رکھا ہے کہ اس کی قیمت اگرچہ میں اسوقت اپنی ذات سے ادا کر رہا ہوں مگر آئندہ اس کو میں لڑکے سے واپس لونگا تو ایسی حالت میں باپ کیلئے اس قیمت کا واپس لینا درست ہے اگر اس پر کسی کو گواہ نہیں رکھا اور نہ بروقت خریداری کسی سے اس کا ذکر کیا تو ایسی حالت میں لڑکے سے اس کی قیمت لے واپس کرنیکا بھی حق نہیں ہے۔ باپ کے ایسے افعال لڑکے کے لئے شرعاً تبرع اور صلۂ رحمی سمجھے جاتے ہیں اس لئے لڑکے کے جوان و قابل تصرف ہو جانے کے بعد باپ کا ایسی جائداد کو لڑکے کے قبضہ میں نہ دیکر اپنے قبضہ میں روک رکھنا درست نہیں ہے۔ فتاوے عالمگیریہ جلد (۳) ص ۱۰۴

باب بیع الاب والوصی میں ہے رجل اشتری لولدہ الصغیر ثوبا او خادما ونقد الثمن من مال نفسہ لا یرجع بالثمن علی ولدہ الا ان یشھد انہ اشتراہ لولدہ لیرجع علیہ وان لم ینقد الثمن حتی مات یؤخذ الثمن من ترکتہ ثم لا یرجع بقیۃ الورثۃ بذالک علی ھذا الولد ان کان الاب لم یشھد انہ اشتراہ لہ ولو ان اشتری لابنہ الصغیر وضمن الثمن ثم نقد الثمن فی القیاس یرجع علی الولد وفی الاستحسان لا یرجع وان قال حین نقد الثمن نقدتہ لارجع علی الولد کان لہ ان یرجع کذا فی فتاوی قاضیخان

ولو اشتری لولدہ الکسوۃ والطعام یرجع بثمنہ علیہ وان لم یشہد علیہ لانہ ما مورہ غیر متطوع فیہ بخلاف شراء الدار والعقار کذا فی محیط السرخسی امرأۃ اشترت لولدھا الصغیر ضیعۃ بمالھا علی ان لا ترجع علی الولد بالثمن جاز استحسانا وتکون الام مشتریۃ لنفسہا ثم ھبتہ منہا لولدھا الصغیر وصلۃ ولیس لہا ان تمنع الضیعۃ عن ولدھا کذا فی فتاوی قاضی خان

درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۵) صفحہ (۵۳۶) کتاب الہبۃ میں ہے اتخذ لولدہ او لتلمیذہ ثیابا ثم اراد دفعہا لغیرہ لیس لہ ذلک ما لم یبین وقت الاتخاذ انہا عاریۃ ردمختار میں ہے (قولہ لولدہ) ای الصغار پس صورت مسؤلہ میں محمد یحیل خاں نے عمر خاں کی کمسنی میں جو جائداد اپنی ذاتی رقم سے عمر خاں کے نام سے خریدی ہے وہ عمر خاں کی ملک ہے اگر بروقت خریدی یحیل خاں نے اس کی رقم عمر خاں سے واپس لینے کا کسی سے ذکر کیا ہے یا گواہ رکھا ہے تو بعد ثبوت شرعی عمر خاں کی جائداد سے وہ رقم واجب الادا ہے اور یحیل خاں کے تمام ورثار بحیثیت متروکہ اس میں حصہ دار ہیں اور اگر یحیل خاں نے بروقت خریداری اس قسم کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور نہ اس پر کسی کو گواہ رکھا ہے تو یہ رقم عمر خاں کی جائداد سے قابل ایصال نہیں بلکہ یہ خریداری یحیل خاں کی جانب سے عمر خاں کے لئے بر سبیل تبرع و صلہ رحمی ہوی ہے جو عموماً اولاد کے ساتھ کی جاتی ہے ایسی حالت میں یحیل خاں کا اس جائداد کو حین حیات اپنے قبضہ میں رکھنا اور عمر خاں کے عاقل و بالغ ہونے کے بعد بھی ان کو اس پر قبضہ نہ دینا یہ فعل شرعاً درست نہیں تھا اور نہ اب دیگر ورثار کے لئے یحیل خاں کا اس طرح قبضہ انکی ملک کی دلیل ہے

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتاب المفقود

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید چھ سال سے مفقود الخبر ہے اور اوس کی زوجہ نوجوان نان ونفقہ سے تنگ ہے کیا از روئے شرع شریف ایسی حالت میں وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔

الجواب

مفقود الخبر کی زوجہ کو علحدہ کرنے کے لئے اگرچہ مذہب حنفیہ میں بربناء قول مفتیٰ بہ اسکی ولادت سے نو سال بعد قاضی کو اجازت دی گئی ہے مگر بروقت ضرورت امام مالک رح کے قول پر چار سال کے بعد بھی اگر قاضی تفریق کا حکم دے تو دیسکتا ہے ہدایہ اوّلین مطبوعۂ علوی کے صفحہ (۴۷) میں ہے والارفق ان یقدر بتسعین بین السطور لکھا ہے وعلیہ الفتوی فتح المعین کے جلد (۲) صفحہ (۴۸۶) کتاب المفقود میں ہے قال القہستانی لوافتی بقول مالک فی موضع الضرورة ینبغی ان لاباس به اور جامع الرموز کشوری کے صفحہ (۴۴۸) میں ہے وقال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فینکح عرسه بعدھا کما فی النظم ولوافتی به فی موضع الضرورة ینبغی ان لاباس به علی ماظن پس جبکہ احناف کا مذہب مفتیٰ بہ نو سال ہے اور امام مالک رح کے قول پر فتویٰ دینے کے لئے بروقت ضرورت ظنی رائے دی گئی ہے تو حاکم کو چاہئے کہ ہندہ کی ہر قسم کی شدید اور واقعی ضرورت پر غور وخوض کرکے امام مالک رح کے قول پر عمل کرے۔ صورت مسئولہ میں مفقود کی زوجہ کو چاہئے کہ حاکم کے

پاس اپنی حالت وضرورت کا ثبوت پہونچا کر تفریق کی درخواست کرے کیونکہ
شریعت میں اس قسم کی تفریق کا حق قاضی یعنے حاکم عدالت کو دیا گیا ہے
بعد ثبوت واقعات جبکہ قاضی تفریق کا حکم دے تب زوجہ کو چاہئے کہ چار
مہینے دس روز عدۃ موت پورے کرکے دوسرے شخص سے نکاح کرے ملا
مسکین کے کتاب المفقود میں ہے حلافاً لمالک فان عندہ یفرق بعد مضی
اربع سنین ان طلبت وتعتد عدۃ الوفاۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمی ناصر بن احمد نے آمنہ سے نکاح
کیا اور ایک ماہ بعد زوجہ کو چھوڑ کر غائب ہوگیا جسکو ساڑھے چار سال کا عرصہ ہوتا ہے
آمنہ تا حال اسکی منتظر ہے اور متعدد شہروں میں اسکی تلاش کی گئی ابتک اس کا کوئی
پتہ نہیں ملا چونکہ آمنہ نان ونفقہ سے بیحد تنگ ہوگئی ہے چاہتی ہے کہ کسی دوسرے
شخص سے نکاح کرلے کیا اس کا نکاح ازروے مذہب شافعی رح درست ہوگا یا نہیں

الجواب

مفقود الخبر کی زوجہ کے متعلق علماء شوافع کا مفتی بہ یہ قول ہے کہ اگر اس کے
خاوند کا کوئی مال اس کے پاس یا اس کے کسی عزیز کے پاس زوجہ کے مقام سکونت
میں یا دو منزل مسافت کے مقام میں موجود نہیں ہے اور اس کے غائب ہوجانے کے
بعد تین روز بھی اس کو زوج کے جانب سے نفقہ وکسوۃ نہیں ملا ہے تو زوجہ کو اختیار
ہے کہ اپنے مقدمہ کو حاکم عدالت کے پاس پیش کرکے اس سے اپنا نکاح فسخ کرالے
فسخ نکاح کے لئے نو شرطیں ہیں اگر ان میں سے ایک بھی پائی نہ جائے تو فسخ نکاح جائز

نہ ہوگا۔ شروط یہ ہیں۔

(۱) زوج اس قدر مفلس ہو کہ ادنیٰ درجہ کا بھی نفقہ ولباس نہ دے سکے۔

(۲) تین روز تک زوجہ کو زوج سے نفقہ حاصل کرنا مشکل ودشوار ہو گیا ہو۔

(۳) حاکم کے پاس بذریعہ دو گواہ کے یا زوجہ کی یمین مردودہ سے یا حاکم کے علم سے یہ بات ثابت ہو گئی ہو کہ زوج مفلس ونادار ہے۔

(۴) زوجہ اس بات کی قسم کھائے کہ وہ نفقہ کی مستحق ہے اور اس کے شوہر نے کوئی مال نہیں چھوڑا ہے اور اسپر دو گواہ بھی پیش کرے۔

(۵) زوجہ اس بات کا بھی ثبوت پیش کرے کہ اس نے خاوند کی کوئی نافرمانی نہیں کی ہے اور اطاعت گزاری کے ساتھ زوج کے مکان میں رہی ہے

(۶) زوجہ اپنا یہ مقدمہ حاکم کے پاس پیش کرکے حاکم سے فسخ کی درخواست کرے اگر بلا اجازت حاکم کے نکاح کرا لیا جائے تو جائز نہیں۔

(۷) حاکم کو چاہئے کہ زوجہ کے مقدمہ پیش کرنیکے بعد اس کو تین روز کی مہلت دے شاید اس مدت میں زوج اس کو کوئی نفقہ بھیجدے یا اس کا کوئی مال ظاہر ہو جائے

(۸) حاکم کو چاہئے کہ ان تمام امور کی تحقیق ومہلت کے بعد جب زوجہ فسخ کی درخواست کرے تو فسخ کا لفظ یا تو خود حاکم اپنے زبان سے کہے یا اس کو کہنے کا حکم دے مثلاً یوں کہے کہ (فسخت نکاح فلان) یعنی میں نے فلان کا نکاح فسخ کیا۔

(۹) عورت کا مکلفہ ہونا ضروری ہے اگر غیر مکلفہ کا ولی فسخ نکاح کی درخواست کرے تو صحیح نہیں۔ بغیۃ المسترشدین باب فسخ النکاح بالاعسار ص ۲۸۲ میں ہے یجوز فسخ نکاح الزوجۃ من زوجھا حضر او غاب بتسعۃ شروط

(۱) اعسارہ باقل النفقۃ والکسوۃ والمسکن لا لادم۔

(۲) وتعذر تحصیل النفقۃ فی ثلاثۃ ایام۔

(۳) وثبوت ذلک عند الحاکم بشاهدین او لعلمہ او بیمینها المردودۃ

ان ردالیمین،

(۴) وحلفها مع البینۃ بانها تستحق النفقۃ وانہ لم یترک مالا۔

(۵) وملازمتها للمسکن وعدم نشوزها۔

(۶) ورفع امرها للحاکم۔

(۷) تصبر ثلاثۃ ایام لعلہ یاتی بالنفقۃ او یظهر للغائب مال او نحو ودیعۃ

(۸) وان یصدر الفسخ بلفظ صحیح بعد وجود ما تقدم اما من الحاکم بعد طلبها او منها باذنہ بعد الطلب نحو فسخت نکاح فلان۔

(۹) وان تکون المرأۃ مکلفۃ فلا یفسخ ولی غیرها انتهی واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو عورتیں خاوندوں کے ۱۵ و ۲۵ و ۳۰ سال سے مفقود الخبر ہونے کے سبب سے اس وقت نان ونفقہ سے محتاج ہیں کیا ان کو قاضی عقد ثانی کرا سکتا ہے بینوا توجروا۔

الجواب

حنفیہ کے پاس اگرچہ مفقود الخبر کی زوجہ کو علیحدہ کرنے کے لئے بربنا قول مفتی بہ مفقود کی ولادت سے نود سال بعد قاضی کو اجازت دی گئی ہے مگر بنسبت وقت و زر

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تاریخ روانگی سے چار سال بعد بھی اگر قاضی تفریق کا حکم دے تو دیسکتا ہے ہدایہ اولین کے کتاب المفقود میں ہے والارفق ان یقدر بتسعین بین السطور لکھا ہے وعلیہ الفتوی اور فتح المعین کے کتاب المفقود میں ہے قال القہستانی لو افتی بقول مالک فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لا بأس بہ اور جامع الرموز کشوری کے کتاب المفقود میں ہے وقال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فینکح عرسہ بعدھا کما فی النظم ولو افتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لا بأس بہ علی ما ظن چونکہ حنفیہ نے بلحاظ ضرورت امام مالک رحمۃ اللہ کے قول پر اجازت دی ہے اس لئے صورت مسئولہ میں قاضی کو چاہیئے کہ ان عورتوں کی ضرورت کو اچھی طرح بہ نظر تدقیق دریافت کرے اگر فی الحقیقت نکاح ثانی کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے اور عورتیں اس کے طالب بھی ہیں تو اس وقت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرے اور جب قاضی تفریق کا حکم دیدے تو عورتوں کو چاہیئے کہ چار مہینے دس روز عدت موت گذارنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کریں۔ فتح المعین کے حاشیہ میں اسی جگہ ملا مسکین میں ہے خلافاً لمالک فان عندہ یفرق بعد مضی اربع سنین ان طلبت وتعتد عدۃ الوفاۃ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتاب الدعوی

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وراثت اور وقف میں سماعت دعوے

کے لئے از روئے شرع کتنی مدت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شرع میں وقف اور میراث کے دعوے کی سماعت کیلئے کوئی مدت نہیں ہے ہر وقت ان دونوں دعووں کی سماعت ہوسکتی ہے۔ فتاوے مہدویہ مصری جلد (۲) صفحہ (۶۲۳) میں ہے لا تسمع الدعوی بعد مضی خمس عشرۃ سنۃ الا فی الارث والوقف ووجود عذر شرعی ومافی الخلاصۃ المدعی والمدعی علیہ اذا کانا فی موضع ولا مانع وادعی بعد ثلاثین سنۃ وفی المبسوط بعد ثلاث وثلاثین سنۃ وفی فتاوی العتابی بعد ست وثلاثین سنۃ لا تسمع الا ان یکون المدعی غائبا او مجنونا ولیس لہ ولی او المدعی علیہ والیا جائرا یخاف منہ وذلک فیما عدا الارث والوقف کما فی صرۃ الفتاوی فذلک قبل صدور النھی عن سماعہا قبل نظام نصوص المتاخرین علی عدم السماع بعدہا الا المستثنی ولم یقید وادعوی الارث والوقف بمدۃ افادہ حواشی الدر للعلامۃ السید الطحاوی من اواخر فصل الحبس وسماع الدعوی فی الوقف ولو بعد مضی المدۃ الطویلۃ ھو ما علیہ القضاۃ العلماء والتسلاف بمصر۔ درمختار مطبوع برحاشیہ ردالمحتار جلد (۴) صفحہ (۳۵۶) کتاب القضاء میں ہے حتی لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسۃ عشرۃ سنۃ فسمعہا لم ینفذ قلت فلا تسمع الآن بعدہا الا بامر الا فی الوقف والارث ووجود عذر شرعی وبہ افتی المفتی ابو السعود فلیحفظ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو کے مابین ایک زمین نسبی

جھگڑا ہے محکمہ مجاز میں دعویٰ دائر ہونیکے بعد عمرو نے زید سے کہا اگر تم قسم کھالو کہ اس زمین میں میرا حصہ نہیں ہے تو میں اس زمین کو چھوڑ دیتا ہوں چنانچہ حاکم مجاز کے روبرو بموجب قواعد شرعیہ زید سے حلف لی گئی اور فیصلہ زید کے جانب کیا گیا۔ اب چند روز کے بعد عمرو عدالت میں علماء کا فتویٰ پیش کیا ہے کہ میں لوگوں کے بہکانے سے حلف دلوایا تھا ورنہ میرا ارادہ قسم کھلانیکا نہیں تھا لہٰذا فیصلہ منسوخ فرمایا جائے کیا عمرو کا یہ قول شرعاً قابل لحاظ ہے یا نہیں۔

الجواب

مدعی علیہ کے حلف کے بعد اگر مدعی بینہ شرعیہ پیش کرکے پچھلے فیصلہ کی تنسیخ چاہے تو شرعاً قاضی کے لئے یہ حکم ہے کہ اس کے بینہ کو قبول کرے اور پچھلا فیصلہ منسوخ کرے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۴) صفحہ (۴۴۲) کتاب الدعویٰ میں ہے (وتقبل البینة لو اقامها) المدعی وان قال قبل الیمین لا بینة لی (بعد یمین) المدعی علیه کما تقبل البینة بعد القضاء بالنکول (عند العامة) وهو الصحیح لقول شریح الیمین الفاجرة احق ان ترد من البینة العادلة ولان الیمین کالخلف عن البینة فاذا جاء الاصل انتهی حکم الخلف کانه لم یوجد اصلا

پس صورت مسئولہ میں اگر عمرو زید کے قسم کھانے کے بعد بینہ شرعیہ پیش کرکے تنسیخ فیصلہ چاہتا ہے تو قاضی کو چاہیئے کہ پچھلے فیصلہ کو منسوخ کرکے دوبارہ حسب بینہ فیصلہ کرے اور اگر بغیر بینہ پیش کرنے کے تنسیخ چاہتا ہے تو اسکی درخواست قابل لحاظ نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتاب الاقرار

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بکر کا بیٹا ثابت ہوا اور اوس کی موروثی جائداد کو پایا اس کے بعد خالد کو بھی اپنا باپ مشہور کر دیا مگر خالد پہلے تو صاف الفاظ میں بحلف اُس کے بیٹا ہونے سے حاکم کے روبرو انکار کر دیا اور بعدہ مقدمات سرکاری پیروی کے لئے زید کو اپنا مختار نامہ دیکر اوس میں زید کو اپنا بیٹا لکھا دیا اب خالد کے انتقال کے بعد بجز اس کے حقیقی بھائی کے نواسے عمرو کے کوئی اور دوسرا وارث نہیں ہے۔ اب زید اس کے مقابلہ میں اپنے تئیں خالد کا فرزند صلبی ہونا بیان کرتا ہے مگر یہ نہیں ثابت کرتا کہ اسکی والدہ کا عقد حسب شرع شریف خالد کے ساتھ عمل میں آیا ہے یا نہیں اور نہ کوئی سیاہہ باضابطہ پیش کرتا ہے ایسی صورت میں کیا زید کا نسب خالد سے بھی ثابت ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ایک شخص کا دوسرے کو اپنا بیٹا بیان کرنا اور اپنے ساتھ اس کے نسب کا اقرار کرنا ایسے وقت صحیح ہوتا ہے جبکہ دوسرے شخص میں بلحاظ عمر کے بیٹا ہونیکی صلاحیت ہو اور کسی دوسرے سے اوس کا نسب ثابت نہو عالمگیریہ کی جلد (۴) کتاب الاقرار باب سابع عشر فی الاقرار بالنسب میں ہے یصح اقرار الرجل بالولد بشرط ان یکون المقرلہ یولد مثلہ لمثلہ وان لا یکون المقرلہ ثابت النسب من غیرہ پس صورت مسئولہ میں چونکہ زید کا نسب بکر سے ثابت ہے جسکی بنا پر

زید بکر سے میراث بھی پایا ہے اس لئے زید کا نسب خالد سے ثابت نہیں ہوسکتا اور نہ یہ اس کی میراث کا مستحق ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید عمرو کو اپنا بیٹا بیان کیا اور فوت ہوگیا حالانکہ عمرو کا نسب خالد سے ثابت ہے کیا ایسی حالت میں عمرو موجب اقرار زید کا لڑکا ہوسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

نسب کا اقرار شریعت میں اسی وقت صحیح و قابل لحاظ ہے جبکہ مقرلہ کا نسب کسی اور سے ثابت نہو اور مقرلہ میں بیٹا بننے کی بھی صلاحیت ہو پس صورت مسئولہ میں چونکہ عمرو کا نسب خالد سے ثابت ہے اس لئے زید کا لڑکا نہیں ہوسکتا عالمگیریہ جلد (۴) کتاب الاقرار باب سابع عشرہ فی الاقرار بالنسب میں ہے یصح اقرار الرجل بالولد بشرط ان یکون المقرلہ بحال یولد مثلہ لمثلہ وان لا یکون المقرلہ ثابت النسب من غیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید زندہ موجود ہے اور بکر کو اپنا فرزند صلبی بیان کرتا ہے مگر زید کی دوسری زوجہ کے فرزند بکر کو زید کا فرزند تسلیم نہیں کرتے کیا زید کا یہ اقرار اعتبار کے لائق ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر بکر کی اتنی عمر ہے کہ وہ زید کا فرزند صلبی بن سکتا ہے اور بکر کا کسی اور سے

نسب ثابت نہیں ہے تو زید کا اقرار درست ہے۔ دوسری زوجہ کے فرزندوں کے انکار سے اس پر کچھ اثر نہیں پڑتا عالمگیریہ جلد (۴) باب الاقرار بالنسب میں ہے یصح اقرار الرجل بالولد بشرط ان یکون المقرلہ بحال یولد مثلہ لمثلہ وان لایکون المقرلہ ثابت النسب من غیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید زندہ موجود ہے ہندہ و بکر اپنے کو زید کے زوجہ و فرزند صلبی ہونا بتاتے ہیں مگر زید کو ہندہ کی زوجیت و بکر کے صلبی فرزند ہونے سے قطعًا انکار ہے اور نہ کبھی زید و ہندہ کا عقد نکاح ہوا ہے اور نہ کوئی اس قسم کے تعلقات رہے ہیں ایسی حالت میں ہندہ و بکر کا یہ کہنا کہ ہم زید کے زوجہ و فرزند صلبی ہیں اعتبار کے لائق ہے یا نہیں۔

الجواب

صورت مسئولہ میں چونکہ زید کو انکار قطعی ہے اس لئے تا وقتیکہ بینۂ شرعیہ سے ہندہ کا زوجہ ہونا اور بکر کا بحالت زوجیت ہندہ کے بطن سے پیدا ہونا ثابت نہ ہو ہندہ کا زوجہ ہونا اور بکر کا فرزند صلبی ہونا شرعًا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا لڑکا فوت ہوا زید اسکی ماہوار اپنے دوسرے لڑکے خالد کے نام اجراء کرانے کی درخواست میں خالد کو اپنا بیٹا تسلیم کیا اب بیان کرتا ہے کہ ماہوار عمر نواسے کے نام اجرا ہو اور خالد کے

بیٹے ہونے سے بھی انکار کرتا ہے کیا یہ قول ثانی قول اوّل کو رد کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

زید جبکہ خالد کے فرزند ہونے کا ایک دفعہ اقرار کر لیا ہے تو پھر زید کا اپنے اس اقرار سے رجوع کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے بشرطیکہ خالد بھی اپنے کو زید کا بیٹا تسلیم کرے درمختار مطبوعہ بر حاشیہ ردمختار جلد (۴) ص ۴۶۵ میں ہے لو قال لصبی ھذا ولدی ثم قال لیس منی لا یصح نفیہ لانہ بعد الاقرار بہ لا ینتفی بالنفی فلا حاجۃ الی الاقرار بہ ثانیا وھذا اذا صدقہ الابن واما اذا لم یصدقہ فلا الا اذا عاد الابن الی التصدیق لبقاء اقرار الاب ولو انکر الاب الاقرار فبرھن علیہ الابن قبل۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتاب الشہادت

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ہمشیرہ علاتی کا نکاح شخص غیر کفو مسمی عمرو سے کر دیا ہندہ کو نکاح سے انکار ہے اور عمرو ثبوت نکاح میں حاضرین مجلس سے دو شخص کو پیش کیا جو مجلس عقد میں اپنے شریک رہنے کی گواہی دیتے ہیں اور ایک تیسرا گواہ یہ بیان کرتا ہے کہ میں وکیل کے ساتھ ہندہ کے پاس گیا اور میرے روبرو وکیل نے ہندہ سے قبول نکاح کرالیا

میں ہندہ سے بخوبی واقف ہوں پس ایسی حالت میں جبکہ اصل واقعۂ نکاح کا ایک ہی گواہ ہے کیا عقد نکاح شرعاً ثابت ہے۔

الجواب

انعقاد نکاح کے لئے ایسے دو گواہوں کی ضرورت ہے جو ناکح و منکوحہ کے ایجاب و قبول کو سنیں اس لئے صورت مسئولہ میں مجرد ایک گواہ کا بیان عقد نکاح کے ثبوت کیلئے کافی نہیں عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ (۲۶۷) کتاب النکاح میں ہے ویشترط العدد فلا ینعقد النکاح بشاھد واحد ھکذا فی البدائع اور ص ۲۶۸ میں ہے (ومنها) سماع الشاھدین کلامھما معاً ھکذا فی فتح القدیر۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصاص و حدود شرعیہ و دیگر خصومات میں مسلمان پر ذمی کی گواہی ازروئے شرع معتبر ہے یا نہیں۔

جہاں مسلمان کم ہوں اور غیر ملت بکثرت ایسے مقام میں بلحاظ ضرورت غیر ملت کی گواہی مسلمان پر معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں۔ درصورت معتبر نہ ہونیکے حاکم کو اس پر تعزیر کا حق ہے یا نہیں۔

الجواب

مشہود علیہ یعنے جس پر گواہی دی جاتی ہے اگر وہ مسلمان ہے تو شہادت کے شرط سے ایک شرط یہ ہے کہ گواہی دینے والا بھی مسلمان ہو فتاوی عالمگیریہ

جلد (۳) صفحہ (۱۵۴) کتاب الشہادات میں ہے ومنها الاسلام اذا کان المشهود علیه مسلما بنا برین شریعت میں مسلمان پر غیر مذہب مشرک و کافر کی گواہی کسی معاملہ اور کسی حالت میں معتبر و مقبول نہیں ہے جیسا کہ فتاوے مہدیہ جلد (۲) صفحہ (۳۴۱) کتاب الشہادۃ کے جزئیہ سے بھی ثابت ہے (سئل فی امرأة ذمية تدعی علی امرأة مسلمة بانها ضربتها وکسرت ذراعها واتت بجماعة من الذميين يشهدون لها بدعواها والحال انها عاجزة من قديم ولم يكن عندها بينة من المسلمين يشهدون بدعواها هذه فهل لا يحكم بهذه الشهادة شرعا واذا عجزت عن البينة من المسلمين تصدق المدعی علیها بيمينها ولا عبرة بالدعوى المجردة عن الاثبات الشرعية (الجواب) لا تقبل شهادة اهل الذمة على المسلمة اور صفحہ (۳۷۷) میں ہے اذا کان المدعی علیه بالقتل مسلما یکون اللازم شرعا کون الشهود بالوكالتين فی الخصومة او بالقتل مسلمين عدولا۔ اما اذا کان المدعی علیه بالقتل غير مسلم فلا مانع من قبول شهادة غير المسلمين علیه اذا كانوا عدولا فی دیانتهم اگر گواہی دینے والا فساد و شرارت میں مشہور ہو اور قاضی یعنے حاکم عدالت کو بھی اس کی حالت معلوم ہو تو ایسے وقت میں قاضی اپنے علم پر اس کو تعزیر کر سکتا ہے۔ رد محتار جلد (۳) صفحہ (۱۹۳) باب التعزیر میں ہے لو کان المتهم مشهورا بالفساد فیکفی فیه علم القاضی اور در مختار میں ہے للقاضی تعزیر المتهم وان لم یثبت علیه رد محتار میں ہے (قوله وان لم يثبت) ای ما اتهم به وانما نفس

التہمۃ ای کونہ من اہلہا فلاتدمن ثبوتہا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہبہ نامہ او بیع نامہ اناث کی شہادت سے مکمل ہوسکتا ہے یا نہیں اور زنا وقتل ونکاح میں اناث کی شہادت معتبر ہے یا نہیں شریعت میں نصاب شہادت کیا ہے بینوا توجروا۔

الجواب

شہادت کا نصاب زنا کے لئے چار مرد ہیں اور باقی حدود شرعیہ اور قصاص اور کافر کا مسلمان ہونا اور مسلمان کا مرتد ہونا دو مردوں سے ثابت ہوتا ہے بچہ کا پیدا ہونیکے وقت رونا نماز جنازہ پڑھنے کے لئے لڑکی کا باکرہ ہونا اور عورتوں کے عیوب جن پر مرد مطلع نہیں ہوسکتے یہ تمام ایک ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہوجاتے ہیں۔ اب ان کے سوا باقی تمام حقوق چاہے مالی ہوں یا غیر مالی جیسے نکاح وطلاق ووکالت ووصیت بچہ کا پیدا ہونے کے وقت رونا استحقاق میراث کے لئے یہ تمام چیزیں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتے ہیں در مختار مطبوع برحاشیہ رد محتار جلد (۴) ص ۳۰۰ میں ہے ونصابہا للزنا اربعۃ رجال ولبقیۃ الحدود والقود واسلام کافر وردۃ مسلم رجلان وللولادۃ واستہلال الصبی للصلوۃ علیہ والبکارۃ وعیوب النساء فیما لایطلع علیہ الرجال امرأۃ ولغیرھا من الحقوق سواء کان مالاً وغیرہ کنکاح وطلاق ووکالۃ ووصیۃ واستہلال صبی للارث رجلان اورجل وامرأتان ولا یفرق بینہما لقولہ تعالی فتذکر احداھما الاخری ولا تقبل شہادۃ اربع بلا رجل پس صورت مسئولہ میں ہبہ نامہ وبیع نامہ

کی تکمیل او زنا و قتل و نکاح کا ثبوت محض عورتوں کی شہادت سے شرعاً معتبر نہیں ہے
واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میر تراب علی مرحوم نے چند آدمیوں کے روبرو فرادی فرادی اقرار کیا تھا کہ میں اپنی بی بی کو تین طلاق دیا اس قول کے چند آدمی شاہد ہیں کیا یہ شہادت شرعاً معتبر ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

مشہود بہ یعنی جس پر گواہی دی جاتی ہے اگر قول ہے جیسے بیع و شراء طلاق عتاق وکالتہ وصیتہ وغیرہ تو اس میں گواہوں کا ایک ساتھ ایک وقت اور ایک جگہ میں سننا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ قول ہے جس کا اعادہ و تکرار ہو سکتی ہے دو گواہ اگر مختلف اوقات اور مختلف مکان میں بھی قائل کے قول کو سنکر گواہی دیں تو یہ گواہی شرع میں معتبر و مقبول ہے اور اگر مشہود بہ فعل ہو جیسے غصب جنایتہ قتل وغیرہ تو اس میں گواہوں کا وقت اور مکان میں مختلف ہونا مقبول ہے تنقیح حامدیہ جلد ا صہ ۳۲۳ کتاب الشہادۃ میں ہے وفی البحر عن الکافی واذا اختلفا الشاہدان فی الزمان والمکان فی البیع او الشراء والطلاق والعتق والوکالۃ والوصیۃ والرہن والدین والقرض والبراءۃ والکفالۃ والحوالۃ والقذف تقبل وان اختلفا فی الجنایۃ والغصب والقتل والنکاح لا تقبل والاصل ان المشہود بہ اذا کان قولاً کالبیع ونحوہ واختلف الشاہدان فیہ فی الزمان او المکان لا یمنع قبول الشہادۃ لان القول مما یعاد ویکرر وان کان المشہود بہ فعلاً کالغصب ونحوہ او قولاً

فيهما
لكن الفعل شرط الصحة كالنكاح فانه قول وحضور الشاهدين فعل ... شرط واختلا
في الزمان والمكان يمنع القبول لان الفعل في زمان او مكان غير الفعل في زمان ومكان
آخر واختلف المشهود به پس صورت مسئولہ میں میر تراب علی مرحوم نے جو متعدد اشخاص کے
روبرو اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا اقرار کیا ہے اگرچہ اقرار ایک ہی زوجہ کے طلاق ثلاثہ کے
متعلق ہے تو اس کے ثبوت کے لئے گواہوں کا فرادیٰ فرادیٰ مختلف اوقات و مقام میں
سنکر گواہی دینا شرعاً معتبر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتاب الودیعۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص شمس الدین
نامی اپنا سامان حاجی اسحٰق صاحب میمن کے پاس مکہ معظمہ میں رکھکر روانہ مدینہ منورہ
ہوا جس کو سات سال کا عرصہ ہوتا ہے تاحال سامان امانت ہے اور شمس الدین کی کوئی
خبر نہیں ہے کیا وہ سامان مکہ معظمہ یا حیدرآباد میں خیرات کیا جائے یا مدینہ منورہ کو
واپس کیا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

امانت دار کو چاہیے کہ مالک کے موت یا حیات کی کیفیت دریافت کرے اور
معلوم ہونے تک اس مال کو اگر تلف ہونے والا نہیں ہے تو اپنے پاس چاہے کتنی
مدت گذرے محفوظ رکھے اگر تلف ہونے والا ہے تو اس کو قاضی کی اجازت سے فروخت
کرکے اس کی قیمت اپنے پاس محفوظ رکھے پھر جب مالک کے زندہ ہونے کی خبر معلوم ہو تو

وہ مال اس کو پہونچا دے اور اگر مرنے کی خبر ملے تو اس کے ورثہ کو تلاش کرکے ان سے
دریافت کرے کہ اس پر کوئی قرض تو نہیں ہے اگر قرض ہے تو ادائی قرضہ کے لئے
اس کے وصی کو دیدے اور قرض نہونے کی صورت میں حسب فرائض ورثاء پر تقسیم
کردے اگر اس کے موت وحیات کی کوئی خبر بھی تلاش کے بعد معلوم نہ ہو تو اس مال کو محکمہ
قضاء میں پیش کرے تاکہ قاضی اس کے ہم عمر اشخاص کے مرنے پر اس کے بھی مرنے کا
حکم لگائے اور قرضہ کی تحقیق کے بعد حسب فرائض ورثاء پر تقسیم کردے اور روئے
شریعت اس مال کو خیرات کرنے کی اجازت نہیں ہے ۔ فتاوے بزازیہ مطبوعہ عالمگیری
جلد (۶) صـ ۲۰۷ میں ہے غاب المودع ولا یدری حیاته ولا مماته یحفظها
الله أحتى یعلم موته ووارثه فان مات ولم یکن علیه دین یستغرق یرد علی
الورثة وان کان یدفع الی وصیه عالمگیریہ جلد (۴) صـ ۳۵۲ غاب المودع
ولا یدری حیاته ولا مماته یحفظها ابدا حتی یعلم موته وورثته کذا فی الوجیز
للکردری ولا یتصدق بها بخلاف اللقطة کذا فی الفتاوی العتابیه واذا مات
رب الودیعة فالوارث خصم فی طلب الودیعة کذا فی المبسوط فان مات ولم
یکن علیه دین مستغرق یرد علی الورثة وان کان یدفع الی وصیه کذا فی الوجیز
للکردری المودع اذا دفع الودیعة الی وارث المودع وفی الترکة دین یضمن
للغرماء ولا یبرء بالرد علی الوارث کذا فی خزانة المفتیین فتاوی مهدویہ جلد (۴) صـ ۲۷۵
میں ہے ویباع منقوله باذن القاضی اذا خیف علیه الفساد ویحفظ ثمنه
فان جاء حیا دفع له ماله وان ثبت موته یقسم بین ورثته وان استمر مفقودا
بحکم موته اذا مات اقرانه فی بلدته علی المذهب وانما تثبت بقضاء لانه

امر محتمل پس صورت مسئولہ میں حسب تفصیل سابق عمل کیا جائے واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الرہن والقرض

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا ذاتی مکان رہن بلا قبض کرکے قرض لیا پھر اسی مکان کو بحالت رہن بلا قبض اپنے چھوٹے لڑکے کو ہبہ کردیا اور بعد چند روز کے زید بحیثیت ولی چھوٹے لڑکے کی جانب سے اسی مکان مکفولہ وموہوبہ کو دوسرے شخص کے پاس رہن مع القبض کیا۔ چنانچہ اس وقت مکان مذکور مرتہن ثانی کے قبضہ میں ہے پس ایسی صورت میں بعد رہن بلا قبض زید سے جو انتقالات ہبہ ورہن مع القبض وقوع میں آئے ازروے احکام شرع جائز ہیں یا نہیں بصورت جواز جوڈیشل کمیٹی نے روبکار صدر المہامی عدالت نشان (۱۵۱) مورخہ ۳ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ کے حوالے سے اس مقدمہ میں جو فیصلہ کیا ہے کہ رہن بلا قبض کو رہن مع القبض وہبہ پر ترجیح ہے اور سابق رہن بلا قبض کے مقابل مابعد کا ہبہ ورہن بالقبض نادرست وناقابل اعتبار ہے کیا ایسا فیصلہ جس میں مسائل شرعیہ سے انحراف ہے صحیح ہے یا نہیں۔

الجواب

رہن بلا قبض شرعاً ناجائز وناقابل اعتبار ہے۔ درمختار کے کتاب الرہن میں ہے وینعقد بایجابٍ وقبول غیر لازم فللراهن تسليمه والرجوع عنه

فاذا سلمه وقبضه المرتهن محوزاً مفرغاً مميزاً لزم افادة ان القبض شرط اللزوم
كما في الهبة عالمگیریہ جلد (۵) کتاب الرہن فصل اوّل میں ہے قال محمد رحمه الله
تعالى في كتاب الرهن لا يجوز الرهن الا مقبوضاً فقد اشار الى ان القبض شرط الجواز
قال الشيخ الامام الاجل المعروف بخواهر زاده الرهن قبل القبض جائز الا
انه غير لازم وانما يصير لازماً في حق الراهن بالقبض شرط اللزوم لا شرط الجواز
كالقبض في الهبة والاول اصح كذا في المحيط فتاوے مہدویہ جلد (۵) کتاب الرہن
میں ہے (سئل) في رجل عليه دين الجماعة وله بيت رهنه على الله بن الملا كور
الى ستين يوماً ولم يزل ساكناً فيه بامتعة وينتفع به الى الآن فهل يكون هذا الرهن
باطلاً ويكون البيت باقياً على ملك الراهن (اجاب) الرهن على هذا الوجه بلا
تسليم للمرتهن مفرغاً غير معتبر فلا تترتب عليه احكامه وللراهن الرجوع قبل
القبض باپ اپنے کمسن لڑکے کو کوئی چیز ہبہ کر سکتا ہے اور اس کے طرف سے موہوبہ
کو ولایتاً خود قبضہ میں رکھ سکتا ہے عالمگیریہ جلد (۴) کتاب الرہن باب السادس میں ہے
وهبة الاب لطفله تتم بالعقد ولا فرق في ذلك بما اذا كان في يده او في
يد مودعه بخلاف ما اذا كان في يد الغاصب في يد المرتهن او في يد المستاجر
حيث لا تجوز الهبة لعدم قبضه وكذا لو وهبته امه وهو في يدها والاب
ميت وليس له وصي وكذا كل من يعوله كذا في التبيين وهكذا في الكافي
اسی جگہ ہے الموهوب له ان كان من اهل القبض فحق القبض اليه وان كان
الموهوب له صغيراً او مجنوناً فحق القبض الى وليه ووليه ابوه او وصي ابيه
ثم جده ثم وصيه ثم القاضي ومن نصبه القاضي باپ اپنے کمسن لڑکے

مال کو بربنا ولایت شرعیہ اپنے ذاتی قرضہ میں بھی رہن رکھ سکتا ہے تبیین الحقائق جلد (۶) صہ ۱۳۵ کتاب الرہن میں ہے یجوز رھن مال الغیر بغیر اذنہ بولایۃ شرعیۃ کالاب والوصی رھن مال الصبی بدینہ ودین نفسہ پس صورت مسئولہ میں زید نے جو پہلے رہن بلا قبض کیا ہے چونکہ شرعاً ناجائز و نامعتبر ہے اس لئے زید کا اس مکان کو اپنے کمسن لڑکے کے نام ہبہ کرنا اور ولایتاً اسکو اپنے قبضہ میں رکھکر دوسرے شخص کے پاس رہن بالقبض کرنا شرعاً درست ہے۔

ف جوڈیشل کمیٹی نے جو رہن بلا قبض کو جائز و نافذ رکھکر ہبہ و رہن بالقبض کو ناجائز و غیر معتبر ٹھہرایا ہے شرعاً درست نہیں اور اس قسم کا فیصلہ کہ جس میں احکام شرعیہ کا صریح خلاف ثابت ہے اصلاً درست نہیں کیونکہ خداوند عالم نے آیات کریمہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون میں خلاف احکام خداوندی و شریعت مصطفوی فیصلہ کرنے والوں کو ظالم و فاسق وکافر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید جو عابدہ کا دادا ہے عابدہ کو اپنی کل ملک کا مالک کیا ہے اس وقت زید کی مرحومہ بہو فاطمہ کے ورثہ زید سے فاطمہ کے مہر کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کیا ان کا مطالبہ شرعاً درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

زوجہ کا مہر شرعاً زوج پر واجب ہے زوج کا والد تاوقتیکہ ادائے مہر کا ضامن نہوا سپر اسکی ادائی واجب نہیں ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۲) صـ ۳۶۶ باب المہر میں ہے ولا یطالب الاب بمہر ابنہ الصغیر الفقیر الا اذا ضمنہ اور فتاوی مہدویہ کے جلد (۱) صـ ۹۵ باب المہر میں ہے لا یجبر الاب الزوج الصغیر علی دفع صداق زوجۃ ابنہ المذکور من مال نفسہ بدون کفالۃ شرعیۃ اسی طرح میت کے قرضہ کو ورثا کے ذاتی مال وجائداد سے طلب کرنا شرعاً درست نہیں ہے فتاوے مہدویہ مصری کے جلد (۵) صـ ۳۳۳ کتاب المداینات میں ہے تتعلق دیون المیت بعد موتہا بترکتہ فاذا لم یکن لہ ترکۃ لا یجبر الوارث علی ایفائہا من مالہ پس صورت مسئولہ میں فاطمہ کے مہر کی ادائی فرزند کی جائداد سے ہونا چاہیئے عابدہ کو جو جائداد زید نے ہبہ کیا ہے وہ عابدہ کی ذاتی ہے فاطمہ کے مہر کا مطالبہ عابدہ کی ذاتی جائداد یا زید کی ذاتی جائداد سے شرعاً درست نہیں ہے

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زمین جسکا حاصل سالانہ ڈیڑھ سو ہے عمرو کے پاس پانسو روپیہ قرض کے بدلے اس شرط پر رہن رکھنا چاہتا ہے کہ رقم مذکور کا کوئی سود نہ لیا جائے مگر ڈیڑھ سو حاصل زمین سے تا ادائے رقم زید عمرو کو پچاس روپے معاف کردیگا اور صرف سو روپیہ پر اس کا قول پانچ سال ادائی قرضہ کی مدت رہے گی اس مدت کے اندر رقم کامل ادا ہو جائے تو پھر اس زمین کا قول کامل ڈیڑھ سو رہیگا کیا اس شرط سے قرضہ دینا اور لینا شرعاً درست ہے۔ اگر کوئی شخص السیا کرے

تواب کیا کرنا ہوگا۔

الجواب

شرط لگا کر قرضہ دینا جس میں قرض دینے والے کا نفع ہو سود ہونے کی وجہ سے شرعاً حرام ہے۔ درمختار مطبوعہ بر حاشیۂ ردمحتار مصری جلد (۴) صـ ۱۸۲ باب القرض میں ہے وفی الخلاصة القرض بالشرط حرام والشرط لغو وفی الاشباہ کل قرض جر نفعاً حرام اھ ردمحتار میں ہے ثم رأیت فی جواھر الفتاوی اذا کان مشروطاً صار قرضا فیہ منفعة وھو ربا پس صورت مسئولہ میں چونکہ عمرو ماحصل سے پچاس روپے سالانہ معافی کے بناء پر قرض دے رہا ہے اس لئے یہ نفع زید کے لئے سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے زید و عمرو کے درمیان اگر ایسا معاملہ ہو گیا ہے تو عمرو کو چاہیئے کہ رقم معافی جس قدر حاصل ہوئی ہے زید کے قرضہ میں منہا کر لے اور آئندہ بھی تا ادائی رقم اس رقم کو قرضہ میں شمار کرتا جائے۔

کتاب الھبة

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ولی محمد نے اپنی زوجہ کے نام بمعاوضۂ (پانچسو) زرمہر اپنا مکان ہبہ کیا جس کی رجسٹری باضابطہ محکمہ سرکار میں کرا دی گئی بعد ہبہ و رجسٹری اس مکان سے علحدہ ہو کر زوجہ کو قبضہ نہیں دیا بلکہ حسب سابق زوج و زوجہ دونوں اسی مکان میں رہے

اس کے بعد زوجہ اپنے تین لڑکیوں کو مکان ہبہ کرکے انتقال کی اب زوج مسمی ولی محمد یہ چاہتا ہے کہ ہر سہ دختر کو اس مکان اور متروکہ زوجہ سے محروم و بیدخل کرے اس کے متعلق شرعی کیا فیصلہ ہے۔

الجواب

ہبہ بالمعاوضہ کے لئے شرعاً قبضہ ضروری ہے اگر قبضہ کے پہلے کوئی ایک مرجائے تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع میں ہے واذا وقعت الھبۃ بشرط العوض المعین فھی ھبۃ ابتداءً فیشترط التقابض فی العوضین اسی باب میں ہے (والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل- ردالمحتار میں ہے یعنی عمد الھبۃ الاولی بطلت ای لانتقال الملک للوارث قبل تمام الھبۃ (سائحانی)۔

عالمگیریہ جلد (۴) صفحہ ۳۸۰ کتاب الہبہ باب الثانی میں ہے ھبۃ الشاغل تجوز وھبۃ المشغول لا تجوز والاصل فی جنس ھذہ المسائل ان اشتغال الموھوب بملک الواھب یمنع تمام الھبۃ مثاله وھب جرابا فیه طعام لا تجوز ولو طعاما فی جراب جازت وعلی ھذا الظائرہ لکذا فی فصول العمادیہ اسی صفحہ میں ہے وفی المنتقی عن ابی یوسف عن ابی یوسف رحمه الله تعالی لا یجوز للرجل ان یھب لامرأته ولان تھب لزوجھا ولا جنبی داراً وھما فیھا ساکنان وکذلك للولد الکبیر کذا فی الذخیرۃ

پس صورت مسئولہ میں چونکہ ہبہ و رجسٹری کے بعد زوج نے سامان علیحدہ کرکے زوجہ کو اس مکان پر قبضہ نہیں دیا ہے اور بدون قبضہ کے زوجہ کا انتقال ہوگیا

اس لئے شرعاً یہ ہبہ باطل ہے اور اس کے بطلان سے زوجہ کا اپنی لڑکیوں کو ہبہ کرنا بھی باطل ہے، پس اس وقت مکان زوج کی ملک ہے البتہ زر مہر مبلغ پانچ سو زوج کے ذمہ واجب الادا اور زوجہ کا متروکہ ہے اس کے ساتھ زوجہ کا دوسرا متروکہ یعنے اثاثہ وغیرہ اس تمام سے زوجہ کا قرض اور وصیت در ثلث مال ادا کرنے کے بعد باقی کے چار حصے کرکے زوج اور تینوں لڑکیاں ایک ایک حصہ لینے کے مستحق ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے انتقال کے بعد زید کا ایک لڑکا بکر ہبہ نامہ جس پر زید کے وفات سے چند سال پیشتر کی تاریخ ہے پیش کرکے بیان کرتا ہے کہ میرے والد نے اس ہبہ نامہ کے رو سے مجھے اپنے تمام املاک ہبہ کیا ہے لہذا ان سب کا میں مالک ہوں دوسرے ورثار کا اس میں کوئی حق نہیں حالانکہ زید اپنی وفات تک اپنی تمام جائداد پر خود قابض و متصرف رہا ہے اور بکر کو اس پر قبضہ نہیں دیا گیا ایسی صورت میں اس ہبہ نامہ کے بنا پر تمام ورثار محروم ہونگے اور تنہا بکر ہی اس کا مالک رہے گا یا نہیں۔

الجواب

ہبہ کے لئے قبضہ کامل شرط ہے چونکہ زید حین حیات اپنی تمام جائداد پر خود قابض و متصرف رہا ہے اس لئے برتقدیر ثبوت ہبہ نامہ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ہبہ ناتمام ہے بکر از روے ہبہ نامہ جن اشیاء کے موہوبہ ہونے کا دعوے کرتا ہے وہ ہبہ نہیں بلکہ متروکہ ہیں زید کے تمام ورثار کو حسب فرائض انمیں

حق ہے فتاوے مہدویہ جلد (۴) کتاب الہبہ صفحہ ۵۷۳ میں ہے سئل فی رجل وھب مقدارًا معلومًا من الدراھم لاحرین مکلفین وحصۃ من حانوت یملکھا ومات قبل قبضھما الموھوب من الدراھم والحصۃ المذکورۃ فھل لا تکون ھذہ الھبۃ نافذۃ لاسیما والحانوت مشغولۃ بامتعۃ فیھا الی ان مات (الجواب) اذا مات الواھب قبل قبض الموھوب لہ الھبۃ بطلت ویکون میراثًا عن الواھب کما فی متروکاتہ اور صفحہ ۵۸۵ میں ہے سئل فی رجل ادعی علی اعمامہ بان جدہ قبل موتہ فی حال صحتہ وسلامتہ کتب لہ وثیقۃ مضمونھا انہ اعطاہ من مالہ مشاعًا کذا قراریط والحال ان الجد المذکور لم یفرزہ ولم یسلمہ لہ قبل موتہ فھل تکون ھذہ الھبۃ غیر صحیحۃ لما ذکر حیث بالغا وقت الاعطاء لہ المذکور (الجواب) لا عبرۃ بھذا الاعطاء لابن الابن البالغ المذکور حیث کان الواقع ما ھو مسطور بالسؤال واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا اور کچھ مدت بعد ہندہ بگذاشت والدین و زوج فوت ہوی اب ہندہ کے مال و زیور کا کون وارث ہے اور ہندہ کے والدین نے ہندہ کے شوہر کو جو کپڑے اور جوڑہ وقت نکاح دیدیا تھا وہ جوڑا ابتک بلا تغیر و تبدل ملک مالک میں موجود ہے کیا اوس کو واپس لے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی بعد وضع مصارف تجہیز وتکفین وادائے دیون واجرائی وصیت باقی مال کے چھ حصہ کرکے زوج کو تین حصہ اور والد کو دو اور والدہ کو ایک حصہ دیا جائے۔

ف ۲ شئے موہوبہ کا رجوع اگرچہ شرعاً حرام اور اس کا مرتکب گناہ گار ہے مگر جبکہ شئے موہوبہ بلا تغیر وتبدل موجود ہو اور واہب اس کو واپس لینا چاہے اور ہبہ بھی بلا معاوضہ ہو تو واہب اس شئے کو موہوب لہ کی رضامندی یا قاضی کے حکم سے واپس لے سکتا ہے۔ درمختار کے باب الرجوع فی الہبتہ میں ہے صح الرجوع فیھا بعد القبض مع انتفاء مانعہ وان کرہ تحریماً اسی باب کے اخیر میں ہے ولا یصح الرجوع الا بتراضیھما او بحکم الحاکم

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زوجہ اگر اپنا زر مہر زوج کو معاف کردے تو اس کو پھر رجوع کرنے کا حق ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

زوجہ اگر عاقلہ وبالغہ ہے اور بلا جبر وتعدی کے اپنا مہر زوج کو معاف کی ہے تو ایسی صورت میں اسکو رجوع کرنے کا حق نہیں ہے فتاوے مہدویہ جلد (۱) کے صا ۱۷ میں ہے اذا ابرأت المرأۃ زوجھا من المھر واسقطت حقھا

منہ لایکون لہا الرجوع عن ذلک۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شئے موہوبہ خواہ منقول ہو یا غیر منقول بعد تکمیل ہبہ و قبضہ کن صورتوں میں واہب موہوب لہ سے واپس لے سکتا ہے

الجواب

بعد تکمیل ہبہ و قبضہ سات صورتوں میں شئے موہوبہ کا موہوب لہ سے واپس لینا ممنوع ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ بعد تکمیل ہبہ موہوب لہ شئے موہوبہ پر ایسی زیادتی کردے جو بالکل متصل ہو جیسے ہبہ کی ہوئی زمین پر مکان بنانا یا درخت لگا دینا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ واہب یا موہوب لہ سے کوئی ایک فوت ہو جائے

تیسری صورت عوض ہے یعنے اگر کوئی عوض لیکر ہبہ کرے تو اس میں بھی رجوع نہیں۔

چوتھی صورت شئے موہوبہ کا موہوب لہ کی ملک سے خارج ہو جانا مثلاً موہوب لہ بھی کسی کو بیع یا ہبہ کردے۔

پانچویں صورت واہب و موہوب لہ کا باہم ہبہ کے وقت زوج و زوجہ ہونا یعنے زوج اگر کوئی چیز زوجہ کو ہبہ کرے یا زوجہ زوج کو ہبہ کردے تو تا قیام زوجیت ہر ایک کا دوسرے سے اس چیز کو واپس لینا صحیح نہیں ہے

چھٹی صورت واہب و موہوب لہ کا باہم قرابت دار رحمی ہونا ہے یعنی قرابت داران رحمی کو بھی کوئی چیز دیکر واپس لینا صحیح نہیں ہے۔

ساتویں صورت شئے موہوبہ کا ہلاک ہو جانا ہے فتاوے در مختار مطبوع بر حاشیۂ رد محتار جلد (۴) صـ۵۳۸ میں ہے (یمنع الرجوع فیھا (یصح حرفٌ) دال الدال الزیادۃ المتصلۃ کبناء وغرس والمیم موت احد العاقدین والعین العوض والخاء خروج الھبۃ عن ملک الموھوب لہ والزای الزوجیۃ وقت الھبۃ والقاف القرابۃ والھاء ھلاک العین الموھوبۃ ان صورتوں کے سوا واہب اگر موہوب لہ سے قبضہ و تکمیل ہبہ کے بعد بھی شئے موہوبہ کو واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے مگر مکروہ تحریمی ہے در مختار کے اسی صفحہ میں ہے (صح الرجوع فیھا بعد القبض) اما قبلہ فلم تتم الھبۃ (مع انتفاء مانعہ وان کرہ) الرجوع (تحریما ولو مع اسقاط حقہ من الرجوع) فلا یسقط باسقاطہ خانیہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید کے آبا و اجداد سے ایک جاگیر مشروط الخدمت چلی آرہی ہے زید کا چچا عمر جو اس خدمت پر قائم نہیں ہے۔ اس معاش کو اپنے پوتے خالد کے نام ہبہ کر دیا ہے کیا یہ شرعاً درست اور واجب التعمیل ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شرع میں ہبہ کے صحیح ہونے کے شروط سے ملک بھی ایک شرط ہے یعنے شئے موہوبہ واہب یعنے ہبہ کرنے والے کی ملک ہو در مختار مطبوع بر حاشیۂ رد محتار مصری جلد (۴) صـ۵۳۱ کتاب الھبہ میں ہے وشرائط صحتھا فی الواھب العقل

والبلوغ والملک اور یہ بھی شرط ہے کہ شئے موہوبہ ہبہ کرنے والے کے قبضہ و تصرف
میں ہو چنانچہ درمختار میں اسی جگہ ہے (و) شرائط صحتہا (فی الموہوب ان
یکون مقبوضا غیر مشاع ممیزا غیر مشغول) پس درصورت مسئولہ میں چونکہ
معاش مشروط الخدمۃ زید کے چچا عمر کی نہ ملک ہے اور نہ اس کے قبضہ و تصرف
میں ہے اس لئے یہ ہبہ شرعاً صحیح نہیں ہے اور نہ اس کی تکمیل واجب ہے
واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شمشیر خاں
نے اپنے حین حیات اپنی کل جائداد منقولہ و غیر منقولہ یعنے جاگیر وغیرہ اپنی لڑکی
یٰسین بی کو ہبہ بالقبض کیا جسکو سرکار نے بھی منظور کرلیا۔ یٰسین بی کے انتقال
کے بعد یٰسین بی کا لڑکا میر مظفر علی بربنا روراثت جملہ جائداد پر قابض تھا۔ اب
میر مظفر علی کا بگذاشت یک عم حقیقی و دو زوجہ انتقال ہوگیا۔ ہے۔ اور میر مظفر علی
کے نانا شمشیر خاں مرحوم کے حقیقی بھائی حمید خاں مرحوم کے فرزند غفور خاں
کا یہ دعویٰ ہے کہ جملہ جائداد میرے چچا شمشیر خاں کی ہے۔ جس کا میں وارث ہوں
کیا غفور خاں کا یہ دعوے شرعاً درست ہے اور غفور خاں مستحق میراث ہے یا نہیں
بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی ہبہ قبضۂ کامل سے تمام ہوجاتا ہے اور واہب
یا موہوب لہ کسی ایک کے مرجانے سے اس کا رجوع بھی صحیح نہیں ہے، مختار

مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۴) صـ۵۳۳ میں ہے (وتتم) الهبة (بالقبض) الكامل اور ہدایہ مصطفائی کے صـ۲۷ کتاب الہبہ میں ہے واذا وهب هبة لاجنبی فله الرجوع الا ان لعوضه او یزید زیادة متصلة او موت احد المتعاقدین پس صورت مسئولہ میں شمشیر خاں نے چونکہ اپنی مملوکہ جملہ جائداد کو حین حیات اپنی لڑکی یٰسین بی کے نام ہبہ کرکے قبضہ میں دیدیا ہے اسلئے یہ ہبہ شرعاً کامل و تمام ہے شمشیر خاں کے انتقال کے بعد یٰسین بی سے اس کا واپس لینا درست نہیں ہے اس وقت شمشیر خاں کی جملہ جائداد یٰسین بی ملک ہے جس کے مستحق یٰسین بی کے وارث ہیں میر مظفر علی فرزند یٰسین بی کے انتقال کے بعد ان املاک کا استحقاق ورثا میر مظفر علی کو ہے غفور خاں کو ان املاک کے متعلق اپنے چچا شمشیر خاں مرحوم کی جائداد بتا کر دعوے وراثت کرنے کا شرعاً حق نہیں ہے۔

ف جاگیر جو عطیہ سلطانی ہے اس کے ہبہ کرنے کا شمشیر خاں کو کوئی حق نہیں تھا مگر جبکہ سلطان وقت نے یٰسین بی کے نام اسکو منظور کرلیا ہے تو یہ سلطان وقت کے جانب سے یٰسین بی کے نام عطاء جدید ہے یٰسین بی کے انتقال کے بعد سلطان وقت کو یہ اختیار تھا کہ جس کے نام چاہے بحال کرے اور اب میر مظفر علی کے انتقال کے بعد بھی سلطان وقت کو یہی اختیار حاصل ہے رسالہ صدر یہ کے صـ۳۹۳ میں عالمگیریہ سے منقول ہے اذا اعطى السلطان لرجل خراج الارض لا يسع لذلك الرجل ان يبيع تلك الاراضی ويهبها ولا نصاب بعد موته ملكا لورثته لانها لم تكن ملكا له فكيف يكون ملكا للورثة

اور صـ۳۹۵ میں ہے الاراضی المعاشیۃ المعہودۃ فی الھند لیست من الترکۃ و لھذا الاتورث تلک الاراضی و لاتباع ولا توجر ولا ترھن ولا تملیک ولا وصیۃ فیھا فالعبرۃ فی الاراضی المعاش لحکم الامیر ونائبہ کالصدور فلاحق لشخص جوزھا فی لہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو پہلی زوجہ سے ایک لڑکا مسمی عمرو ہے اور دوسری زوجہ سے چار لڑکے بکر۔ خالد۔ حامد۔ رشید ہیں زید نے اپنی ایک ذاتی زمین اپنے بڑے لڑکے عمرو کو ہبہ کیا اور سرکار میں اسکی باضابطہ رجسٹری کر کے عمرو کے قبضہ میں دیدیا جس کا سرکاری پن ہبہ وقبضہ کے بعد سے اب تک عمرو ادا کر رہا ہے۔ عمرو چونکہ ملازمت کی وجہ سے اکثر سفر میں رہا کرتا تھا اس لئے اس زمین موہوبہ کی نگرانی اپنے والد و علاتی بھائیوں کے سپرد کر رکھا تھا اب عمرو کا والد اس زمین کو عمرو سے واپس لینا چاہتا ہے کیا یہ رجوع شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اور عمرو اپنے والد زید کی جملہ جائداد سے اپنے علاتی چاروں بھائیوں کے ساتھ کس قدر حصہ پانے کا مستحق ہے۔

الجواب

واہب جبکہ کوئی شئے اپنے کسی ذی رحم محرم یعنے نسبی قرابت دار کو ہبہ کرے اور موہوب لہ کے قبضے میں دیدے تو پھر اس کو اس سے رجوع کرنے اور واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ ہدایہ مجتبائی کے کتاب الھبہ باب مایصح رجوعہ و

وما لا یصح رجوعہ میں ہے وان وھب ھبۃ لذی رحم محرم منہ لم یرجع فیہا لقولہ علیہ السلام اذا کانت الہبۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیہا ولان المقصود صلۃ الرحم وقد حصل البتہ باپ اگر مفلس و محتاج ہو جائے اور اوسکو اپنی تنگدستی دفع کرنے کیلئے بیٹے کو دی ہوی چیز واپس لینے کے بغیر کوئی اور صورت نہیں ہے تو ایسی حالت میں باپ کو یہ اجازت ہے کہ وہ چیز بیٹے سے واپس لے لے فتح القدیر مصری جلد (۷) صا۵۰ میں ہے قال فی البدائع فانہ یحل لہ اخذہ من غیر رضا الولد ولا قضاء القاضی اذا احتاج الیہ للانفاق علی نفسہ اھ وقال فی الکفایہ من شروح ھذا الکتاب فانہ یستقل بالرجوع فیما یھب لولدہ عند احتیاجہ الی ذلک للانفاق علی نفسہ اھ الی غیر ذلک من المعتبرات پس صورت مسؤلہ میں عمرو کا باپ اسوقت اگر مفلس و محتاج نہیں ہے اور اسکو اپنے ذاتی و ضروری اخراجات اس زمین سے پورے کرنیکی حاجت نہیں ہے تو ایسی حالتمیں اسکے لئے اس موہوبہ زمین کا عمرو سے واپس لینا شرعاً جائز نہیں **ف** عمرو زمین موہوبہ کا مالک ہونے کے باوجود اپنے باپ کی باقی جملہ جائداد سے بھی چاروں علاتی بھائیوں کے ساتھ مساوی حصہ پانے کا مستحق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید خالد ولیدیہ تینوں آپسمیں حقیقی بھائی ہیں زید اپنا ذاتی مکان چھوڑکر فوت ہوا خالد اوسکو اپنی زوجہ ہندہ کے نام ہبہ کرکے انتقال کیا اب لیدیہ دعوے کرتا ہے کہ ملک مشاع کا ہبہ ناجائز ہے لہذا یہ ہبہ کالعدم ہے خالد اور ولید دونوں زید کے چچازاد بھائی ہیں اسلئے زید کے متروکہ سے پہلے میرا نصف حصہ دلایا جاوے اور بقیہ نصف حصہ جو خالد کا ہو اسمیں سے ایک ربع ہندہ زوجہ خالد کو دیکر بقیہ حصہ بوجہ عصوبت مجھکو دلایا جاوے کیا ولید کا یہ دعویٰ شرعاً درست ہے۔

الجواب

جائداد مشترکہ جو قابل تقسیم ہے ایسی جائداد کو بحالت اشتراک بلا تقسیم و تعیین ہبہ کرنا ناجائز ہے ہدایہ اخیرین مجتبائی کے کتاب الہبہ صفحہ ۳۱۹ میں ہے ولا یجوز الھبۃ فیما یقسم الا محوزۃ مقسومۃ اسی صفحہ میں ہے فان من وھب شقصا مشاعا فالھبۃ فاسدۃ فان قسموا وسلموا جاز لان تمامہ بالقبض وعندہ لا شیوع ف پس صورت مسئولہ میں خالد اگر مکان مشترک کو بلا تقسیم و تعیین حصص زوجہ کے تام ہبہ کیا ہے تو یہ ہبہ جائز نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ ہندہ کو بعد عقد زیور طلائی و نقرئی زر مہر کی تعداد سے چار پانچ گونہ زائد تیار کرا کے پہننے کیلئے دیا اور دیتے وقت یہ بیان نہیں کیا کہ یہ بطور ہبہ یا بالمعاوضۂ مہر یا امانتًا یا عاریتًا دیا گیا ہے اور زر مہر بھی ادا نہیں کیا اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا پس ایسی صورت میں زیور زوجہ کی ملک ہے یا زوج کا متروکہ ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں جبکہ زوج مرحوم نے زوجہ کو زیور کا مالک نہیں بنایا ہے اور نہ دیتے وقت اس کی صراحت کی ہے اسلئے جبتک زوجہ اپنے لئے ہبہ کرنا یا معاوضہ زر مہر دینا بینۂ شرعیہ سے ثابت نہ کرے یہ زوج کی ملک و متروکہ ہے زیور کو زوج کی زندگی میں اسکی رضامندی و اجازت سے اپنے جسم پر پہننا اور استعمال کرنا ملک کی دلیل نہیں فتاوے مہدویہ کے جلد (۴) کتاب العاریہ صفحہ ۵۴۵ میں ہے سئل فی رجل البس زوجتہ حلیا ممولو کا لہ لتتزین بہ ولم یملکہ لھا ثم توفی والحلی باق عندھا ثم توفیت ھی ایضا فھل اذا ثبت بالوجہ الشرعی ان الحلی ملک للزوج البسہ لزوجتہ زینۃ یکون ترکۃ عنہ یقسم علی جمیع ورثتہ للذکر مثل حظ الانثیین ولیس لخصوص ورثۃ الزوجۃ الاختصاص بہ بدون وجہ شرعی اجاب اذا ثبت بالوجہ الشرعی ان الحلی المذکور ملک للزوج ولم یثبت انتقالہ لملک زوجتہ بطریق شرعی یقسم بین ورثۃ الزوج علی فرائض اللہ تعالی ولا یختص بہ ورثۃ الزوجۃ اور صفحہ ۵۲۹ میں ہے اذا اعترفت الزوجۃ باصل الملک فی مصاغ مثلًا لزوجھا ولم تثبت انتقالہ الیھا بناقل شرعی یکون ترکۃ عن الزوج ولا یکون استمتاعھا بہ حال حیاتہ ورضاہ بذلک دلیلا علی ملکھا ذلک کما یتوھمہ النساء والعوام۔

واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الایمان

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمار دین اس مسئلے میں کہ زید متعدد کام نہ کرنے کی قسم کھایا پھر کیا ان سب کا ایک ہی کفارہ ہوگا یا کئی۔

الجواب

ایک ہی کفارہ اخیر میں ادا کردے تو ذمہ سے بری ہو جائیگا رد المختار جلد (۳) صفحہ (۵۴) کتاب الایمان میں ہے وفی البغیة کفارات الایمان اذا کثرت تداخلت ویخرج بالکفارة الواحدة عن عهدة الجمیع وقال شهاب الائمة هذا قول محمد قال صاحب الاصل هو المختار عندی اه مقدسی۔ ومثله فی القهستانی عن المنیة۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک شخص نے غصہ میں قرآن شریف لیکر جھوٹی قسم کھایا کیا اس قسم سے اس شخص کا ایمان گیا اور اس کا نماز روزہ قبول نہیں ہوگا اب اس کو اس گناہ کے دفع کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے اور ایمان کس فعل بد کے کرنے سے جاتا ہے۔

الجواب

جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے اگر قسم کھانے والا توبۂ واثق کرلے تو اس سے نجات ہو جاتی ہے درمختار مطبوعہ برحاشیۂ ردمحتار مصری جلد (۳) صفحہ (۳۸) کتاب الایمان میں ہے۔ (هی غموس) تغمسه فی الاثم ثم النار وهی کبیرة مطلقا لکن اثم الکبائر متفاوت (ان حلف علی کذب عمدا کوالله ما فعلت عالما بفعله او کوالله ماله علیّ الف عالما بخلافه ووالله انه بکر عالما بانه غیره ویأثم بها فتلزمه التوبة۔ ردالمحتار میں ہے۔ قوله فتلزمه التوبة اذ لا کفارة فی الغموس یرتفع بها الاثم

فعیت التوبۃ للتخلص منہ اہل سنت والجماعۃ کے
پاس گناہ کبیرہ سے ایمان نہیں جاتا شرح عقائد نسفی مطبوعہ انوار محمدی
لکھنؤ صفحہ (۱۰۲) میں ہے والکبیرۃ لاتخرج العبد
المؤمن من الایمان ولاتدخلہ فی الکفر۔
واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس
مسئلے میں کہ زید کی نئی بیوی جس سے اس کو بے حد محبت تھی انتقال کی
وہ اس کے غم سے کچھ دیر بیہوش رہا۔ ہوش آنے کے بعد اس کے
اقارب نے کہا کہ ہم اس سے اچھی بیوی بیاہ کرکے لائیں گے تم غم
نہ کرنا زید فرط غم میں خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھا کر کہا
کہ میں دوسری شادی نہیں کروں گا۔ اس کے بعد اگر وہ شادی کرنا
چاہے تو ان قسموں کا کیا کفارہ ادا کرنا پڑیگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جن کاموں کا کرنا چھوڑ دینے سے بہتر ہے اگر کوئی شخص ان
کاموں کے نہ کرنے کی قسم کھائے تو ایسے شخص کو چاہیئے کہ قسم
توڑ کر ان کاموں کو کرے اور قسم کا کفارہ ادا کرے درمختار مطبوعہ

برحاشیہ ردمحتار مصری جلد (۳) صفحہ (۶۴) کتاب الایمان
میں ہے وحاصله ان المخلوق علیه اِمّا فعل اوترك
وكل منهما امّا معصية وهی مسئلة المتن
او واجب كحلفه ليصلين الظهر اليوم ويره
فرض اوهوا ولیٰ من غيره اوغيره اولیٰ منه
كحلفه علیٰ ترك وطء زوجته شهراً ونحوه وحنثه
اولیٰ اومستويان كحلفه لايأكل هذا الخبز
مثلاً ويره اولیٰ قسم کا کفارہ شرع میں ایک غلام آزاد
کرنا ہے یا دس مسکینوں کو صبح وشام پیٹ بھر کھانا کھلانا یا صبح
وشام یعنے پورے ایک دن کے کھانے کی قیمت دینا یا دس مسکینونکو
بدن ڈھکنے کے موافق متوسط لباس دینا ہے اگر کوئی شخص ان تمام
سے عاجز ہے تو اسکو چاہیئے کہ تین روز پے درپے روزہ رکھے اگر
روزوں کے درمیان بھی اسکو کہیں سے روپیہ مل جاوے یا ملنے
کی قوی امید ہو تو اس پر حسب تفصیل سابق تین چیزوں سے
ایک چیز واجب ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار مصری
جلد (۳) صفحہ (۶۲) کتاب الایمان میں ہے (وكفارته تحرير
رقبة اواطعام عشرة مساكين) كما مرفي الظهار (او
كسوتهم بما) يصلح للاوساط وينتفع به فوق ثلاثة
اشهر (ويستر عامة البدن) وان عجز عنها) كلها

روقت الاداء صام ثلثة ایام ولاء والشرط استمرار العجز الی الفراغ من الصوم فلو صام المعسر یومین ثم) قبل فراغه ولو بساعة (ایسر) ولو بموت مورثه مؤسرا (لایجوزله الصوم) ویستانف بالمال اور جلد (۲) صفحہ (۵۹۸) باب الکفارہ میں ہے او قیمة ذلک وان غداهم وعشاهم جاز پس صورت مسئولہ میں قسم کھانے والے کو چاہیئے کہ نئی شادی کرلے اور قسم کا کفارہ حسب تفصیل سابق ادا کرے۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید بحالت غضب اپنی زوجہ آمنہ کو کہا کہ اب سے تمہارے ہاتھ کی روٹی کھاؤں تو سور کا گوشت ہے اور اس وقت یہ یاد نہیں ہے کہ اب کھایا اب سے پس ایسی حالت میں زید کے لئے آمنہ کے ہاتھ کی روٹی کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر کوئی شخص اپنی قسم میں کسی کام کے کرنے یا کسی چیز کے کھانے کو حرام چیز کے کھانے کے برابر کر دے تو شرعاً یہ قسم

نہیں سمجھی جاتی عالمگیریہ جلد (۲) صفحہ (۵۵) کتاب الیمین میں ہے
ولو قال ھو یاکل المیتۃ ان فعل کذا لایکون یمیناً
اسی طرح اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ میرا اس کام کو کرنا شراب
وخنزیر کو حلال سمجھنا ہے۔ شرعاً یہ بھی قسم نہیں ہے اسی جگہ عالمگیریہ
میں ہے وکذٰلک اذا قال ھو یستحل المیتۃ
او یستحل الخمر والخنزیر لایکون یمیناً
اور اسکی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ شریعت میں جو محرمات ایسے ہیں کہ
کبھی ان کی حرمت ساقط نہیں ہوتی جیسے کہ کفر کسی حالت میں جائز
نہیں ہے اگر کسی کام کے کرنے پر ان اشیاء کے حلال سمجھے جانے
کی قسم کھائی جائے تو وہ شرعاً معتبر ہے اور جو محرمات شرعی
ایسے ہیں کہ بعض اوقات ان کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے جیسے
شراب وخنزیر کہ مخمصہ کی حالت میں جان بچانے کے لئے اس کی
اجازت دی گئی ہے اگر کسی کام کے کرنے پر ان اشیاء کے
حلال سمجھے جانے کی قسم کھائی جائے تو شرعاً یہ قسم نہیں ہے
عالمگیریہ کے اسی صفحہ میں ہے۔ والحاصل ان کل شیٔ
ھو حرام حرمتہ مؤبدۃ بحیث لاتسقط حرمتہ
بحال من الاحوال کالکفر واشباہ ذٰلک فاستحلالہ
معلقاً بالشرط یکون یمیناً وکل شیٔ ھو حرام
بحیث تسقط حرمتہ بحال کالمیتۃ والخمر واشباہ

ذٰلک واستحلالہ معلقًا بالشرط لایکون یمینًا کذا فی المحیط درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۳) صفحہ (۵۹) کتاب الیمین میں ہے وفی البحر ما یباح للضرورۃ لایکفر مستحلہ کلدم وخنزیر ردمحتار میں تحت قول (فی البحر) لکھا ہے ھو مستحل الدم ولحم الخنزیر ان فعل کذا لایکون یمینا لان استحلال ذٰلک لایکون کفرًا لامحالۃ فانہ حالۃ الضرورۃ تصیر حلالًا پس صورت مسؤلہ میں زید جو اپنے زوجہ کے ہاتھ کی روٹی خنزیر کے گوشت یعنی شئے حرام کے کھانے کے برابر کہا ہے روایۃ سابقہ کے لحاظ سے شرعی قسم نہیں ہے جس کی پابندی از روے شرع شریف زید پر واجب نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ جب متخاصمین باہم حلف کرنے پر راضی ہوں تو حقوق کے متعلق حلف محکمہ مجازیعنے عدالت میں قاضی کے روبرو دا ہونا چاہیے یا جہاں چاہیں حلف کرسکتے ہیں۔ جاگیر دار صاحب دوئم یال کو عدالتی اختیار اور انصاف کرنے کا حکم نہیں ہے۔

خود ان کے جزئی و کلی معاملات کا تصفیہ تحصیل متعلقہ و ضلع میں ہوا کرتا ہے۔ جاگیر دار صاحب کے پاس سرکاری کوئی باضابطہ دفتر بھی نہیں ہے ایسی حالت میں اگر جاگیر دار صاحب اپنے روبرو کسی سے حلف لیں تو شرعاً معتبر سمجھی جائے گی یا نہیں اور قاضی یعنے تحصیلدار صاحب یا تعلقدار صاحب جو منجانب سرکار عدالتی مقدمات کی سماعت کے مجاز ہیں۔ ان کے پاس کی حلف معتبر ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عدالتی مقدمات میں فریقین سے قسم لینے کا مجاز قاضی ہے ایسے شخص کے پاس جسکو سرکار سے عدالتی مقدمات کی سماعت کا حق نہیں دیا گیا فریقین سے کسی کا قسم کھانا معتبر نہیں ہے۔ درمختار کے کتاب الدعویٰ میں ہے (اصطلحا علی ان یحلف عند غیر قاضی ویکون بریئا فھو باطل) لان الیمین حق القاضی مع طلب القسم ولا عبرۃ لیمین ولا نکول عند غیر القاضی اس عبارت کے ایک سطر بعد ہے ونقل المصنف عن القنیۃ ان التحلیف حق القاضی فما لم یکن باستحلافہ لم یعتبر۔ پس صورت مسئولہ میں جبکہ جاگیر دار صاحب کو سرکار سے

عہ الیٰ اختیارات نہیں دیئے گئے ہیں تو یہ حلف لینے کے مجاز نہیں اور درصورت لینے کے ان کے پاس کی حلف شرعاً معتبر نہیں بلکہ تحصیلدار و تعلقدار جو منجانب سرکار اس کے مجاز ہیں۔ ان کے پاس حلف ہونا چاہیئے اور اسی کا شرع میں لحاظ و اعتبار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتاب الشرکۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید فوت ہوا دو فرزند چھ بنت ایک زوجہ چھوڑا۔ متروکہ رسوم دیسمکھی و مقطعہ دارا صفی وانعام مشروط الخدمت واراضیات نمبری تری و خشکی ہے۔ قرضہ مورث تا تاریخ وفات (سمـــــــ) ہے بوقت وفات مورث ایک لڑکا معمر (۱۷) سالہ و دوسرا (۵) سالہ تھا ہر دو برادر علاتی ہیں مورث کی وفات آبان ۱۳۰۴ف میں ہوئی۔ اب تک دونوں بھائی وغیرہ سب ملکر یکجا رہے۔ جائداد موروثی کو فرزند اکبر اپنی ذاتی محنت سے المعناف

منافع کے قابل بنایا ۱۳۱۶ف سے فرزند اکبر بلا نقصان جائداد موروثی و متروکۂ متوفی تقریباً ([illegible]) ایکڑ اراضی خشکی وتری و ([illegible]) تک قیمت کے جانوران زراعت اپنی ذات سے خریدا و پیدا کیا۔ مخفی نہ ہے کہ یہ اراضیات جو فرزند اکبر نے پیدا کیا ہے وہ نہ کسی وقت مورث کے نام پٹہ پر تھے و نہ کبھی مورث کا قبضہ رہا ہے بلکہ سرکاری افتادہ اراضیات تھے جس کو بذریعۂ درخواست حاصل کئے گئے۔ یہ اراضیات صرف ایک ہی موضع میں نہیں ہیں بلکہ دو تین مواضعات میں واقع ہیں جائداد موروثی میں بغرض توفیر آمدنی ذرائع آبپاشی کی ترقی تقریباً ([illegible]) تک قرضہ حاصل کر کے کی گئی۔ اس وقت تقریباً ([illegible]) کا قرضہ بحالت مشترکہ باقی ہے اس قرضہ میں مورث کا قرضہ شامل نہیں ہے بعد وفات مورث فرزند اکبر نے اپنے ذاتی اعتبار پر قرضہ وغیرہ لاکر چار شادیاں بھی دختران ناکتخدا کی کر دیا ہے۔ اس وقت مابین ہر دو بھائی کے نزاع علیحدگی و تقسیم کی واقع ہوی ہے۔ بڑے فرزند کا دعویٰ ہے کہ اراضی موروثی و قرضۂ علی السویہ تقسیم کر لیا جائے میری مکسوبہ اراضیات و جائداد قابل تقسیم نہیں ہے۔ فریق ثانی کو اصرار ہے کہ کل جائداد خواہ موروثی ہو یا مکسوبہ علی السویہ تقسیم ہونی چاہیے۔ فریقین حنفی المذہب ہیں۔

ف یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مابین مورث و دعویداران اور ان کے بھائی کے جو تقسیم ہوئی تھی وہ اس طریقہ سے ہوئی تھی کہ

جائداد موروثی تقسیم کرلی گئی بقیہ جائداد جس فریق کی پیدا کردہ تھی وہ اوس کو چھوڑ دی گئی یہ فیصلہ پنچایتی ہوا تھا۔ پس ارباب صاحب فقہ سے باظہار واقعات عرض ہے کہ جائداد موروثی کی نسبت از روے احکام فرائض کیا حکم ہے اور جائداد مکسوبہ ذاتی و قرضہ مشترکہ فرزند اکبر کے نسبت کیا حکم ہے۔

الجواب

فرزند اکبر جو جائداد اپنی کوشش سے اپنی ذات کے لئے پیدا کیا ہے یہ فرزند اکبر کی ملک ہے اگر اوس کو مشترکہ مال سے حاصل کیا ہے تو چاہیئے کہ اس کے حاصل کرنے میں دوسرے شریک کے حصّہ کی جس قدر رقم صرف ہوی ہے اس کو ادا کردے اور بحالت اشتراک فرزند اکبر نے جس قدر قرضہ اپنی ذات سے حاصل کیا ہے اس کی ادائی فرزند اکبر کے ذمّہ ہے ردالمحتار کے جلد (۳) صفحہ ۳۴۸ کتاب الشرکۃ میں ہے یقع کثیرا فی الفلاحین ونحوھم ان احدھم یموت وتقوم اولادہ علی ترکتہ بلاقسمۃ ویعملون من حرث وزراعۃ وبیع وشراء واستدانۃ ونحو ذلک وتارۃ یکون کبیرھم ھوالذی یتولی مھماتھم ویعملون عندہ بامرہ وکل ذلک علی وجہ الاطلاق والتفویض لکن بلاتصریح بلفظ

المعاوضة ولابیان جمیع مقتضیاتہا مع کون الشرکة اغلبہا او کلہا عروض لا تصح فیہا شرکة العقد ولاشك ان ھذہ لیست شرکة المعاوضة خلافاً لما افتی بہ فی زماننا من لا خبرة لہ بل ھی شرکة ملك کما حررتہ فی تنقیح الحامدیة ثم رأیت تصریح بہ بعینہ فی فتاوی الحانوتی فاذا کان سعیہم واحداً ولم یتمیز ما حصلہ کل واحد منہم بعملہ یکون ما جمعوہ مشترکا بینہم بالسویة وان اختلفوا فی العمل والرائ کثرة وصوابا کما افتی بہ فی الخیریة وما اشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہ ویضمن حصة شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترك وکل ما استدانہ احدھم یطالب بہ وحدہ اور درمختار میں فصل فی الشرکة الفاسدہ میں ہے (وما حصلہ احدہما فلہ وما حصلاہ معًا فلہما) ان لم یعلم ما لکل ردمختار میں ہے (قولہ وما حصلہ احدہما) ای بدون عمل من الاٰخر۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی جائداد غیر منقولہ اس کے انتقال کے بعد تمام ورثاء نے اپنی رضامندی سے بغرض پرورش بطور امانت زید کی زوجہ ہندہ کے قبضے میں دیا تھا ہندہ اس جائداد مشترکہ کو جس میں ہندہ اور اس کے پانچ فرزند و دختر کا حق ہے اپنے چھوٹے لڑکے کے نام بمدِ خیرات لکھدیکر باضابطہ رجسٹری کرادی پس ہندہ کا یہ فعل شرعاً درست ہے یا نہیں۔

الجواب

ورثاء سے ہر ایک شریک دوسرے کے حصہ کے متعلق بالکل اجنبی ہے اس لئے اس کو دوسرے کے حصہ میں بلا اجازت کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں۔ کنز الدقائق کے کتاب الشرکۃ میں ہے۔ شرکۃ الملک ان یملک اثنان عیناً ارثاً او شراءً وکل اجنبی فی قسط صاحبہ ہدایہ کے کتاب الشرکۃ میں ہے شرکۃ الاملاک العین یرثھا رجلان ویشتریانھا فلا یجوز لاحدھما ان یتصرف فی نصیب الاخر الا باذنہ وکل واحد منھما فی نصیب صاحبہ کالاجنبی پس صورت مسئولہ میں ہندہ چونکہ اپنے دوسرے شرکاء کے حصہ کے متعلق بالکل اجنبیہ ہے

اور مال ودیعت شرعاً امانت دار کی ملک نہیں اس لئے اسکو ہبہ یا وقف کرنا درست نہیں عالمگیریہ جلد (۴) کتاب الودیعۃ باب اول میں ہے واما حکمها فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال امانة في يده ووجوب الاداء عند طلب مالكه كذا في الشمني۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتاب الوقف

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید جائداد مصرف خیر میں وقف کیا اور اس کے انتظام تولیت کے متعلق یہ وصیت نامہ تحریر کیا کہ میں اپنے حین حیات آمدنی و پیداوار مواضعات کو اپنے اختیار سے حسبۃً للہ صرف کرتا رہونگا اور میرے بعد میری اولاد سے ایک شخص از قسم ذکور جو لائق ہو نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ میرے دستور و طریقہ کے موافق صرف کرتا رہے مگر انتقال جائداد کا اختیار کسی کو نہ ہوگا ورنہ یہ حقیت لائق توریث ہوگی۔ چنانچہ زید کے انتقال کے بعد اس کا بڑا لڑکا خالد جو لائق و اہل تھا بائیس سال تک متولی رہا اب اس کے بعد وفات خالد، خالد کا بڑا لڑکا جس کے اہل و لائق ہونے کے سبب سے جائنٹ و کلکٹر و کمشنر صاحبان نے اسکو مہتمم و متولی بنایا ہے پانچ سال سے کارگذار ہے مگر اس وقت خالد کے حقیقی و علاتی بھائی بھی مدعی تولیت ہیں اور خالد کے حین حیات بھی مدعی تھے۔ کیا از روئے شریعت خالد کے حقیقی و علاتی بھائی خالد کے فرزند کے مقابل مستحق تولیت

ہوسکتے ہیں اور خالد کا فرزند بعد منظوری حکام مذکور الصدر سے
بلا ثبوت خیانت اس خدمت سے علیحدہ ہوسکتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

جب واقف نسلاً بعد نسل وبطناً بعد بطن کا لفظ تحریر کرتا ہے
تب بطن اوّل کے اشخاص ہوتے ہوئے دوسرے بطن کے اشخاص
مستحق نہیں ہوتے ردالمحتار جلد (۳) صفحہ (۴۵۲) کتاب الوقف میں ہے
والحاصل انہ اذا رتب بین البطون لا یعطی للبطن الثانی
مالم ینقرض الاوّل اسعاف فی الاحکام الاوقاف
کے باب وقف علی الاولاد میں ہے او قال بطنًا بعد بطنٍ فحینئذ
یبدأ بما بدأ الواقف ولا یکون للبطن الاسفل شئ
ما بقی من البطن الاعلیٰ احد وھکذا الحکم فی کل بطن
حتی تنتھی البطون موتًا اور جب تک واقف کے شرط کئے ہوئے
اشخاص قابل تولیت ہیں تو قاضی ان کے سوا کسی اور کو متولی بنانے کا
مستحق نہیں ہے۔ ردالمحتار کی جلد (۳) صفحہ (۴۳۳) کتاب الوقف میں
ہے فافاد ان ولایۃ القاضی متاخرۃ عن المشروط ووصیہ
البتہ جبکہ اس متولی سے خیانت وبے دیانتی ثابت ہو تب قاضی کو
حق ہے کہ اس کو بدل دے ردالمحتار کے صفحہ (۴۳۳) میں ہے ثم
لا یخفی ان تقدیم من ذکر مشروط بقیام الاھلیۃ فیہ حتی

لو کان خائنا یولی اجنبی حیث لم یوجد فیھم اھل لانہ اذا کان الواقف نفسہ یعزل بالخیانۃ فغیرہ اولی۔ پس صورت مسئولہ میں جبکہ بطن اول کے اشخاص یعنے خالد کے بھائی موجود ہیں تو خالد کے بعد جو ان میں سے اہل ہے وہی متولی ہونے کا مستحق ہے ان کے موجود اور اہل ہونے کی حالت میں بطن ثانی کے شخص یعنے خالد کے بیٹے کو کوئی حق نہیں حکام مقامی نے جو خالد کے بیٹے کو متولی بنایا ہے وہ واقف کے وصیت نامہ کے خلاف ہے اس لئے نادرست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو جاگیرات مشروط بہ روضۂ بزرگ بربنائے اسناد سلاطین سلف بغرض مصارف درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز چشتی قدس سرہ عطا ہوئے ہیں کیا ان جاگیرات کی آمدنی کے کچھ حصہ سے شرائط وقف کے خلاف کسی دوسری درگاہ کے مصارف کا تقرر شرعاً درست ہے یا نہیں اور اگر سلطان وقت ایسا کرے اور ایک عرصہ تک اس پر عمل بھی ہو تو کیا یہ حکم شرعاً قابل تنسیخ ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سلاطین سابق کے وقف کردہ جاگیرات و دیہات چونکہ اصل میں بیت المال کے زمینات ہیں اس لئے سلطان وقت شروط وقف کے خلاف بلحاظ ضرورت و مصلحت ایک درگاہ کی آمدنی کا کچھ حصہ دوسری درگاہ کی طرف منتقل کر سکتا ہے اور اس کا یہ حکم شرعًا واجب التعمیل ہے درمختار (مطبوعہ برحاشیۂ ردالمحتار جلد (۳) کتاب الوقف (مطلب للسلطان مخالفة الشرط اذا كان الوقف من بيت المال) میں ہے ونقل عن المبسوط ان السلطان يجوز له مخالفة الشرط اذا كان غالب جهات الوقف قرى ومزارع فيعمل بامره وان غاير شرط الواقف لان اصلها لبيت المال ردالمحتار میں ہے۔ قال المولى ابو السعود مفتي دار السلطنة ان اوقاف الملوك والامراء لا يراعى شرطها لانها من بيت المال وترجع اليه باب العشر والخراج کے (مطلب في وقف الاراضي التي لبيت المال ومراعات شروط الوقف) میں بھی صاحب ردالمحتار نے یہی لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بانی مسجد کا وارث شرعی اور متولی موروثی ہے جس کی تولیت نسلاً بعد نسلٍ چلی آتی ہے طغیانی میں مسجد منہدم ہوگئی اور مصارف نہونے سے سردست اس کی تعمیر نہ کرا کر کسی ضرورت پر چلا گیا تھا اس کے غیاب میں چند مصلیوں نے رقم چندہ سے تعمیر کرائی اور مسجد پر قابض ہو کر مدعی تولیت ہیں کیا ایسی حالت میں متولی قدیم کا حق زائل ہو جاتا ہے اور جدید اشخاص متولی ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب

بانئی مسجد کا قرابت دار تولیت کا اہل ہوتے ہوئے کوئی اجنبی شخص متولی مقرر نہیں ہو سکتا در مختار کے کتاب الوقف میں ہے وما دام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب خالی زمین پر از سرنو مسجد کی بنیاد رکھنے والے کو بانی کہا جاتا ہے۔ مغرب لغت فقہ کے صفحہ (۴۷) میں ہے بنی الدار بناءً و قوله وان کان رجل اخذ ارضًا وبناها ای بنا فیها دارًا او نحوها وفی موضع اٰخر اشتراها غیر مبنیة ای غیر مبنی فیها منہدمہ مسجد کی تعمیر

کرنے والا بانی نہیں بلکہ بانی وہی ہے جس نے پہلے اس کی بنیاد رکھی پس صورت مسئولہ میں متولی قدیم جبکہ بانی مسجد کا قرابت دار اور موروثی متولی ہے تو قاضی کو بلا ثبوت خیانت اس کو معزول کرنے کا حق نہیں اور نہ جدید تعمیر کرنے والے اشخاص مستحق تولیت ہو سکتے ہیں درمختار کے کتاب الوقف میں ہے لیس للقاضی عزل الناظر بمجرد شکایۃ المستحقین حتی یثبتوا علیہ خیانۃ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کا اوقاف پر متولیہ ہونا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عورت اگر دیانت دار اور عقل و فراست والی ہے اور پردہ نشینی کے سبب اپنے نائب کے ذریعہ سے اوقاف کے کام کو انتظام اور امانت داری کے ساتھ انجام دیسکتی ہے تو شرعاً اس کو اوقاف پر متولیہ بنانا درست ہے اسعاف فی احکام الاوقاف صفحہ (۴۱) باب الولایۃ میں ہے لا یولی الا امین قادر بنفسہ او بنائبہ لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر ولیس من النظر تولیۃ

الحائض لانہ یخل بالمقصود وکذا تولیۃ العاجز لان المقصود
لا یحصل بہ ویستوی فیھا الذکر والانثیٰ وکذا الاعمیٰ
والبصیر وکذالک المحدود فی القذف اذا تاب
لانہ امین۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے ذاتی چند
ملگیات ومکان کو مسجد کے لئے وقف کیا اور اس جائداد سے ٹکس کی
معافی کی درخواست سرکار میں پیش کرکے ٹیکس معاف کرایا اور آٹھ سال
بعد فوت ہوگیا۔ زید کے فرزند بکر کو اب وقف سے انکار ہے اور
کہتا ہے کہ وقف نہیں ہے بلکہ باپ نے محض ٹکس سے بچنے کے لئے
اس قسم کی درخواست صفائی میں پیش کی تھی۔ پس بکر کو یہ استدعا زید
کی درخواست کے خلاف شرعاً کہاں تک قابل لحاظ ہوگی اور ملگیات
ومکان کے وقف کا کیا حکم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر زید کا مکان وملگیات کو وقف کرنا ببیّنہ شرعیہ سے ثابت ہے
تو مکان وملگیات زید کے حین حیات اسکی ملک سے خارج ہوگئے زید
کو اپنی زندگی میں وقف سے رجوع کرنے کا حق نہیں تھا اب اس کے

انتقال کے بعد اس کے ورثار کو اس میں کوئی حق نہیں اور نہ خلاف منبہ شرعیہ ورثار کا قول قابل لحاظ ہوسکتا ہے درمختار کے کتاب الوقف میں ہے فیلزم فلا یجوز لہ ابطالہ ولا یورث عنہ وعلیہ الفتویٰ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید متولی عاشور خانۂ موقوفہ لاولد فوت ہوا اور ورثار میں ایک خواہر عینی دو زوجگان چھوڑا جائداد موقوفہ کو زید اپنے ننیال سے پایا تھا اور یہ سلسلۂ تولیت زمانہ شاہان قطبیہ سے برابر زید ہی کے خاندان میں چلا آرہا ہے پس حسب شرع شریف حق تولیت کس کو حاصل ہے۔

الجواب

متولی اوقاف وہی ہوسکتا ہے جو امانت دار ہو اور وقف کا انتظام کرسکے مرد یا عورت کی اس میں خصوصیت نہیں اگر عورت میں انتظام کی صلاحیت اور امانت داری ہے تو اوقاف کی متولیہ بن سکتی ہے اسعاف فی احکام الاوقاف کے صـ۴۱ باب الولایۃ میں ہے لا یولی الا امین قادر بنفسہ او بنائبہ لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر ولیس من النظر

تولیۃ الخائن لانہ یخل بالمقصود وکذا تولیۃ العاجز لان المقصود لایحصل بہ ویستوی فیھا الذکر والانثیٰ وکذا الاعمیٰ والبصیر وکذلک المحدود فی القذف اذا تاب لانہ امین پس صورت مسئولہ میں خواہر عینی چونکہ زید کے ساتھ رشتہ میں قوی ہے اس لئے اگر امانت دار ہے اور انتظام کی صلاحیت رکھتی ہے تو اسی کو تولیت دی جائے ورنہ زوجگان میں جو اہل و متدین ہو اسکو دیجائے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ درگاہ کے تولیت کی خدمت عورت بذریعۂ نائب انجام دیسکتی ہے یا نہیں۔

ف جس جگہ سلطان وقت مشروط اسخدمت معاشوں میں شرع شریف کے موافق معاش داروں کو توریث عطا کیا ہو وہاں بمقابلۂ عصبات کے ذوی الفروض کا حق زیادہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

عورت اگر متدین ہے تو خدمت تولیت یعنے انتظامات درگاہ بذریعۂ نائب انجام دیسکتی ہے اسعاف فی احکام الاوقاف صـ ۴۱

باب الولایۃ میں ہے لایولی الامین قادر بنفسہ اوبنائبہ لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر ولیس من النظر تولیۃ الخائن لانہ یخل بالمقصود وکذا تولیۃ العاجز لان المقصود لایحصل بہ ویستوی فیہا الذکر والانثی وکذا الاعمی والبصیر وکذلک المحدود فی القذف اذا تاب لانہ امین۔

ف میراث میں ذوی الفروض کو عصبات پر ترجیح ہے سراجیہ کے ص۲ میں ہے فیبدأ باصحاب الفرائض وھم الذین لھم سہام مقدرۃ فی کتاب اللہ تعالیٰ ثم بالعصبات۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک زمین قبرستان اندرون رقبۂ درگاہ کا متولی ہے زید کی بلا اجازت کسی اجنبی شخص کو اس زمین میں اموات دفن کرنے کا حق ہے یا نہیں ہے۔

الجواب

متولی اوقاف چونکہ منجانب سرکار اوقاف کا نگران ومحافظ ہوتا ہے

اس لئے اس کے بلا اجازت کسی اجنبی شخص کو اوقاف میں مداخلت وتصرف کا حق نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص مکان یا زمین کو وقف کرکے اس کے لئے متولی مقرر کرے تو بغیر خیانت کے بادشاہ وقت اس متولی کو معزول کرسکتا ہے یا نہیں اور واقف کو متولی بنانے کا اختیار ہے یا نہیں۔

الجواب

متولی مقرر کرنے کا حق واقف کے حین حیات واقف ہی کو ہے اس کے مقرر کئے ہوئے متولی کو بدون خیانت کے کوئی معزول نہیں کرسکتا در مختار مطبوعہ برحاشیہ رد المحتار جلد (۳) ص ۴۲۲ کتاب الوقف میں ہے ولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ ثم للقاضی ص ۴۳۲ میں ہے لیس للقاضی عزل الناظر بمجرد شکایۃ المستحقین حتی یثبتوا علیہ خیانۃ رد المحتار میں ہے عن الاشباہ لا یجوز للقاضی عزل الناظر المشروط له النظر بلا خیانۃ ولو عزلہ لا یصیر متولیا ویصح عزلہ لو منصوب القاضی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمین موقوفہ زیر مسجد جس کا عملہ وغیرہ بارش سے منہدم ہو گیا اور متولی مسجد عدم استطاعت کے سبب سے اس کو نہ بنا سکا۔ ایک شخص اجنبی اس زمین پر قبضہ کرکے اس کی آمدنی اپنے تصرّف میں لا رہا ہے کیا اس کا قبضہ شرعاً درست ہے یا نہیں۔

(۲) نابالغ کو اگر چچا سے مخالفت ہو تو چچا ایسے نابالغ کا ولی بن سکتا ہے یا نہیں

الجواب

صورت مسئولہ میں شخص قابض غاصب ہے اس کا قبضہ قطعاً جائز نہیں۔

(۲) نابالغ کو اگر بلا وجہ شرعی چچا سے مخالفت ہے تو اس مخالفت کا اثر اس کی ولایت پر نہیں پڑ سکتا۔ واللہ اعلم بالصّواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے حوض کے پتھر کو بیچکر اوس کی قیمت سے صحن کا فرش بنانا جائز

ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد یا حوض و رباط جبکہ شکستہ ہو جائیں اور لوگوں کو ان کی ضرورت نہ رہے ایسے وقت میں ان کے انقاض یعنے پتھر لکڑی وغیرہ کو کسی دوسری مسجد و حوض و رباط میں باجازت قاضی صرف کرنا شرعاً جائز ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار جلد (۳) صفحہ (۳۸۲) میں ہے ولو خرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجداً عند الامام والثانی ابداً الی قیام الساعۃ (وبہ یفتی) حاوی القدسی (وعاد الی الملک) ای ملک البانی او ورثتہ (عند محمد) وعن الثانی ینقل الی مسجد اٰخر باذن القاضی (ومثلہ فی الخلاف المذکور (حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنہما و) کذا (الرباط والبئر اذا لم ینتفع بہما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض (الی قرب مسجد او رباط او بئر) او حوض (الیہ) ردمختار میں ہے والذی ینبغی متابعۃ المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد او حوض کما افتی بہ الامام ابوالشجاع والامام الحلوانی وکفی بہما قدوۃ ولا سیما فی زماننا فان المسجد او غیرہ

من رباط او حوض اذا لم ینقل یأخذ انقاضہ اللصوص والمتغلبون کما ھو مشاھد وکذالک اوقافہ یاکلھا النظار وغیرھم ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الاٰخر المحتاج الی النقل الیہ اسی طرح اگر کسی مسجد یا متعلقات مسجد کے انقاض یعنے پتھر لکڑی وغیرہ جبکہ وہ غیر ضروری وبے کار ثابت ہوں توان کو فروخت کرکے مسجد کے دوسرے ضروریات میں صرف کرنا شرعاً جائز ہے۔ ردمحتار میں اس ہی مقام میں ہے ثم رأیت الاٰن فی الذخیرۃ قال وفی فتاوی النسفی سئل شیخ الاسلام من اھل قریۃ رحلوا وتداعی مسجدھا الی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشبہ وینقلونہ الی دورھم ھل لواحد لاھل المحلۃ ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ الی بعض المساجد او الی ھذا المسجد قال نعم اسعاف فی احکام الاوقاف کے صفحہ (۶۴) میں ہے ولو بسط من مالہ حصیرا فی المسجد واستغنی عنھا فانھا تکون لہ ان کان حیا ولورثتہ ان کان میتا عند محمد رحمۃ اللہ علیہ وان بلیت کان لہ ان یبیعھا ویشتری بثمنھا حصیرا اخری وھکذا الحکم لو اشتری قندیلا ونحوہ للمسجد واستغنی عنہ وعند ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ یباع ویصرف ثمنہ

فی حوائج المسجد وان استغنی عنہ ھذا المسجد یحول الی مسجد اخر وھذا الاختلاف بناءً علی الاختلاف فی المسجد عینہ وان استغنی عنہ لخراب ما حولہ

پس صورت مسئولہ میں اگر مسجد کے لئے حوض کی ضرورت نہیں ہے اور حوض شکستہ ہوگیا ہے تو اس کے پتھر سے یا اس کی قیمت سے مسجد کے فرش کی تعمیر کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جب کسی مسجد کی آمدنی اس قدر وسیع ہو کہ اوس کے حوائج اور ضروریات سے بچ رہتی ہے اور اگر اوس مسجد کے موجودہ مصارف میں بلحاظ کثرت آمدنی زیادتی کی جائے تو اسراف ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں از روئے شرع شریف اس کی فاضل آمدنی کو دوسری مسجد میں جہاں ضرورت ہے صرف کرسکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

ایک مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مسجد یا مدرسہ میں یا فقراء پر صرف کرنا شرعاً نا جائز ہے بلکہ اس فاضل آمدنی سے اسی مسجد کے لئے جائداد خریدنا چاہیئے در مختار مطبوعہ برحاشیہ رد محتار مصری جلد (۳) ص ۳۸۴

میں ہے اتحد الواقف والجہۃ وقل مرسوم بعض الموقوف علیہ بسبب خراب وقف احدھما جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الواقف علیہ لانہما حینئذٍ کشئ واحد وان اختلف احدھما بان بنی رجلان مسجدین اورجل مسجداً ومدرسۃً ووقف علیہما اوقافاً لایجوزلہ ذلک فتاوے عالمگیریہ مصری کے جلد (۲) صـ۴۶۳ میں ہے الفاضل من وقف المسجد ھل یصرف الی الفقراء قیل لایصرف وانہ صحیح ولکن یشتری بہ مستغلا کذا فی المحیط۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد قدیم قطب شاہی زمانے کی ہے۔ اس کے اطراف سرا وزمین ہے جس پر متولیوں نے لوگوں کو مختلف حیثیت سے قابض بنایا اور اون سے نزول وصول کرکے اخراجات مسجد میں صرف کرتے رہے اب ایک شخص اپنے کو اون متولیان سابق کا قائم مقام بتاکر مدعی تولیت ہے اور زمین کو اپنی ملکی ظاہر کرتا ہے اور متولیان سابق کے تصرفات کو دلیل ملک گردانتا ہے اور انہیں تصرفات سابقہ کو وثیقۂ ملکِ

موروثی اور قبضۂ تولیت کو قبضۂ مالکانہ تصور کرکے مدعی ملک و تولیت ہے اور یہ کہتا ہے کہ زمین اگرچہ مسجد کی موقوفہ ثابت ہوا ور وقف بھی ہو مگر چونکہ اس پر میرا قبضہ تینتیس ۳۳ سال سے ہے اس لئے اب یہ زمین موقوفہ نہیں رہی۔ کیا مدعی تولیت کا یہ بیان شرعاً صحیح ہے اور تینتیس ۳۳ سالہ قبضہ سے جائداد موقوفہ تعریف وقف سے نکلکر ملک میں داخل ہو جاتی ہے اور حسب دعوے شخص قابض کی ملک ہو جاتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الاستفتاء

دعوے کی سماعت کے لئے اگرچہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں بعض پندرہ سال کے بعد دعوے کو نا قابل سماعت لکھتے ہیں اور بعض تیس سال کے بعد اور بعض تینتیس سال کے بعد اور بعض چھتیس سال کے بعد دعوے کو غیر مسموع لکھتے ہیں مگر فقہاء کے یہ سارے اختلاف وقف اور میراث کے دعوے کے ماسوا دعووں میں ہیں وقف اور میراث کے دعوے کی سماعت کے لئے شرعاً کوئی میعاد نہیں رکھی گئی بلکہ یہ دونوں دعوے ہر وقت چاہے کتنی مدت کیوں نہ گذر جائے قابل سماعت ہیں جیسا کہ فتاوے مہدیۂ مصری کے جلد (۲) صفحہ (۶۲۳) میں ہے (سئل) فی رجل من مدینۃ انطاکیہ واضع یدہ علی منزل مشتمل علی بیت و دکان قہوۃ تحتہ بمدینۃ انطاکیۃ المذکورۃ تلقاھا عن ابیہ وجدہ ابی ابیہ ومدۃ وضع یدہ

وید ابی ابیہ وجدہ نحو مائۃ سنۃ وتسع سنین ولم
ینازع من ذکر احد فی تلک المدۃ ثم ادعی الآن ناظر وقف
علی واضع الید بان ذلک العقار وقف من جملۃ ما ھو
ناظر علیہ ولم یسبق لذلک الناظر ولا لمن قبلہ من النظار
وضع یدہ علی العقار المذکور بل ولم یدع احد منھم
بذلک مع مشاھدتھم للتصرف فھل والحال ھذہ لا تسمع
دعوی ذلک الناظر حیث کان واضع الید منکر الدعواہ
ذلک ویعمل بوضع الید والتصرف المذکور اجاب)
لا تسمع الدعوی بعد مضی خمس عشرۃ سنۃ الا فی الارث
والوقف ووجود عذر شرعی وما فی الخلاصۃ المدعی
والمدعی علیہ اذا کانا فی موضع ولا مانع وادعی بعد
ثلاثین سنۃ وفی المبسوط بعد ثلاث وثلثین سنۃ
وفی الفتاوی العتبانی بعد ست وثلاثین سنۃ لا تسمع
الا ان یکون المدعی غائبا او مجنونا ولیس لہ ولی او المدعی
علیہ والیا جائرا یخاف منہ وذلک فیما عدا الارث والوقف
کما فی صرۃ الفتاوی فذلک قبل صدور النھی عن سماعھا
وقد تظاھرت نصوص المتاخرین علی عدم السماع بعدھا
الا فی المستثنی ولم یقید دعوی الارث والوقف بمدۃ افادہ
فی حواشی الدر للعلامۃ السید الطحاوی من اواخر فصل الحبس

وسماع الدعوی فی الوقف ولو بعد مضی المدۃ الطویلۃ هو ما علیہ القضاۃ والعلماء الاسلاف بمصر وان افتی فی تنقیح الحامدیۃ بخلافہ بعد طول المدۃ متصلہ ۱۲ اور درمختار مصری مطبوع برحاشیہ ردمحتار جلد (۴) صفحہ (۳۷۷) میں ہے حتی لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسۃ عشرۃ سنۃ فسمعھا لم ینفذ قلت فلا تسمع الآن بعدھا الا بامر الا فی الوقف والارث ووجود عذر شرعی وبہ افتی المفتی ابو السعود فلیحفظ پس فتاوی مہدویہ کے اس جزئیہ سے ثابت ہو کہ جائداد موقوفہ پر کسی شخص کا قبضہ اگرچہ وہ ایک سو نو سال تک رہا ہو اس جائداد کو وقف سے خارج نہیں کر سکتا اور نہ اس قدر قبضہ و تصرف سے وہ شخص قابض و متصرف اس کا مالک بن سکتا ہے اگرچہ تنقیح حامدیہ میں اس کے خلاف فتوے دیا گیا ہے مگر متقدمین علما ر و قضاۃ مصر نے تنقیح حامدیہ کے خلاف یعنے واقف کے دعوے کے لئے شرعاً کوئی مدت مقرر نہ ہونے کے متعلق فتوے دیا ہے اور یہی متاخرین کے پاس معتبر ہے۔ پس صورت مسئولہ میں شخص قابض کا تیئتیس سال مدت گذر جانے سے اپنے کو اس کا مالک بتانا اور شئے موقوفہ کو واقف سے خارج اور اپنے ملک میں داخل جاننا بالکل لغو ہے۔ شئے موقوفہ تا حال موقوفہ ہے اور از روئے شریعت اس وقت بھی اس کا دعوے قابل سماعت ہے اور متولی کا ناجائز قبضہ قابل برخاست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک زمین مصارفِ مسجد کے لئے سرکار سے وقف ہے جس کے متولی محمد غوث تھے ان کی وفات کے بعد شیخ داؤد و غلام حسین فرزندان محمد غوث کے نام اس کی تولیت ہوی اس زمین پر زید قرض خواہِ شیخ داؤد ڈگری لانا چاہتا ہے کیا از روے شرع شریف متولی کے ذاتی قرضہ کی ڈگری جائداد موقوفہ پر ہوسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب

جائداد موقوفہ شرعاً کسی کی ملک نہیں ہے اس پر ملک کے احکام اصلاً نافذ نہیں ہوسکتے در مختار مطبوع بر حاشیہ ردمختار جلد (۳) صـ ۳۷۸ کتاب الوقف میں ہے فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن ولا یقسم پس صورت مسئولہ میں زید کا زمین موقوفہ پر شیخ داؤد متولی کے ذاتی قرضہ کی ڈگری لانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوگیا۔ اوس کے سات لڑکے ہیں۔ کیا زید کا لڑکا بکر تنہا تمام جائداد پدری کو بلا اطلاع دوسرے بھائیوں کے وقف کرسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

وقف کے شرائط سے ملک بھی ایک شرط ہے یعنے شئے موقوفہ وقف کے وقت واقف کی ملک میں رہے۔ فتاوی عالمگیریہ مصری جلد (۲) صفحہ (۳۵۳) کتاب الوقف میں ہے (ومنها) الملك وقت الوقف صورت مسئولہ میں بکر کو اپنے حصّہ کے وقف کرنے کا اختیار ہے۔ دوسرے بھائیوں کا حصّہ چونکہ اس کی ملک نہیں ہے اس لئے اس کے وقف کرنے کا بکر کو حق نہیں ہے درصورت وقف کرنے کے یہ وقف باطل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسجد کا متولی ہے مسجد کے جانب شمال زید کا مکان واقع ہے

اور اس مکان کے متصل شاہ راہِ عام نافذ ہے۔

مسجد کے دو راستہ ہیں ایک جانب شرق کوچۂ نافذہ میں جو مسجد سے تخمیناً پچاس ساٹھ قدم فاصلہ پر شاہ راہ عام سے ملا ہے اور ایک راستہ مسجد کی جانب شمال متولی کے وسط مکان سے ہوتے ہوئے تخمیناً تیس چالیس قدم کے فاصلہ پر شاہراہ عام سے ملا ہے اور اسی راستہ کے ختم پر شاہ راہ عام سے تخمیناً سات آٹھ قدم فاصلہ پر مسجد کا قدیم دروازہ سنگ بستہ موجود ہے مسجد چونکہ متولی کے دو منزلہ مکان کے بالکل عقب میں واقع ہے اس لئے شاہ راہ عام سے اصلاً نمایاں نہیں ہوتی اور نہ دروازہ پر کوئی علامت مسجد کی ہے جس سے رہ گذر مسجد کو دریافت کرسکیں البتہ محلہ کے بعض واقف لوگ اس راستہ سے آتے ہیں اور اکثر مصلیوں کی آمد و رفت مسجد کے شرقی دروازہ سے جو کوچۂ نافذہ میں واقع ہے ہوا کرتی ہے مسجد کے جانب شمال جو راستہ کہ متولی کے مکان میں واقع ہے اوس سے اکثر مسجد سے پانی لے جانے والوں کی آمد و رفت ہوا کرتی ہے اس آمد و رفت سے متولی کا اسباب متعدد اوقات چوری گیا اور ہر وقت چوری کا اندیشہ رہتا ہے ایسی حالت میں (جبکہ اس راستہ کے باقی رہنے سے نہ شاہ راہ عام کے چلنے والوں کو مسجد دکھائی دیتی ہے اور نہ دروازہ پر کوئی علامت ہے جس سے اجنبی اشخاص مسجد جانکر نماز کے لئے آئیں البتہ بے نمازی پانی لینے والے اس راستہ سے آتے ہیں جن سے ہر وقت متولی کی مال کی تلف کا اندیشہ ہے) متولی کا ارادہ ہے کہ اس راستہ کو بند کرکے اسکی

زمین کا نزول جو از روے پیمائش چالیس درعہ ہے مسجد کی آمدنی میں داخل کرے اور ایک نیا دروازہ مسجد کے جانب شرق کوچہ نافذہ میں شاہ راہ عام سے تخمیناً پندرہ بیس قدم کے فاصلہ پر اپنی ذاتی رقم سے قائم کر دے پس از روئے شرع شریف متولی کا ایسا کرنا جس میں مسجد اور مصلیوں کے لئے کوئی ہرج نہیں ہے بلکہ مسجد کے لئے ایک جدید آمدنی قائم ہو جاتی ہے اور متولی کو بھی امن ملتا ہے۔ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد کا دروازہ ایک مقام سے بند کرکے دوسرے مقام نصب کرنا شریعت میں اہل محلہ و اہل مسجد کے صوابدید پر رکھا گیا ہے یعنے محلہ کے اکثر اور معتبر اشخاص اگر اس بات کو مناسب جانتے ہیں تو ایک جگہ سے بند کرکے دوسری جگہ دروازہ کھولنا جائز ہے عالمگیریہ مصری کے جلد (۲) صفحہ (۴۵۶) کتاب الوقف میں ہے فی الکبریٰ مسجد اراد اهله ان یجعلوا الرحبة مسجداً والمسجد رحبة وارادوا ان یحدثوا له باباً وارادوا ان یحولوا الباب عن موضعه فلهم ذلك فان اختلفوا نظر ایهم اکثر وافضل فلهم ذلك كذا فى المضمرات اسعاف فی احکام الاوقاف مصری کے صفحہ (۶۱) میں ہے ولو حول اهل المحلة باب المسجد من موضع الى موضع آخر جاز فتاوے قاضی خاں کشوری کے

صفحۂ (۲۹۸) میں ہے ولاھل المحلۃ تحویل باب المسجد من موضع الی موضع مسجد کے دروازہ سے چونکہ تمام مصلیان محلہ کی آمد و رفت ہوا کرتی ہے اس لئے شریعت میں دروازہ کا منتقل کرنا مصلیوں کے آمد و رفت کی سہولت کے لحاظ کرا نہیں کی رائے اور مصلحت پر رکھا گیا ہے پس صورت مسئولہ میں بھی جبکہ متولی خود اہل مسجد و اہل محلّہ سے ہے اس لئے اگر متولی کی اس رائے کے ساتھ اکثر اور معتبر اہل محلّہ شریک ہیں تو متولی کو یہ حق ہے کہ مسجد کے شمالی دروازہ کو بند کرکے اوس کے معاوضہ میں جانب شرق شاہ راہ عام سے قریب دروازہ کشادہ کرے۔

ف مسجد کی موقوفہ زمین کو اگر متولی اجرت سے لینا چاہے تو شریعت میں اس کی اجازت ہے مگر شرط یہ ہے کہ متولی اس زمین کا اُجرت مقررہ اجرت سے ڈیوڑھی ادا کرے یعنے اگر اس زمین کو لوگ ایک روپیہ کرایہ سے لیتے ہیں تو متولی اس کو ڈیڑھ روپیہ کرایہ دیکر لے سکتا ہے ردمحتار جلد (۳) صفحۂ (۴۴۳) کتاب الوقف میں ہے وکذا المتولی آجر من نفسہ لو خیرا صح والا لا ومعنی الخیر ان یاخذ بخمسۃ عشر مایساوی عشرۃ او یبیع منہ بعشرۃ مایساوی خمسۃ عشرۃ وبہ یفتی صورت مسئولہ میں حسب صواب دید اعیان محلہ شمالی دروازہ مسدود ہو جانے کے بعد اس کی زمین کو متولی ڈیوڑھی اجرت پر اپنے استعمال کے لئے لے سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
زید متولی ایک زمین وقفی عمرو کو اجرت سے دیا جس پر عمرو ملگی بنا یا تھا
اور یہ اقرار نامہ لکھدیا تھا کہ ایک ملگی ٹین پوش جس کا عملہ میرا زر خرید
ومملوکہ ہے اس کا نزول میں ماہانہ ۲ ر زید متولی کو دیا کرونگا اس کے بعد
وہ ملگی طغیانی میں بہ گئی اور ایک سال یا دو سال تک وہ زمین افتادہ
رہی اس زمانہ میں عمرو اوسکا نزول ادا کیا اور نہ ملگی بنایا اس لئے زید
بلا اطلاع عمرو کے اس زمین پر ملگی بنا دیا اور اوس کی آمدنی مصارف
وقف میں خرچ کرتا ہے اب عمرو چاہتا ہے کہ اپنے حقِ قبضہ کے لحاظ سے
ملگی کی قیمت ادا کرکے اوس پر متصرف ہو جائے اور حسب قرارداد سابق
نزول ادا کیا کرے کیا حق قبضہ عمرو کا پھر عود ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

زمین موقوفہ جبکہ اجرت پر کسی کو مکان بنانے کے لئے دی جائے
اور وہ اس پر مکان نہ بناکر ایک عرصہ تک بیکار رکھے تو ایسی حالت میں
متولی کو یہ حق ہے کہ اس زمین کو کسی دوسرے شخص کو اجرت پر دیدے
خصوصاً جبکہ متولی خود وقف کی آمدنی زیادہ ہونے کے لئے کوئی تعمیر
کرنا چاہے تو متولی کو اس کے فسخ کرنے کا بدرجۂ اولےٰ حق حاصل ہے۔

فتاوی مہدویہ مصری جلد (۲) صفحہ (۲۶۷) کتاب الوقف میں ہے۔
(سئل) فی ناظر اجر ارض الوقف الخالیۃ عن البناء لامرأۃ مسانھۃ باجرۃ المثل واذنھا بالبناء علیٰ ان ما تستہ وجدد ترفیھا یکون ملکا لھا مستحق البقاء والقرار فاستمرت واضعۃ یدھا علی الارض مدۃ سنین ولم تجدد فیھا شیئا فاراد اجرا استئجارھا من الناظر فھل یصح والحال ھذہ (اجاب) اذا اجر الناظر عقار الوقف لاخر مسانھۃ باجرۃ المثل واذن بالبناء والعمارۃ علی ان یکون جمیع ما یجدد حلو الہ مستحق البقاء والقرار صح ذلک فان بنی المستاجر لا ینتزع العقار من یدہ ما دام قائما یدفع اجرۃ المثل وان لم یجدد شیئا یکون للناظر الاجارۃ فی اخر کل سنۃ ردمحتار جلد (۳) صفحہ (۴۱۰) کتاب الوقف میں ہے ولیس لہ الاقالۃ الا ان کانت اصلح للوقف اور ردمحتار کی اسی جلد کے صفحہ (۴۲۱) میں درمختار میں ہے للمتولی الاقالۃ لو خیرا پس صورت مسئولہ میں جبکہ ایک عرصہ تک زمین موقوفہ کو بلا تعمیر وادائے نزول بیکار چھوڑا ہے اس لئے اب متولی کا اس زمین پر مسجد کی آمدنی کے لئے ملگی تعمیر کرنا شرعاً صحیح ہے اور عمرو کو قیمت دیکر اس سے واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الحجر والمأذون

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر دیوانہ ہے اقربا میں ایک حقیقی بہن۔ ایک علاتی بہن۔ ایک پھوپی زاد بھائی ایک چچی موجود ہیں دیوانہ کی ولایت ان میں کس کو ہے۔

الجواب

دیوانہ کی ولایت شرعاً باپ یا اس کے وصی کو ہوا س کے بعد دادا یا اس کے وصی کو ہے اور ان تمام کی عدم موجودگی میں قاضی اور اس کا نائب کا ولی ہے جیسا کہ ردمحتار شامی مصری کے جلد (۲) صفحہ (۳۱۹) میں تحت قول الولی فی النکاح لا المال تحریر ہے (قوله لا المال) فان الولی فیه الاب ووصیه والقاضی ونائبه فقط پس صورت مسئولہ میں بکر کے مال کی ولایت شرعاً موجودہ ورثاء سے کسی کو نہیں ہے۔ اس وقت قاضی یا نائب قاضی کو اس کی ولایت حاصل ہے اگر قاضی اپنی جانب سے موجودہ ورثاء سے کسی کو دیانت دار جانکر اپنا نائب مقرر کرے تو جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کمسن لڑکوں کی ولایت مال دادی اور ماں اور نانا ان تینوں سے کس کو ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بچے کے مال کی ولایت باپ کو ہے اگر باپ نہ ہو تو باپ کے وصی کو پھر وصی کے وصی کو اس کے بعد دادا کو پھر دادا کے وصی اس کے بعد دادا کے وصی کے وصی کو اگر یہ سب نہ ہوں تو قاضی یا اس کے وصی کو ہے۔ در مختار مطبوع بر حاشیہ رد محتار مصری جلد (۵) صفحہ (۱۱۴) کتاب الماذون میں ہے (وولیه ابوه ثم وصیه) بعد موته ثم وصی وصیه کما فی القهستانی عن العمادیه (ثم) بعدهم (جده) الصحیح وان علا (ثم وصیه) ثم وصی وصیه قهستانی زاد القهستانی والزیلعی ثم الوالی بالطریق الاولی (ثم القاضی او وصیه) ایهما تصرف یصح فلذ المریقل ثم (دون الام او وصیها) هذا فی المال پس صورت مسئولہ میں چاہیئے کہ حسب تفصیل سابق عمل ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

کتاب الغصب

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی اولاد سے ایک شخص اس کی عطاء سلطانی پر قابض ہو کر فائدہ اٹھا رہا ہے اور دوسرے ورثاء اس سے محروم ہیں اب قاضی تمام ورثاء پر اس کی آمدنی تقسیم کرنا چاہتا ہے کیا سنین ماضیہ کی آمدنی جس کو واصلات کہتے ہیں اس وارث غاصب سے دوسرے ورثاء اپنے حصہ کے موافق پا سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب

اگر کوئی وارث شریک دوسرے ورثاء کا حصہ غصب کر کے اس کی آمدنی

خود حاصل کرلے تو یہ آمدنی و محاصل شرعًا بازگشت کے قابل ہے فتاوے
مہدویہ مصری کے جلد (۵) صـ۱۲۴ کتاب الغصب میں ہے ما اذا
استغلہ احد الشرکاء فان لما قیھم ان یاخذ حصۃ من ذلک کما افاد
فی التنقیح الحامدیۃ و درمختار مطبوعہ برحاشیۂ ردمحتار مصری جلد (۵)
صـ۱۳۵ کتاب الغصب میں ہے (ومنافع الغصب) استوفاھا او عطلھا
فانھا لا تضمن الا ان یکون وقفا او مال یتیم او معدا للاستغلال
المغرب لغت فقہ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ کے جلد (۲) صـ۷
میں ہے (الغلۃ) کل ما یحصل من ریع الارض او کرائھا او اجرۃ غلام
او نحو ذلک پس صورت مسئولہ میں دیگر ورثاء وارث قابض سے سنین ماضیہ
کی واصلات اپنے اپنے حصہ کے موافق پانے کے مستحق ہیں واللہ اعلم
بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک
بزرگ کی درگاہ کے بازو ایک مسجد واقع ہے متولیان مسجد نے درگاہ کی موقوفہ
زمین پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے اور ان کا ارادہ ہے کہ مغصوبہ زمین مسجد میں شامل
کرلی جائے۔ سجادہ نشین درگاہ نے ان کو اس فعل سے منع کیا اور قبضہ اٹھانے
کے لئے فہمایش دی مگر وہ قبضہ اٹھانے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
از روے قانون میعاد انگریزی ہم اس سے دست بردار نہیں ہوں گے۔
پس از روے شرع شریف غصب کی ہوئی زمین شریک مسجد ہو سکتی ہے یا نہ

نہیں اور اگر بلا رضامندی مالک یہ زمین شریک مسجد کرلی جائے تو اس مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں اور شرع سے قانون میعاد کا نفاذ ہوگا یا نہیں اور متولیان مسجد جو احکام شرع سے انحراف کرتے ہیں ان کی تولیت جائز ہے یا نہیں

الجواب

مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا مکروہ ہے درمختار کے مکروہات صلوٰۃ میں ہے وارض مغصوبۃ اور موقوفہ زمین کو غصب کرکے اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی بلکہ بعض فقہاء کے قول پر صحیح نہیں ہے ردمحتار میں اسی جگہ ہے ثم قال ومدرسۃ السلیمانیۃ فی دمشق مبنیۃ فی ارض المرجۃ التی وقفھا السلطان نور الدین الشھید علی ابناء السبیل بشھادۃ عامۃ اھل دمشق والوقف یثبت بالشھرۃ فتلک المدرسۃ خولف فی بنائھا شرط واقف الارض الذی ھو کنص الشارع فالصلاۃ فیھا مکروھۃ تحریما فی قول وغیر صحیحۃ فی آخر کما نقلہ فی جامع الفتاوی پس صورت مسئولہ میں درگاہ کی موقوفہ زمین کو داخل مسجد کرنا اور اس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں کیونکہ یہ فعل واقف کی غرض کے خلاف ہے اور اغراض واقف نصوص شارع کی طرح واجب التعمیل ہیں۔

ف وقف کے دعوے کے لئے شریعت میں کوئی میعاد نہیں ہے بلکہ ہر وقت اس کا دعوے ہوسکتا ہے۔ فتاوے مہدویہ کے جلد (۲) ص ۶۲۳ کتاب الوقف میں ہے لاتسمع الدعوی بعد مضی خمس عشر سنۃ الا فی الارث والوقف ووجود عذر شرعی اسی صفحہ میں ہے فلم یقید وادعوی الارث

والوقف بحالہ پس صورت مسئولہ میں زمین موقوفہ غاصب کے قبضہ سے چاہے کتنی مدت گزرے واپس لینے کے قابل ہے۔

ف متولی وقف متدین ہونے کی ضرورت ہے اگر اس سے خیانت ثابت ہو جائے ہو تو وہ معزولی کے قابل ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف میں ہے (وینزع لو غیر مامون) او عاجزا او ظہر بہ فسق کشرب خمر ونحوہ فتح پس صورت مسئولہ میں متولی غاصب فاسق ہے جو قابل تولیت نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

كتاب الصيد

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بندوق سے شکار کیا ہوا جانور جب اس پر بسم اللہ کہکر گولی چلائی جائے اور بغیر ذبح کے محض گولی کے مارے مر جائے تو کیا اس کا کھانا حلال ہے یا حرام۔

الجواب

ذبح کے لئے تیز چیز کی ضرورت ہے اس لئے بندوق کی گولی یا غلیل یا پتھر یا لکڑی سے زخمی کیا ہوا جانور اگرچہ اس کے چلانے کے وقت بسم اللہ کہا جائے بغیر ذبح کرنے کے حرام ہے درمختار کے کتاب الصید میں ہے (او بندقة ثقيلة ذات حدة) لقتلها بالثقل لا بالحد ولو كانت خفيفة بها حدة حل لقتلها بالجرح ولو لم يجرحه لا يؤكل مطلقا اسی جگہ ردالمحتار میں ہے قال قاضی خان لا يحل صيد البندقة والحجر والمعراض والعصا وما

اشبہ ذٰلک وان جرح لانہ لایخرق الاان یکون شئی من ذٰلک قد حددہ وطولہ کالسہم وامکن ان یرمی بہ فان کان کذٰلک وخرقہ
حل لا حل اکلہ فاما الجرح الذی یدق فی الباطن ولایخرق الظاہر لایحل لانہ یحصل بہ انہار الدم۔ اسی جگہ ہے والاصل ان الموت
اذا حصل بالجرح بیقین حل وان بالثقل اوشک فیہ فلایحل حتماً اواستحساناً اھ
ولایخفی ان الجرح بالرصاص انماھو بالاحراق والثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذ
لیس لہ حد فلایحل وبہ افتی ابن نجیم۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

کتاب الذبائح

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکرے اور
گائے جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں شرعاً ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں
اور سید صاحب کے نام پر جو بکرے چھوڑتے ہیں ان کا کھانا درست ہے
یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

مذبوحہ جانور کے لئے شرعاً ذبح کے وقت نیت کا لحاظ واعتبار کیا گیا ہے
فتاوے ردالمحتار کے جلد (۵) صـ۲۰۳ میں ہے واعلم ان المدار
علی القصد عند ابتداء الذبح بنا برین اگر کوئی شخص جانور کو اس نیت سے
ذبح کرے کہ اس کی جان میں فلاں بزرگ کے لئے لیتا ہوں یا اس کی جان فلاں
بت پر قربان کرتا ہوں اور وہ اس بزرگ اور بت کو از روے تعظیم اس طرح

جان قربان کئے جانے کا مستحق جانتا ہے تو ایسا ذبح کیا ہوا جانور اگرچہ وہ اللہ کا نام لیکر ذبح کیا جائے شرعاً حرام ہے درمختار مطبوع برحاشیہ ردمختار جلد (۵) صـ ۲۰۲ میں ہے (ذبح لقدوم الامیر ونحوہ) کواحد من العظماء (یحرم) لانہ اہل بہ لغیر اللہ (ولو) وصلیۃ (ذکر اسم اللہ تعالی) اگر اس نیت سے ذبح کرے کہ اس جانور کی جان تو اللہ کے لئے لی جاتی ہے اور وہی جان کے نثار و قربان کئے جانے کا مستحق ہے مگر اس کا گوشت فلاں بزرگ کے نیاز میں صرف کیا جائیگا یا اس سے فلاں شخص کی دعوت و ضیافت کیجائیگی یا اس سے ولیمہ ادا ہوگا یا اس کو بیچکر نفع اٹھایا جائیگا اور بر وقت ذبح اللہ کے نام کے سوا کسی کا نام بھی نہ لے تو ایسا ذبح کیا ہوا جانور شرعاً حلال ہے درمختار میں اسی جگہ ہے (ولو) ذبح (للضیف لا) یحرم لانہ سنۃ الخلیل واکرام الضیف اکرام اللہ تعالی والفارق انہ ان قدمہا لیاکل منہا کان الذبح للہ والمنفعۃ للضیف اوللولیمۃ اوللربح وان لم یقدمہا لیاکل منہا بل دفعہا لغیرہ کان لتعظیم غیر اللہ فتحرم تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی کے صـ ۵۲ میں ہے ومن ھٰھنا علم ان البقرۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ وقت الذبح وان کانوا ینذرونہا لہ۔ پس صورت مسئولہ میں اگر جانور حسب تفصیل سابق اللہ کے لئے ذبح کیا جاوے اور اس کے گوشت سے سید صاحب یا اور کسی بزرگ کی نیاز کی جاوے اور ذبح کے قبل بھی اسی طریقہ سے سید صاحب کے نامزد رہے تو ایسے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت حلال ہے۔

جیسے مشرکین ہندو کی نیت چونکہ بتوں کے نام سے ذبح کرنے کی ہوتی ہے
اور وہ بتوں کے نام پر ذبح کرنا ... بھی جانتے ہیں ہے اون کو بتوں کا تقرب
منظور ہوتا ہے اور ان جانوروں کی جان ... کے لئے لینا ... چڑھانا
اور اون کے نامزد دینا اپنا فرض وموجب ثواب ونجات جانتے ہیں اس لئے
ان کا نامزد کیا ہوا جانور اگرچہ مسلمان کے ہاتھ سے اللہ کا نام لیکر ذبح کیا جاوے
قطعاً حرام ہے کیونکہ اس جانور کا مالک جو ہندو ہے اس کی نیت میں اس
جانور کو دیوتا کے نامزد کرنے اور ذبح کرنے سے دیوتا کی تعظیم اور تقرب منظور ہے
تفسیر احمدی کے ص ۱۵ تفسیر ما اہل لغیر اللہ میں ہے معناہ ذبح به
لاسم غیر اللہ مثل لات وعزی واسماء الانبیاء وغیر ذلك اور
ص ۳۰۴ تفسیر وما ذبح علی النصب میں ہے ای حرم علیکم ما ذبح للاصنام
او ذبح مسمی علی الاصنام وهكذا ذكر في الحسيني - واللہ اعلم بالصواب
والیه المرجع والمآب-

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک
کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ جو شخص بکرا محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ یا اور کوئی ولی کے
نیاز کے واسطے خریدا وہ حرام ہوگیا اور اس کی مثال یہ لکھا ہے کہ کتے کو اگر
بسم اللہ پڑھکر کاٹیں تو حلال نہیں ہوتا ہے اسی طرح اگر اللہ کے سوا کسی ولی کی
نیاز کے واسطے خرید کر کاٹیں تو حلال نہیں ہوتا یہ بات کہاں تک درست ہے -

الجواب

مذبوحہ جانور کے متعلق شرعاً ذبح کے وقت کی نیت کا لحاظ واعتبار کیا گیا ہے فتاوے
ردالمحتار کے جلد ۵ صـ ۲۰۳ میں ہے واعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح
بنابریں اگر کوئی شخص جانور کو اس نیت سے ذبح کرے کہ اس کی جان فلاں بزرگ کیلئے
لیتا ہوں اور ان بزرگ کو از روے تعظیم اس طرح جان قربان کئے جانے کا مستحق بھی
جانتا ہے تو ایسا ذبح کیا ہوا جانور اگرچہ وہ اللہ کا نام لیکر ذبح کیا جائے شرعاً حرام ہے
درمختار مطبوع برحاشیہ ردمختار کے جلد (۵) صـ ۲۰۳ میں ہے (ذبح لقدوم
الامیر ونحوہ) کواحد من العظماء (یحرم) لانہ اھل بہ لغیر اللہ (ولو) وصلیۃ
(ذکراسم اللہ تعالیٰ) اور اگر کوئی اس نیت سے ذبح کرے کہ اس جانور کی جان تو
اللہ کے لئے لی جاتی ہے اور وہی اس جان کے نثار و قربان کئے جانے کا مستحق ہے
مگر اس جانور کا گوشت فلاں بزرگ کے نیاز میں صرف کیا جائیگا یا اس سے فلاں شخص کی
دعوت وضیافت کی جاے گی یا اس سے ولیمہ ادا ہوگا یا اس کو بیچکر نفع اٹھایا جائیگا
اور بوقت ذبح اللہ کے نام کے سوا کسی کا نام بھی نہ لے تو ایسا ذبح کیا ہوا جانور شرعاً
حلال ہے درمختار میں اسی جگہ ہے (ولو) ذبح (للضیف لا) یحرم لانہ سنۃ الخلیل
واکرام الضیف اکرام اللہ تعالیٰ والفارق انہ ان قدمھا لیاکل منھا کان الذبح
للہ والمنفعۃ للضیف اوللولیمۃ اوللربح وان لم یقدمھا لیاکل منھا بل یدفعھا
لغیرہ کان لتعظیم غیر اللہ فتحرم تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی کے صـ ۵۲ میں ہے
ومن ھھنا علم ان البقرۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ
لم یذکر اسم غیر اللہ وقت الذبح وان کانوا ینذرونھا لہ پس صورت مسئولہ
میں اگر جانور حسب تفصیل سابق اللہ کے لئے ذبح کیا جاے اور اس کے گوشت سے حضرت

غوث سبحانی رضی اللہ عنہ یا اور کسی بزرگ کی نیاز کی جاوے اور اس پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھی جائے تو ایسے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت حلال ہے۔ اور اس کتاب کی تحریر ان معتبر کتب کے مقابل قابل لحاظ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الاضحیۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اگر اضحیہ ذبیحہ کے عوض اوس کی قیمت ارامل و ایتام اور محروعین نرک کے لئے تبرع کی جاوے تو کیا قربانی ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اضحیہ شرع میں حیوان مخصوص کو وقت مخصوص میں قربۃً للہ ذبح کرنے کو کہتے ہیں درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمختار مصری جلد (۵) صہ ۲۰۵ کتاب الاضحیہ میں ہے هی ذبح حیوان مخصوص بنیة القربة فی وقت مخصوص اور مالدار مسلمان پر ایسے جانور کا خون بہانا شرعاً واجب ہے۔ چنانچہ اسی صفحہ میں ہے (فتجب) التضحیة ای اراقة الدم عملاً اعتقاداً (علی حر مسلم مقیم موسر) بنابرین اگر کوئی شخص بکرے کو بغیر ذبح کرنے و خون بہانے کے زندہ خیرات کردے یا اس کی قیمت خیرات کرے تو اس سے قربانی ادا نہیں ہوتی بلکہ اس کو دوسرا بکرا ذبح کرنا پڑیگا۔ عالمگیری مصری کے جلد (۵) صفحہ (۲۹۳) کتاب الاضحیہ میں ہے حتی لو تصدق بعین الشاة او قیمتها فی الوقت لایجزئه عن الاضحیة اور ردالمحتار کے جلد (۵) صہ ۲۱۰ میں نہایہ سے

منقول ہے فاذا تصدق لعا بہا ای ایام اعلیہ مثلہا مکانہا لان الواجب علیہ الاراقۃ ... صورت مسولہ میں اضحیہ کی قیمت اراکل وایتام اور مجروحین ترک کو دینے سے شرعاً قربانی ادا نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ داغدار جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

داغدار اگر آگ سے جلانے یا کھجلی یا بال اکھڑنے سے آیا ہے تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔ مگر کھجلی والے اونٹ کے لئے موٹا ہونا شرط ہے چنانچہ رد المحتار کے جلد (۵) صفحہ ۲۱۲ میں ہے تجوز التضحیۃ بالمجبوب العاجز عن الجماع والتی بہا سعال والساقط ... البیاد ... اکبر ... لہا کیۃ۔ مغرب کے صفحہ (۱۶۳) میں ہے کواہ بالنار احرقہ حتی لتا اور ہدایہ آخرین کے صفحہ (۴۳۲) میں ہے والجرباء ان کانت سمینۃ جاز لان الجرب فی الجلد ولا نقصان فی اللحم اور عالمگیریہ کے جلد (۵) صفحہ (۲۹۸) میں ہے والجولاء تجزی وھی التی فی عینہا حول وکذا المجزوزۃ وھی التی جز صوفہا کذا فی فتاوی قاضیخان۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی عذر سے ایام معینہ نحر میں قربانی نہ ہو سکے تو اس مقررہ مدت کے سوا اور کوئی مدت ہے یا اسکی قیمت صدقہ کر دینے کا حکم ہے اگر وہ قیمت شہداء بلغار کے پسماندگان کی امداد و تیمارداری

مجروحان میں صرف کی جائے تو درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

جن اشخاص نے قربانی نہیں دی ہے اور تا حال قربانی کے لئے کوئی جانور نہیں خریدا ہے ایسے اشخاص کے لئے یہ اجازت ہے کہ ایام نحر گذر جانے کے بعد اس کی قیمت کو صدقہ کر دیں اور جس نے ایام نحر میں یا اس کے پہلے قربانی کے لئے جانور خرید لیا ہے اور خاص اس جانور کی قربانی کی نذر بھی کیا ہے تو ایسے شخص کے لئے یہ حکم ہے کہ اس جانور کو صدقہ کر دے چاہے وہ غنی ہو یا فقیر اگر کوئی غنی اس جانور کو بلا نیت نذر خرید رکھا ہے تو اسکو یہ اجازت ہے کہ وہ اس جانور کی قیمت دیدے خاص اس جانور کو صدقہ کرنے کی ضرورت نہیں در مختار مطبوع بر حاشیہ رد محتار جلد (۵) صفحہ (۲۱۰) کتاب الاضحیہ میں ہے (ولو ترک التضحیة ومضت ایامها تصدق بها حیة ناذر لمعینة وفقیر شراها لها و) تصدق (بقیمتها غنی شراها اولا)۔

ف زکوٰۃ و صدقہ فطر و کفارات وغیرہ تمام صدقات واجبیہ کا شرع میں ایک ہی مصرف ہے رد محتار جلد (۲) صفحہ (۶۰) کتاب الصرف میں ہے وهو مصرف ایضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغیر ذلك من الصدقات الواجبة كما فی القهستانی اور زکوۃ کے مصرف شرع میں فقراء و مساکین و غازی بے سامان وغیرہ ہیں چنانچہ اسی جگہ رد محتار کے حاشیہ او ر در مختار میں ہے هو فقیر وهو من له ادنی شیء ومسکین من لا شیء له وعامل فیعطی بقدر عمله ومکاتب ومدیون لا یملك نصابا فاضلا عن دینه وفی سبیل الله وهو منقطع الغزاة اور رد محتار میں ہے (قوله وهو منقطع الغزاة) ای الذین عجزوا عن اللحوق بجیش الاسلام

لفقرھم بھلاک العقد والدابہ وعجزھما فیحل لھما تہادت ان کانوا کاسبین اذ الکسب لقعلھم عن الجھاد قھستانی بس مجاہدین ترک کئے ہوئے بچے اور بیوہ عورتیں جو اپنے سرپرستوں کے شہید ہوجانے سے فقیر و مسکین ہوگئے ہیں اور محروم نا رسی جو بوجہ ناداری اپنے علاج سے عاجز ہیں اور وہ غازی جو بے سر و سامانی کے سبب جہاد سے قاصر ہیں از روئے شرع اس صدقہ کے مستحق ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

كتاب العقيقه

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ کا نسخ حدیث سے ثابت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

موطا امام محمد رح مطبوعہ مصطفائی کے صفحہ (۲۸۴) میں مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے یہ حدیث نقل کی ہے اخرجہ الدارقطنی ثم البیہقی فی سننہ باسناد فیہ المسیب ابن شریک عن عقبۃ بن الیقظان عن الشعبی عن مسروق عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسخت الزکوٰۃ کل صدقۃ ونسخ صوم رمضان کل صوم ونسخ غسل الجنابۃ کل غسل ونسخت الاضحی کل ذبح اس حدیث سے عقیقہ کا واجب ہونا منسوخ ہے مگر اس کا مباح یا نفل ہونا دوسرے احادیث کے بنا پر باقی ہے ردمحتار جلد (۵) صفحہ (۲۲۱) کتاب الاضحیہ میں ہے تحریق وہی عند الحلق عقیقۃ اباحۃ علی ما فی الجامع المحبوبی او تطوعا علی ما فی شرح الطحا

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ سنت ہے یا واجب یا مباح اگر سنت یا واجب ہے تو اوس کی وجہ کیا ہے اگر مباح ہے تو کیوں بیان فرمائیے۔

الجواب

عقیقہ مباح ہے ابتدا اسلام میں لازمی طور پر کیا جاتا تھا مگر جب قربانی کا وجوب ہوا تو یہ منسوخ ہو گیا۔ ردمختار جلد (۵) صہ۲۳۱ کتاب الاضحیہ میں ہے یستحب لمن ولد لہ ولد ان یسمیہ یوم اسبوعہ ویحلق رأسہ ویتصدق عند الحلق عقیقۃ اباحۃ علی ما فی الجامع المحبوبی او تطوعا علی ما فی شرح الطحاوی موطا امام محمد مجتبائی صہ۲۸۶ باب العقیقہ میں ہے قال محمد اما العقیقۃ فبلغنا انھا کانت فی الجاھلیۃ وقد فعلت فی اول الاسلام ثم نسخ الاضحی کل ذبح کان قبلہ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ مذہب حنفی میں سنت موکدہ ہے یا مباح اور اس کی ادائی لڑکے کی کسی عمر تک ہو سکتی ہے اس کا تارک گنہگار ہے یا نہیں۔

الجواب

عقیقہ مباح ہے اور اس کا تارک گنہگار نہیں ردمختار جلد (۵) صہ۲۳۱ کتاب الاضحیہ میں ہے ویتصدق عند الحلق عقیقۃ اباحۃ علی ما فی الجامع المحبوبی او تطوعا علی ما فی شرح الطحاوی عقیقہ ساتویں روز کرنا چاہیے اگر اس روز نہ ہو سکے تو چودہویں روز

اگر اس دن بھی نہ ہو تو اکیسویں دن جیسا کہ امام ترمذی کے ص ۱۴۱ میں ہے وفقہاء
فی المیزان الشعرانی ... الخ اور امام ترمذی نے باب العقیقہ میں بھی
اہل علم کا یہی قول بیان کیا ہے۔ عینی شرح بخاری کے جلد ۹ صفحہ (۲۱۶) میں منقول
ہے اکیسویں دن کے بعد اس حساب سے اٹھائیسویں دن یا اس کے بعد عقیقہ کرنا
البتہ حنبلی مذہب کی ایک روایت ہے جس کے طرف شوافع کا بھی میلان ہے
حنفیوں کی معتبر کتابوں میں اس کا ذکر نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتاب الحظر والاباحۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید خواب میں ایک نوجوان لڑکے کو
تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھکر حاضرین سے استفسار کیا کہ یہ کون ہے حاضرین نے جواب دیا
کہ یہ خداوند عالم ہے کیا از روئے شریعت اس کا بیان درست ہے اور خداوند عالم
کی رویت خواب میں اس طرح ہوسکتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

خداوند عالم کو خواب میں دیکھنا یہ ایک قسم کا مشاہدہ ہے جو بزرگان دین و اولیا متقین کو
بذریعۂ قلب ہوا کرتا ہے شرح عقائد نسفی کے بیان رؤیت میں ہے واما الرؤیۃ
فی المنام فقد حکیت عن کثیر من السلف ولا خفاء فی انہا نوع مشاہدۃ یکون
بالقلب دون العین شرح فقہ اکبر کے بیان رؤیت میں ہے وقد روی عن
کثیر من السلف فی ہذا المقام وہو نوع مشاہدۃ یکون بالقلب للکرام ولا

وجه للمنع عن هذا المرام مع انه ليس باختيار احد من الانام تفسير روح البيان

جلد (۲) کے صفحہ ۱۹۴ میں ہے ولاخفاء فی ان الرؤية فی المنام نوع مشاهدة

يكون بالقلب دون العين شرح مقاصد کے بیان رویت میں ہے واما الرؤية

فی المنام فقد حكی القول بها عن كثير من السلف اس کے متعلق اکثر علمائے متقدمین

کا یہ قول ہے کہ بلا کیفیت وبلا جہت وبلا ہیئت وبلا مقابلہ وبلا خیال وبلا مثال

اس مشاہدہ ورویت کا عالم خواب میں ہونا جائز ہے اور حدیث رأیت ربی فی المنام

اور رویت سلف صالحین یعنے امام اعظم وامام احمد وبایزید بسطامی واحمد بن خضرویہ

وغیرہم رحمہم اللہ اس کی دلیل ہے شرح فقہ اکبر کے بیان رویت میں ہے والاکثرون

علی جوازها من غير كيفية وجهة ومقابلة ايضا فی هذا المرام فقد نقل ان الامام

ابا حنيفة رحمة الله عليه قال رأيت رب العزة فی المنام تسعا وتسعين

مرة ثم رآه مرة اخرى تمام المائة وقصتها طويلة لا يسعها هذا المقام ونقل عن الامام

احمد رح انه قال رأيت رب العزة فی المنام فقلت يا رب بم يتقرب المتقربون

اليك قال بكلامی يا احمد قلت يا رب بفهم او بغير فهم قال بفهم او بغير فهم

وقد ورد عنه عليه السلام انه قال رأيت ربی فی المنام فتح العلی المالك

مصری کے صفحہ (۳۷) میں ہے قال الشيخ ابراهيم اللقانی فی شرحه الكبير

على جوهرته اختلف فی رؤية الله تعالى فی المنام ومعظم المثبتين للرؤية

فی الدنيا على جوازها من غير كيفية وجهة اتحاف السادة شرح احياء العلوم

کے جلد (۲) صفحہ ۱۲۳ میں ہے وجوزها بعض اصحابنا بلا كيفية وجهة

ومقابلة وخيال ومثال كما عرفناه فی اليقظة تمسكا بما روی عن النبی

صلی اللہ علیہ وسلم رائیت ربی فی المنام البارحۃ وتشبثا بالمحکی عن السلف فانہ روی عن ابی یزید انہ قال رأیت ربی فی المنام فقلت کیف الطریق الیک فقال اترک نفسک وتعال ورای احمد بن حضرویہ ربہ فی المنام فقال یا احمد کل الناس یطلبون منی الا ابا یزید فانہ یطلبنی وروی عن احمد الزیات وابی الفوارس شاہ بن شجاع الکرمانی ومحمد بن علی الترمذی و العلامہ شمس الائمۃ الکردری رحمہم اللہ تعالیٰ انہم رأوہ خداوند عالم کو حالت خواب میں کسی جسم چیز کی شکل میں دیکھنا فی الحقیقت وہ خداوند عالم کی رویت نہیں ہے کیونکہ خداوند عالم صفات اجسام واختلاف احوال سے منزہ ہے فتح العلی المالک کے ص ۳۷ میں ہے ونقل القاضی عیاض ان العلماء اتفقوا علی جواز رویۃ اللہ تعالیٰ فی المنام وصحتہا وان رأہ الانسان علی صفتہ لا تلیق بحالہ من صفات الاجسام کان ذلک المرئی غیر ذات اللہ تعالیٰ اذ لا یجوز علیہ سبحانہ وتعالیٰ التجسم ولا اختلاف الاحوال اور جن احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدائے تعالیٰ کو جوان کی صورت میں دیکھنا یا اچھی صورت میں دیکھنا مذکور ہے ان میں سے جوان کی صورت میں دیکھنے کی حدیث تو چونکہ صحاح میں مذکور نہیں ہے اس لئے اس کی صحت میں کلام کیا گیا ہے اور بر تقدیر صحت اس کی تاویل اس طرح کی گئی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رویت کے وقت جوان کی صورت میں تھے فتح العلی المالک کے ص ۳۶ میں ہے والحدیث المذکور ان صح یؤول بتقدیر مضاف ای ملک ربی او جعل فی صورۃ شاب حالا من تاء رأیت ای حال کونی فی صورۃ شاب اور اچھی صورت میں دیکھنا یہ حدیث

حسن صحیح ہے جس کی ترمذی واحد نے روایت کی ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی کتاب الصلوٰۃ
باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ کی مطول حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس طرح فرمایا ہے انی قمت من اللیل فتوضأت وصلیت ما قدر لی فنعست
فی صلوٰتی استثقلت فاذا انا بربی تبارک وتعالیٰ فی احسن صورۃ اسی حدیث شریف
کی تاویل بھی اگر اسی طرح کی جائے یا صورت صفت کے معنے میں لی جائے تو
ممکن ہے۔ قطع نظر اس تاویل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خداوند عالم کو کسی مخلوق
کی صورت میں دیکھنا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات سے ہو سکتا ہے
جس میں آپ کے سوا کسی اور کی مداخلت نہیں ہو سکتی شرح فقہ اکبر کے بیان رویت
میں ہے وقد ورد عنہ صلعم انہ قال رأیت ربی فی احسن صورۃ وفی روایۃ
فی صورۃ شاب فقال الامام الرازی فی تاسیس التقدیس یجوز ان یری
النبی ربہ فی المنام فی صورۃ مخصوصۃ من الانام حاصل یہ ہے کہ حالت خواب
میں خداوند عالم کو متقین و اولیاء کرام ہی دیکھا کرتے ہیں اور وہ رویت بھی بلا
کیفیت و جہت ہوا کرتی ہے ان کے سوا اگر کوئی گناہگار غیر متشرع اس رویت کا
دعوے کرے تو محض لغو اور جھوٹ ہے۔ اور اگر کوئی شخص خواب میں کسی انسان کو دیکھے
اور معلوم ہو کہ یہ خداوند عالم ہے تو فی الحقیقت یہ رویت الٰہی نہیں ہے بلکہ یہ اور خوابوں کی
طرح گذشتہ یا آئندہ واقعات کے متعلق خداوند عالم کے جانب سے آئی ہوئی کوئی
چیز ہے خواب دیکھنے والے کو چاہیے کہ علماء تعبیر سے اس کی تعبیر دریافت کرے
فتح العلی المالک کے صـ ۳ میں ہے ھذا ان ادعاہ من ھو من اھلھا کولی تقی
یوتوبہ ویکون ذالک مخصصا للعمومات مثل قولہ تعالیٰ لا تدرکہ الابصار و

اذا قبل خبر الولی فی الکرامة الخارقة للعادة المخصصة للعمومات القطعية فاولیٰ فی تخصیص العموم الظنی واما ان ادعاه من لیس من اهلها کالعاصی والمقصر فانه یکذب هذا کله اذا اراه تعالیٰ علی ما یلیق بجلاله وکماله کما یری فی الآخرة واما رؤیته تعالیٰ علی ما یستحیل علیه تعالیٰ کرؤیته علی صورة رجل یتقاضی من الرائی امرا ویأمره بامر او ینهاه عن شر ویقول اننا الله لا اله الا انا فاعبدنی فهو ایضا جائز وتکون رؤیا تاویل فتدل علی ما کان او سیکون کغیرها من الرؤیات فیسأل عن تعبیرها ویجب ان یعلم الرائی ان مرئیه امر وارد من الله تعالیٰ وخلق من خلقه علی امر من الامور واطلاق اسم الله علی مرئیه مجاز کاطلاقه فی حدیث ینزل ربنا الی السماء الدنیا علی ملک حامل امره او رحمته تعالیٰ انتهی والله اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو کسی خوشی یا غمی کے کام میں مسلمانوں کے ہاتھ سے کھانا پکوا کر مسلمانوں کی دعوت کرتا ہے تو کیا اس کی دعوت کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

مشرکین کے پاس کی ضیافت میں جانا اور ان کے پاس کھانا کھانا درست ہے البتہ ان کے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے عالمگیریہ جلد (۳) کتاب الکراہیۃ باب رابع عشر میں ہے لا بأس بطعام المجوس کله الا الذبیحة فان

ذبیحتہم حرام ردالمحتار جلد (۲) ص۳۹۹ کتاب النکاح باب نکاح الکافر میں ہے والمراد بالمجوسی من لیس لہ کتاب سماوی فیشمل الوثنی والدھری- ولا بأس بالذھاب الی ضیافۃ اھل الذمۃ ھکذا ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ-
پس جبکہ مسلمانوں کے ہاتھ سے پکوا کر کھلایا جاتا ہے تو اس کے کھانے میں کوئی کلام نہیں اگر اس مشرک کی آمدنی سود یا اشیاء حرام کی تجارت سے ہے تو بربنائے احتیاط و تقویٰ اس سے اجتناب اولیٰ ہے- واللہ اعلم بالصواب-

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بزرگ پیر طریقت کی مزار کے آمد و رفت کے راستہ میں حضرت پیران پیر کا جھنڈا واقع ہے راستہ تنگ ہونیکی وجہ سے جھنڈے کو باز و نصب کرکے زیارت کے لئے آمد و رفت کا راستہ وسیع کرنا درست ہے یا نہیں-

الجواب

جھنڈا چونکہ منتقل ہونے والی چیز ہے اس لئے اس کو باز و نصب کرکے عامۂ خلائق سے آمد و رفت کی تکلیف رفع کرنا درست ہے- واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ انبیا اور اولیا سے اون کے عین حیات اور بعد ممات توسل و استغاثہ یعنے کسی کام کے پورا کرنے میں ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے یا نہیں-
(۲) عبدالقادر شیئاً للہ کہنے کے متعلق کیا حکم ہے ہم نے بعض مشائخین کو ذکر میں

لا الٰہ الا اللہ عبد القادر شیئاً للہ کہتے سُنا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

انبیاء اور اولیاء سے ان کے حین حیات و بعد ممات توسل و استعانت و استغاثہ جائز ہے کیونکہ کرامت بعد الموت کا منکر فاسد الاعتقاد بلکہ اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے (عبد القادر شیئاً للہ) اگر اس معنے سے کہا جاوے کہ خدائے تعالیٰ محتاج ہے اور اس کے لئے عبد القادر سے کوئی چیز طلب کیجا رہی ہے تو بیشک اس کے کلمۂ کفر ہونے میں کچھ کلام نہیں۔ مگر اس سے عوام الناس کا یہ مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا۔ بلکہ حسنِ اعتقاد سے اُن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ توسل اور استمداد کیا جائے جس کے یہ معنے ہیں کہ یا عبد القادر اعطنی شیئاً للہ یعنے اے عبد القادر اللہ کے لئے مجھے کچھ دیجئے پس اس معنے کے لحاظ سے عبد القادر شیئاً للہ کہنا نہ کفر ہے نہ حرام۔ لا الٰہ الا اللہ عبد القادر شیئاً للہ یہ دو جملے ہیں ہر ایک اپنے اپنے صحیح معنے پر دلالت کرتا ہے یعنے لا الٰہ الا اللہ توحید پر اور عبد القادر شیئاً للہ توسل و استغاثہ پر اس لئے یہ کہنا بھی نہ کفر ہے نہ حرام۔ مگر اس ترکیب سے چونکہ یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ عبد القادر شیئاً للہ بجائے محمد رسول اللہ کے کہا گیا ہے اس لئے ایسے الفاظ منہ سے نکالنے میں احتیاط کرنا بہتر ہے۔

تنبیہ توسل میں کمال ادب کا لحاظ رہے اور ہرگز ایسے الفاظ کا استعمال نہ کریں کہ جن سے کفر و شرک کا وہم ہو۔ مثلاً یہ کہنا کہ یا عبد القادر مجھے اولاد دو۔ یا خواجہ مجھے نوکری دو۔ اگرچہ ایسا کہنا نہ کفر ہے اور نہ حرام ہے کیونکہ ہر ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے سوا حقیقۃ کوئی شخص نفع یا ضرر نہیں پہونچا سکتا اور اسلام کے قرینہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دینے کی نسبت جو غیر خدا کی طرف کر رہا ہے وہ مجازی ہے اور حقیقۃ ہر شئے کا دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تاہم ایسا طلب کرنا آداب توحید کے خلاف ہے۔ اور خصوصا عوام الناس کے لئے ایسے طریقہ سے باز رہنا نہایت اہم اور ضروری ہے۔ توسل کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اے پروردگار بطفیل فلاں بزرگ کے میرا یہ کام پورا کردے علامہ رملی اپنے فتاوے کے ص ۳۸۲ میں علامہ شوبری شرح المنہج کے ص ۱۷۵ میں لکھتے ہیں ویجوز التوسل الی اللہ تعالیٰ والاستغاثۃ بالانبیاء والمرسلین والعلماء والصالحین فی حیاتہم وبعد مماتہم لان معجزات الانبیاء وکرامات الاولیاء لا تنقطع بموتہم اما الانبیاء فلانہم احیاء فی قبورہم ویصلون ویحجون کما وردت الاخبار وتکون الاغاثۃ منہم معجزات لہم والشہداء احیاء عند ربہم شوہد وا نہارا یقاتلون الکفار- واما الاولیاء فہی کرامۃ لہم ویقع من الاولیاء بقصد وبغیر قصد فی حیاتہم وبعد مماتہم امور خارقۃ للعادۃ یجریہا اللہ لسببہم والدلیل علی جوازہا انہا امور ممکنۃ لا یلزم من جوازہا ووقوعہا محال و بالجملۃ ما جاز ان یکون معجزۃ لنبی جاز ان یکون کرامۃ لولی ولا فارق بینہما الا التحدی انتہی- علامہ رملی لکھتے ہیں وکرامات الاولیاء مشاہدۃ لا ننکرہا والذی نعتقدہ وندین بہ ثبوتہا فی حیاتہم وبعد مماتہم ولا تنقطع بموتہم ومنکرہا یخشی علیہ من سوء الخاتمۃ حافظ ابن حجر شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔ ولا ینکر الکرامۃ بعد الموت الا فاسد الاعتقاد انتہی۔ امام تقی الدین سبکی شفاء الاسقام کے صفحہ ۳۰

ہیں لکھتے ہیں یحسن التوسل والاستعانة بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ربہ وایضاً یجوز التوسل بسائر عباد اللہ الصالحین والقول بالخصوص بالنبی قول بلا دلیل اور مکہ معظمہ کے مفتی شافعیہ علامہ سید احمد دحلان اپنی کتاب درر سنیہ کے صـ۳۳ میں علماء سے نقل کرکے لکھتے ہیں والسلف والخلف من اهل المذاهب الاربعة استحبوا للزائر ان یقول بجاه القبر الشریف یارسول الله جئتک مستغفرا من ذنبی مستشفعا بک الی ربی اسی صفحہ میں ہے وذکر الفقهاء فی اٰداب السفر ان المسافر اذا انفلتت دابته بارض لیس بها انیس فلیقل یا عباد الله احبسوا۔ واذا ضل شیئا او اراد عونا فلیقل یا عباد الله اعینونی او اغیثونی فان لله عبادا لا تراهم ردالمحتار کے صـ۳۱ جزء ثالث میں ہے وفی شرح الوهبانیة بدرویش درویشان کفر بعضهم وصحح ان لا کفر وهو المحرر لکن اقول شیئ لله قیل بکفره ومنهم یا ناظر لیس بکفر (قیل بکفره) لعل وجهه انه طلب شیئا لله تعالی غنی عن کل شیئ والکل مفتقر ومحتاج الیه وینبغی ان یرجح عدم التکفیر فانه یمکن ان یقول اردت اطلب شیئا اکراما لله تعالی انتهی علامہ شیخ داؤد صلح الاخوان کے صـ۹۲ میں لکھتے ہیں وقال الشیخ خیر الدین الرملی الحنفی فی الفتاوی ولما قولهم یا شیخ عبد القادر شیئ لله فهو نداء واذا اضیف الیه شیئ لله فهو طلب شیئ اکراما لله فما الموجب لحرمته اھ اسی کتاب میں ہے ومعنی شیئ لله علی ما سمعت ممن یقولها من العوام ایها المنادی اعطنی شیئا لله ای لاجل الله کما یقول السائل ممن یسأله اعطنی درهما لله ای کرامة لله بغیة المسترشدین صـ۳۳۰ باب الرد علی اهل البدع میں ہے سئل السید عمر البصری عن قول الشیخ یا فلان الحوائج فی قول العامة یا فلان شیئ لله غیر عربیة لکنها من مولدات اهل العرف ولم یحفظ لاحد من الائمة نص فی النهی عنها ولیس المراد بها فی اطلاقهم شیئا یستدعی مغیرة الحرام او المکروه لانهم انما یذکرونها استمداحا او تعظیما لمن یحسنون فیه الظن انتهی اسی صفحہ میں ہے ینبغی تنبیه العوام علی الفاظ تصدر منهم تدل علی القدح فی توحیدهم فیجب ارشادهم واعلامهم بان لا نافع ولا ضار الا الله تعالی لا یملک غیره لنفسه ضرا ولا نفعا الا بارادة الله تعالی انتهی درر سنیہ کے صـ۱۵ میں ہے ینبغی ان یکون التوسل بالادب مع الفاظ التی لیس فیها ایهام کان یقول المتوسل اللهم انی اسئلک واتوسل الیک بنبیک صلی الله علیه وسلم وبالانبیاء قبله وبعباد الصالحین ان تعجل لی

كذا وكذا - معران تلك الالفاظ الموهمة لنا تير غيرالله تعالى يمكن حملها على المجاز من غير احتياج الى التكفير للمسلمين وذلك المجاز مجاز عقلى شائع معروف عند اهل العلم ومستعمل على السنة جميع المسلمين وارد فى الكتاب والسنة فالمسلم الموحد متى صدر منه اسناد لغير من هوله يجب حمله على المجاز العقلى والاسلام والتوحيد قرينة على ذلك المجاز كما نص على ذلك علماء المعانى فى كتبهم واجمعوا عليه ولا وجه لكونه شركاء ولا لكونه محرما التحى والله اعلم بالصواب -

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مشرکین ہنود یازدہم شریف کی نیاز اداکرکے اگر مسلمانوں سے اپنے مکان میں قرآن شریف کا ختم کرنے یا مولودخوانی کے لئے درخواست کریں کیا ان کی درخواست قابل لحاظ وعمل ہے ؟

الجواب

قرآن شریف و دیگر اذکار کے لئے یہ شرط ہے کہ نجس مقامات میں نہ پڑھے جائیں بلکہ پاک وصاف مقام میں جو خوشبو سے معطر کیا گیا ہو اور پڑھنے والے بھی باوضو وپاک صاف لباس پہنے ہوں درست ہے عالمگیریہ کے جلد (۵) کتاب الکراہیۃ باب الرابع میں ہے ویکرہ ان یقرأ القرآن فی الحمام وموضع النجاسات ولا یقرأ فی بیت الخلاء کذا فی فتاوی قاضیخان بنابریں مشرکین ہنود اگر مکان اچھی طرح آراستہ وپیراستہ کردیں اور کسی قسم کی نجاست وقبیح شئے وہاں نہ ہو تو مسلمانوں کے وہاں قرآن ومولود پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں -

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نصرانیوں کو قرآن و فقہ کی تعلیم دینا جائز ہے کہ شاید
وہ اس سے ہدایت پر آجائیں اور اپنے مذہب کو ترک کردیں اسی بنیاد پر نصرانی کا
نہا دھوکر قرآن کو ہاتھ لگانا بھی امام صاحب کے پاس جائز ہے عالمگیریہ جلد (۵)
کتاب الکراہیۃ باب الخامس میں ہے قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اعلم النصرانی
الفقہ والقرآن لعلہ یہتدی ولا یمس المصحف وان اغتسل ثم مس لا بأس بہ
کذا فی الملتقط پس صورت مسئولہ میں مشرکین کی درخواست اگر مسلمان اس نیت
سے کہ شاید خدائے تعالیٰ اس کے سننے سے ان کو اسلام کی توفیق و ہدایت دے
منظور کریں تو درست ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانۂ مبارک میں اسلام اخلاق کی وجہ سے زیادہ پھیلا یا معجزات اور جہاد کی وجہ سے

الجواب

معجزہ شریعت میں ایسے خلاف عادت کام کا نام ہے جو انبیاء علیہ السلام کی نبوت
کے ثبوت میں منکرین کو عاجز اور قائل کرنے کے لئے انبیاء علیہ السلام سے صادر ہوتا
ہے اور کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ شرح مقاصد جلد ثانی ص ۱۳ میں ہے
والمعجزۃ فی العرف امر خارق للعادۃ مقرون بالتحدی مع عدم المعارضۃ
قرآن شریف اور اخبار عن الغیب کے سوا جو معجزات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
ظہور میں آئے ان میں سے بعض تو ارہاصیہ تھے جو آپ کے دعوے نبوت سے کے
پہلے ظاہر ہوئے اور بعض تصدیقیہ تھے جو بعد نبوۃ تصدیق کے لئے ظاہر ہوئے

یہ جملہ معجزات تین قسم کے تھے ایک تو وہ جو آپ کی ذات مبارک میں ثابت تھے دوسرے وہ جو آپ کے صفات سے متعلق تھے۔ تیسرے وہ جو ذات وصفات سے خارج تھے۔ آپ کے نور کا آپ کے آبا و اجداد میں منتقل ہوتے ہوئے آنا اور آپ کا ختنہ ناف کٹی ہوئی پیدا ہونا اور طویل القامۃ اشخاص کے مقابل آپ کے قد کا طویل ہو جانا اور متوسط القامۃ اشخاص کے مقابل متوسط ہو جانا اور مہر نبوت کا آپ کے پشت مبارک پر ہونا یہ سارے معجزات آپ کی ذات سے متعلق تھے اور آپ کا صدق و امانت و عفت و شجاعت و فصاحت وسماحت اور زہد و تواضع و شفقت و صبر وغیرہ مکارم اخلاق میں اعلیٰ درجہ پر ہونا یہ معجزات آپ کے صفات سے متعلق تھے اور کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گرنا اور ابر کا آپ پر سایہ افگن ہونا اور چاند کا انگلی کے اشارے سے دو ٹکڑے ہو جانا اور استن حنانہ کا آپ کے فراق میں رونا انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا وغیرہ بے شمار و بے حساب معجزات یہ تمام آپ کی ذات وصفات سے خارج تھے شرح مقاصد جلد ثانی کے صفحہ (۱۳۸) میں ہے من انواع المعجزات افعال ظهرت منه عليه السلام على خلاف العادة تربى على الف قد فصلت فى دلائل النبوة بعضها ارهاصية ظهرت قبل دعوى النبوة وبعضها تصديقية ظهرت بعدها وتنقسم الى امور ثابتة فى ذاته وامور متعلقة لصفاته وامور خارجة عنهما فالاول كالنور الذى كان ينقلب فى اٰبائه الى ان ولد وكونه ولد مختونا مسرورا واضعا احدى يديه على عينيه والاخرى على سوئته وما كان من خاتم النبوة بين كتفيه وطول قامته عند الطويل ووساطته

عن الوسط ورويته من خلفه كما يرى من قدامه والثانی كاستجماعه
الغاية القصوى من الصدق والامانة والعفاف والشجاعة والفصاحة
والسماحة والزهد والتواضع لاهل المسكنة والشفقة على الامة
والمصابرة على متاعب النبوة والمواظبة على مكارم الاخلاق وكبلوغه
النهاية فی العلوم والمعارف الالهية وتمهيد المصالح الدينية والدنيوية
وكاجابة الدعوة على ما دعى لابن عباس رضی الله تعالى عنه بقوله
اللهم فقهه فی الدين فصار امام المفسرين ودعا على عتبة بن ابی لهب
بقوله اللهم سلط عليه كلبا من كلابك فافترسه الاسد وعلى مضر
بقوله اللهم اشدد وطاتك على مضر واجعل عليهم سنين كسنی
يوسف فمنع الله المطر منهم سنين وعلى من لحقه من الكفار حين
خرج من الغار بقوله يا ارض خذيه فساخت قوائم فرسه والثالث
كخرور الاوثان سجدا ليلة ولادته وسقوط شرف قصور الاكاسرة
واظلال السحاب عليه وكانشقاق القمر وانقلاع الشجر وتسليم الحجر
ونبوع الماء بين اصابعه الى ان رويت الجنود ودوابهم وشبع الخلق
الكثير من طعامه اليسير وحنين الجذع فی المسجد المدينة حين
انتقل منه الى المنبر وشكاية النوق من اصحابها وشهادة الشاة المشوية
يوم خيبر بانها مسمومة ودرور الضرع من الشاة اليائسة الجرباء لام
معبد حين مسح يده عليها وخطاب الذئب وهب ابن اوس لقوله تعجب
من احدى شاة هذا محمد يدعو الى الحق فلا تجيبونه وتسبيح الحصى وغير ذلك

مما لا یعد ولا یحصی تاریخ خمیس کے جلد اول صفحہ (۲۵۱) میں ہے ومن معجزاتہ احیاء الموتی باذن اللہ واسماع الاصم ورد الشمس وقلب الاعیان والاطلاع علی الغیب وظل الغمام وارواء الاکلامرکذا ذکرہ فی سیرۃ معلطائی معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر من ان یحصرھا کاتب او یجمعھا دیوان کذا ذکرہ فی سیرۃ الیعمری پس جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ بھی منجملہ معجزات کے ایک معجزہ ہیں اور آپ کے معجزات اس قدر بے گنتی ہیں کہ جس کو نہ کوئی یاد رکھ سکتا ہے اور نہ قلمبند ہو سکتے اور معجزہ شریعت میں ایسے خلاف عادت کام کا نام ہے جو لوگوں کو قائل کرنے اور نبوت کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے تو محض ایک معجزۂ اخلاق کو باقی تمام معجزات کے مقابل اسلام کے پھیلانے اور شائع کرنے میں کسی طرح فضیلت وترجیح نہیں ہو سکتی۔ کفار کے ایمان قبول کرنے کیلئے اخلاق نبویہ بمضمون آیۃ کریمہ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن نزول آیۃ جہاد تک زیادہ برتے گئے اس کے بعد جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو پھر تلوار سے کام لیا گیا اور جو نرمی و مروت ضرورت سے زیادہ کفار کے ساتھ برتی جاتی تھی وہ ان کی کج فہمی اور شرارت کے سبب آیۃ جہاد سے ختم کردی گئی اور جبکہ جہاد کے بدولت آنحضرت کے حین حیات تمام عرب مشرف باسلام ہو گئے تھے اور آپ کے بعد بھی جہاد ہی بے شمار فتوحات اور شرق سے غرب تک اسلام پھیلانے کا باعث رہا تو پھر یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ محض اخلاق از دیاد اسلام کا باعث ہیں ان کے مقابل دیگر معجزات و جہاد اسلام کے شائع کرنے میں زیادہ کارگر نہیں ہوے۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات جب تک کہ آیۃ جہاد کا نزول نہیں ہوا دلائل واضحہ ومعجزات سے اگرچہ لوگ مشرف باسلام ہوتے رہے مگر اکثر ساکنان ملک عرب کو یہ انتظار تھا کہ آپ کو قبیلۂ قریش پر اگر فتحمندی حاصل ہو اور شہر مکہ آپ کے زیر فرمان ہو جائے تو پھر سب مسلمان ہو جائیں گے چنانچہ جب جہاد کا حکم نازل ہوا اور جہاد سے حرم کعبہ کے کفار پر آپ کو فتح نصیب ہوی اور تمام عرب کے کفار فوج فوج اسلام قبول کرنے لگے تب چار دانگ عالم پر یہ ثابت کرا دیا گیا کہ خانہ کعبہ پر سوائے للّٰہی فوج کے کوئی مدعی کاذب و دنیادار حاکم مسلط نہیں ہو سکتا۔ مشکوٰۃ شریف کے کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ میں بخاری شریف سے منقول ہے عن عمرو بن سلمۃ قال کنا بماء ممر الناس یمر بنا الرکبان نسالھم ما للناس ما للناس ما ھذا الرجل فیقولون یزعم ان اللہ ارسلہ اوحی الیہ واوحی الیہ کذا فکنت احفظ ذلک الکلام فکانما یغری فی صدری وکانت العرب تلوم باسلامھم الفتح فیقولون اترکوہ وقومہ فانہ ان ظھر علیھم فھو نبی صادق فلما کانت وقعۃ الفتح بادر کل قوم باسلامھم وبدر ابی قومی باسلامھم تفسیر کبیر میں سورۃ اذا جاء نصر اللہ کی تفسیر میں ہے عن الحسن انہ قال لما فتح رسول اللہ مکۃ اقبلت العرب بعضھا علی بعض فقالوا اذا ظفر باھل الحرم وجب ان یکون علی الحق وقد کان اللہ اجارھم من اصحاب الفیل وکل من ارادھم بسوء ثم اخذ وا ید خلون فی الاسلام افواجا من غیر قتال پس صورت مسئولہ میں اخلاق کے سوا دیگر معجزات اور جہاد کو اسلام کی اشاعت میں زیادہ دخل ہے محض اخلاق ان دونوں کے مقابل ازدیاد اسلام کے باعث نہیں واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فقراء و مشائخین کے لیے پائجامہ پہننا درست ہے یا نہیں اور فقراء کو اس سے احتراز کرنا لازم ہے کیا

الجواب

پائجامہ پہننا چونکہ سنت ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا یا اس کے پہننے کو مکروہ جاننا سنت سے احتراز و انکار کرنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من رغب عن سنتی فلیس منی یعنے جو کوئی میری سنت سے انکار کیا وہ میری امت سے خارج ہے عالمگیریہ جلد (۵) صـ۳۳۳ کتاب الکراہیۃ فصل تاسع فی اللبس میں ہے لبس السراویل سنۃ وھو من استر الثیاب للرجال والنساء کذا فی الغرائب - واللہ اعلم بالصواب -

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ماہ رمضان المبارک میں چار پانچ قرآن شریف ختم کیا اور اس کا ثواب اپنے بزرگوں کے نام جن کی تعداد (۵۰) ہے بخشدیا کیا یہ ثواب تقسیم ہوکر ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا ملیگا یا ہر شخص کو پورا پورا ملیگا -

(۲) اگر کوئی شخص تراویح میں حافظ قرآن کے ساتھ ابتداء سے ختم تک نماز میں شریک رہے اور بعد ختم اس ختم کے سننے کا ثواب اپنے بزرگوں کے نام بخشدے تو درست ہے یا نہیں -

الجواب

انسان ہر ایک عبادت کا ثواب غیر لوگوں پر ایصال کر سکتا ہے اور جس طرح مُردوں پر ایصال کر سکتا ہے اسی طرح زندوں پر
بھی ایصال کر سکتا ہے اور چونکہ خداوند عالم کا فضل اور اس کی رحمت وسیع ہے
اس لئے اس کا بخشا ہوا ثواب ہر ایک کو پورا پورا ملتا ہے اور اس کے ثواب میں
بھی کچھ کمی نہیں ہوتی رد المحتار جلد (۱) صـ۶۳۱ میں ہے صرح علماؤنا فی باب الحج
عن الغير بان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة او صوما او
صدقة او غيرها كذا فى الهداية بل فى زكاة التتارخانية عن المحيط الا
فضل لمن يتصدق نفلا ان ينوى لجميع المومنين والمومنات لانها
تصل اليهم ولا ينقص من اجره شئ اسی صفحہ میں ہے وفی البحر من
صام او صلى او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز
ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة كذا فى البدائع ثم قال
وبهذا علم انه لا فرق بين ان يكون المجعول له ميتا او حيا والظاهر انه
لا فرق بين ان ينوى به عند الفعل للغير او يفعله لنفسه ثم بعد
ذلك يجعل ثوابه لغيره لاطلاق كلامهم وانه لا فرق بين الفرض
والنفل صـ۶۳۲ میں ہے سئل ابن حجر المكى عما لو قرأ لاهل المقبرة الفاتحة
هل يقسم الثواب بينهم او يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملا
فاجاب بانه افتى جمع بالثانى وهو اللائق بسعة الفضل در المختار مطبوعہ
بر حاشیہ رد المحتار جلد (۲) صـ۲۴۲ کتاب الحج باب الحج عن الغیر میں ہے الاصل
ان كل من اتى بعبادة ما له جعل ثوابها لغيره وان نواها عند الفعل لنفسه
لظاهر الادلة رد المحتار میں ہے (قوله بعبادة ما) اى سواء كانت

صلاۃ اوصوماً اوصدقۃ اوقرأۃ اوذکراً اوطوافاً اوحجاً اوعمرۃ او غیرذلک من زیارۃ قبور الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام والشہداء والاولیاء والصالحین وتکفین الموتیٰ وجمیع انواع البر کذا فی الہندیۃ وقدمنا فی الزکاۃ عن التتارخانیہ عن المحیط الافضل لمن یتصدق نفلاً ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانہا تصل الیہم ولا ینقص من اجرہ شئ اھ وفی البحر بحثاً ان اطلاقہم شامل للفریضۃ لکن لا یعود الفرض فی ذمتہ لان عدم الثواب لا یستلزم عدم السقوط عن ذمتہ اھ علی ان الثواب لا ینعدم کما علمت وسنذکر فیما لو اھل بحج عن ابویہ انہ قیل انہ یجزیہ عن حج الفرض وھذا یؤید ما بحثہ فی البحر واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف بخط عربی ایک کالم میں اور وہی نظم پاک بخط مرہٹی دوسرے کالم میں یا قرآن شریف بخط عربی نہ لکھا جاکر صرف مرہٹی خط میں لکھا جائے اور اس کے محاذی ترجمہ بزبان مرہٹی اور اس کے ذیل میں تفسیر وغیرہ طبع ہوکر ان مسلمانوں کے لئے جو زبان اردو نہیں جانتے اور غیر مسلم مرہٹی قوم برہمن وغیرہ اقوام ہنود کی ہدایت کے لئے بغرض اشاعت اسلام شائع کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

قرآنِ شریف کو بہتر اور واضح خط میں عمدہ اور سفید کاغذ پر جلی قلم اور

چمکدار سیاہی سے کشادہ سطروں میں شاندار حروف سے لکھنے کا حکم ہے اور اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ غیر قرآن کوئی چیز نظم قرآن کے سوا قرآن میں ملا کر نہ لکھی جائے عالمگیریہ جلد (۵) کتاب الکراہیۃ باب خامس میں ہے

وینبغی لمن اراد کتابۃ القرآن ان یکتبہ باحسن خط وابینہ علی احسن ورقۃ وابیض قرطاس بافخم قلم وابرق مداد ویفرج السطور ویفخم الحروف ویضخم المصحف ویجردہ عما سواہ من التعاشیر وذکر الآی وعلامات الوقف صونا لنظم الکلمات کما ہو مصحف الامام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کذا فی القنیۃ اسی صفحہ میں ہے عن الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انہ یکرہ ان یصغر المصحف وان یکتب بقلم دقیق وہو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ قال الحسن وبہ ناخذ قرآن شریف کی عظمت شریعت میں چونکہ اس درجہ رکھی گئی ہے اور اس کی کتابت میں امور مندرجہ بالا قابل لحاظ سمجھے گئے ہیں اس لئے تاحال قرآن شریف عربی حروف کے سوا غیر عربی نہ لکھا گیا اور نہ سلف صالحین سے کسی نے اس پر جرأت کی اگرچہ بین السطور اردو ترجمہ بغرض تفہیم شائع کیا گیا مگر چونکہ اردو عموماً عربی و فارسی سے ماخوذ ہے جس میں عربی تو قرآنی زبان ہے اور فارسی بھی بفحوائے (لسان اہل الجنۃ العربیۃ والفارسیۃ الدریۃ) اسلامی زبان تسلیم کی گئی ہے اس لئے اردو ترجمہ کے قرآن کے ساتھ طبع ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں اس کے سوا کسی اور غیر اسلامی زبان کے الفاظ کی صورت میں نظم قرآن کا لکھا جانا اور طبع ہونا یا اس کے ساتھ غیر زبان کا ترجمہ شائع ہونا قرآن شریف کے انکسار شان کا باعث ہے قطع نظر اس کے مرہٹی زبان

میں (ح ہ) (ذ ض ز ظ) (ص س ث) (خ ق ک) (ف پ) (ج ز) ان بین القوسین
حروف کے مخارج میں کوئی فرق و تمیز نہیں پس جب قرآن پاک اس زبان کے
حروف و صورت میں لکھا جائیگا تو ضرور بروقت قرأۃ ہر ایک لفظ کا مخرج دوسرے
سے متبدل ہوگا اور کتابت میں بھی کوئی فرق نہیں رہے گا جس سے نظم قرآن پاک
میں ضرور تبدل و تغیر پیدا ہوگا اور بعض تلفظ موجب کفر ہوگا خاص کر مرہٹی دان
مسلمانوں کے ذہن میں ان متبدل حروف کا حروف قرآنی راسخ ہوجانا باعث سوء
اعتقاد ہے اور جبکہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ سے ہر ایک مومن
ناخواندہ پر قرآن پاک اور اس کے علوم سیکھنا فرض کیا گیا ہے تو اس کی کوئی وجہ نہیں کہ
ان کی سہولت کے لئے قرآن خود ان کی زبان کی صورت میں طبع کرایا جاوے اور
وہ قرآن منزل بزبان عربی کے اصلی نقوش و اشکال (جو سلف سے خلف تک بدون
تغیر و تبدل چلے آرہے ہیں) سیکھنے کے طرف مائل نہ کئے جائیں خصوصاً عربی سے ناواقف
اشخاص جبکہ کلام پاک کے معنے نہیں جانتے اور نہ سمجھ سکتے تو ان کے لئے کلام پاک کو
بشکل مرہٹی لکھنا بھی بیکار ہے اور جب عربی سیکھ لیں تو پھر عربی اشکال سے کونسی
شکل اس کے لئے بہتر و مفصل ہوسکتی ہے اور اس وقت جبکہ کثرت طبع کے سبب سے
قرآن پاک کے اوراق مسلمانوں کے ہاتوں سے کچرے کوڑے میں پڑ جاتے ہیں جن کے
دیکھنے دل کانپ جاتا ہے تو بھلا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ مرہٹی اشکال میں لکھے ہوے
کلام پاک کے اوراق کی تعظیم غیر مرہٹی دان مسلمانوں کے ہاتھ میں باقی رہے گی
اور جب موجودہ رفتار زمانہ نے خود مسلمانوں کو اس درجہ تعظیم و تکریم سے بے پروا
کردیا ہے تو غیر مسلم اقوام سے کلام الٰہی کے تعظیم کی کس طرح امید ہوسکتی ہے بلکہ اسی طرح

دشمنانِ اسلام کو توہین کا قوی ذریعہ ہاتھ آجائیگا قال اللہ تعالی ولا تتخذوا آیات اللہ
ھزوا نظر بریں وجوہ قرآن پاک کے الفاظ کا مرہٹی شکل میں لکھا جانا یا عربی میں لکھا جاکر
مرہٹی میں ترجمہ کی اس کے ساتھ آمیزش کرنا نادرست ونامناسب ہے البتہ محض ترجمہ
بدون کلام پاک کے شائع کیا جاے اور کلام پاک کے ہر ایک آیۃ کا ترجمہ بدون الفاظ
قرآنی کے ابتدار صفحہ میں جلی قلم سے بجاے کلام پاک کے مرہٹی میں لکھا جاے اور
اس کے تحت اس کی تفسیر مرہٹی میں کی جائے تو مناسب ہے ہدایت واشاعۃ جبکہ
بفحواے ان من البیان لسحرا زبان سے نہایت مفید وموثر طریقہ سے ہوسکتی ہے تو
امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے زبانی وعظ ونصیحت اس اشاعت تحریری سے
بہتر ہے واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ جو حضرات طریقہ نقشبندیہ میں
بیعت رکھتے ہیں ان کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا کہ خلیفہ اول
ہیں ویسا ہی ان کی فضیلت بھی بہ نسبت ہر سہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم پر ثابت ہے
جو حضرات کہ طریقۂ قادریہ وچشتیہ میں بیعت رکھتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ہر چہار
صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم فضیلت میں برابر ہیں کسی صحابی کو اصحاب اربعہ سے دوسرے
پر ترجیح نہیں دیجاسکتی کیونکہ ہر چہار صحابۂ رضی اللہ عنہم مثل آفتاب کے ہیں البتہ
خلافت علی الترتیب ہے لہذا استدعا ہے کہ احادیث وروایات سے کیا
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت بسبب خلیفۂ اول ہونے کے
ہر سہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر ثابت ہے یا چہاروں صحابہ فضیلت میں برابر ہیں

بینوا توجروا۔

الجواب

اہل سنت والجماعۃ کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں آپ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے بعد حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ۔ آپ کے بعد علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ یہی عقیدہ ہمارے تمام اسلاف کا چلا آرہا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارے اسلاف ہم سے زیادہ عالم اور عقائد اسلامیہ سے واقف تھے ان کا اس طرح عقیدہ رکھنا ہرگز بلا دلیل نہیں ہو سکتا شرح عقائد نسفی مطبوعہ یوسفی کے ص ۱۰۷ میں ہے (وافضل البشر بعد نبینا ابوبکر الصدیقؓ) الذی صدق النبی عم فی النبوۃ من غیر تلعثم وفی المعراج بلا تردد (ثم عمر الفاروقؓ) الذی فرق بین الحق والباطل فی القضایا والخصومات (ثم عثمان ذو النورینؓ) لان النبی زوج الرقیۃ ولما ماتت رقیۃ زوج ام کلثوم ولما ماتت قال لو کانت عندی ثالثۃ لزوجتکھا (ثم علی المرتضیؓ) من عباد اللہ وخلص اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا وجدنا السلف والظاھر انہ لو لم یکن لھم دلیل علی ذٰلک لما حکموا بذٰلک پس از روے فتوے تمام اہل سنت والجماعۃ پر سلف کے عقیدہ کی طرح اپنا عقیدہ رکھنا لازم ہے حضرات قادریہ وچشتیہ کا فضیلت میں سب کو برابر سمجھنا یہ محض سائل کا بیان ہے اس کو کسی معتبر حوالہ اور دلیل سے ثابت کرنا مدعی کے ذمہ ہے البتہ بعض حضرات صوفیہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے امام الاولیاء ہونے کی وجہ سے ایک خاص محبت ہوتی ہے چونکہ اہل طریقت کو اکثر ان کے ذوق

وکشف خاص سے ایسی بات حاصل ہوتی ہے اس لئے عام مسلمانوں کے لئے بزرگان کے مشرب سے نہیں ہیں جب تک کہ ان لوگوں کو ایسا ذوق وکشف حاصل نہو ہر بات میں ان بزرگواروں کی برابری کرنا بہتر نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں داڑھی مونڈھنا اور کترنا جائز ہے یا ناجائز اور کس قدر داڑھی رکھنا سنّت ہے بینوا توجروا۔

الجواب

داڑھی کُل مونڈھنا یہ ہندوستان کے یہودی اور عجم کے مجوسیوں کا فعل ہے شرعاً یہ فعل اصلا جائز نہیں ہے اور داڑھی کترانا یہ فعل بعض اہل مغرب اور مخنثوں کا ہے شرعاً یہ بھی ناجائز ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۲) صـــ ۱۲۳ میں ہے واما الاخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد واخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الاعاجم (فتح) ایک مٹھی رکھنا سنّت ہے ایک مٹھی سے زیادہ ہونے کی صورت میں کترانا شرعاً جائز ہے درمختار میں اسی صفحہ میں ہے تطويل اللحية اذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة اسی صفحہ میں ردالمحتار میں ہے لا بأس بان يقبض على لحيته فاذا زاد على قبضة شئ جزءكما في المنية وهو سنة كما في المنتقى۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس جگہ

مرض طاعون شائع ہو۔ وہاں سے مسلمانوں کو تبدیل مقام کرنا جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز ہے نقل مقام کرنے والا مرتکب کبیرہ ہے یا اس کے ذمہ کفر عائد ہوتا ہے اور اس کی امامت درست ہے یا نہیں۔

خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی کے زمانہ میں ملک شام میں جب فوج اسلام میں مرض طاعون شائع ہوا تھا آپ نے فوج کو وہاں سے منتقل ہونے کا حکم دیا تھا یا نہیں اگر اس زمانہ میں جہاں کہیں مرض طاعون شائع ہو وہاں سے نقل مقام کرنا بموجب حکم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جائز ہو سکتا ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

طاعون کے زمانہ میں کسی ضرورت کے لئے طاعون زدہ مقام سے باہر جانا اس کے جواز پر تمام اہل مذاہب کا اتفاق ہے نوادی شرح مسلم جلد ثانی کے صد ۲۲۹ باب الطیرۃ والطاعون میں ہے واتفقوا علی جواز الخروج بشغل وعرض غیر الفرار اور فتح الباری شرح بخاری جلد (۱۰) صد ۱۵۹ میں ہے ومن خرج لحاجۃ متمحضۃ لا لقصد الفرار اصلا ویتصور ذلک فیمن تھیأ للرحیل من بلد کان بھا الی بلد اقامتہ مثلا ولم یکن الطاعون وقع فاتفق وقوعہ فی اثناء تجھیزہ فھذا لم یقصد الفرار اصلا فلا یدخل فی النھی اگر کوئی طاعون زدہ مقام سے بغرض تبدیل آب وہوا یہ خیال کرکے نکلے کہ اس مقام سے نکل جانا یہ بھی اس مرض کی ایک دوا ہے تو یہ جائز ہے عینی شرح بخاری مصری جلد (۱۰) صد ۱۸۷ باب الطاعون میں اور شمس التواریخ مؤلفہ

مجمع حادث اللہ کے جلد خلافت عمرؓ میں ہے کہ ربیع الآخر ۱۸ھ میں جبکہ ملک شام کے
ایک شہر عمواس میں طاعون شائع ہوگیا تھا اور تین ہزار مسلمان اس سے فوت ہوگئے
تھے اس کے انتظام کے لئے خود حضرت خلیفۂ وقت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما
ہو رہے تھے راستے میں لشکروں کے افسر ابو عبیدہ بن جراحؓ اور آپ کے
اصحاب سے ملاقات ہوئی ان حضرات نے مرض کی شدت بیان کی تب آپ
حسب مشورہ صحابہ کبار و حدیث صحیح اذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه
مقام سرغ سے واپس ہوئے اور مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد آپ نے ابو عبیدہؓ
رضی اللہ عنہ کو جو کہ لشکر کے ساتھ مقام طاعون میں تشریف رکھتے تھے یہ تحریر فرمایا
کہ لشکر کو بغرض تبدیل آب و ہوا طاعون زدہ مقام سے نکال کر دوسری جگہ رکھیں
حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح عمل کیا اور بفضل خدا مقام بدلنے سے
طاعون دفع ہوگیا۔ فتح الباری کے جلد (۱۰) صفحہ ۱۵۹ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے
ومن اجاز نظر الی انه مستثنیٰ من عموم الخروج فراراً لانه لم یتمحض للفرار وانما
هو لقصد التداوی وعلیٰ ذلك يحمل ما وقع فی اثر ابی موسیٰ المذکور ان
عمر کتب الی ابی عبیدة ان لی الیك حاجة فلا تضع کتابی من یدك
حتیٰ تقبل الی فکتب الیه انی قد عرفت حاجتك وانی فی جند من
المسلمین لا اجد بنفسی رغبة عنهم فکتب الیه اما بعد فانك نزلت
بالمسلمین ارضاً عمیقة فارفعهم الیٰ ارض نزهة فدعا ابو عبیدة ابا
موسیٰ فقال اخرج فارتد للمسلمین منزلاً حتی انتقل بهم فذکر القصة
فی اشتغال ابی موسیٰ باهله و وقوع الطاعون لابی عبیدة لما وضع رجله

فی الرکاب متوجّھا وانہ نزل بالناس فی مکان آخر فارتفع الطاعون وقولہ غمیقۃ لغین معجمۃ وقاف بوزن عظیمۃ ای قریبۃ من المیاہ والنزور وذالک مما یفسد غالبا بہ الھواء لفساد المیاہ والنزھۃ الفسیحۃ البعیدۃ عن الرخم فھذا یدل علی ان عمر رائ ان النھی عن الخروج انما ھو لمن قصد الفرار متمحضا ولعلہ کانت لہ حاجۃ بالی عبیدۃ فی نفس الامر فلذالک استدعاہ وظن ابوعبیدۃ انہ انما طلبہ لیسلم من وقوع الطاعون بہ فاعتذر عن اجابتہ لذالک وقد کان امر عمر لابی عبیدۃ بذالک بعد سماعھما للحدیث المذکور من عبد الرحمن بن عوف فتاول عمر فیہ ما تاول واستمر ابوعبیدۃ علی الاخذ بظاھرہ وایدہ الطحاوی صنع عمر بقصۃ العرنیین فان خروجھم من المدینۃ کان للعلاج لا للفرار وھو واضح من قصتھم اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بھی اس موقع پر جبکہ آپ حضرت ابوعبیدہ ومعاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کے اس مرض سے شہید ہونے کے بعد امیر لشکر ہوئے اس مرض سے (بغرض تبدیل آب وہوا وعلاج پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگل کی طرف) بھاگ کر نکل جانے کا لشکر کو حکم دیا ہے چنانچہ شمس التواریخ مؤلفہ مولانا محمد سعادت اللہ مطبوعہ مطبع منبع النور آگرہ حصۂ خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے صفحہ ۴۲۵ میں اس کی صراحت کی گئی ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ نے شرح مسلم جلد ثانی مطبوعہ مطبع انصاری کے صفحہ ۲۲۸ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول اسطرح نقل کیا ہے وقال عمرو بن العاص فروا عن ھذا الرجز فی الشعاب والاودیۃ ورؤس الجبال اور اس قسم کی اجازت اکابر دین کی ایک جماعت سے بھی ثابت ہے جن میں

صحابۂ کرام سے ابوموسے اشعری ومغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر اور تابعین سے اسود بن ہلال ومسروق رحمہما اللہ جیسے کاملین شریک ہیں۔ فتح الباری شرح بخاری مصری کے جلد (۱۰) ص۱۵۸ میں ہے ونقل عیاض وغیرہ جواز الخروج من الارض التی یقع بھا الطاعون عن جماعۃ من الصحابۃ منھم ابوموسی الاشعری والمغیرۃ بن شعبۃ ومن التابعین منھم الاسود بن ھلال و مسروق موسم وبار وطاعون میں اصلاح آب وہوا سے اس مرض کی دوا کرنے کے لئے طاعون ووبا زدہ مقام سے دور ہوجانے کے متعلق ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد (۱۰) ص۱۵۹ میں ابوداؤد سے بروایت فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ یہ حدیث نقل کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ویدخل فیہ ما اخرجہ ابوداؤد من حدیث فروۃ بن مسیک بمھملۃ وکاف مصغر قال قلت یا رسول اللہ ان عندنا ارضا یقال لھا ابین ھی ارض ریفنا ومیرتنا وھی وبئۃ فقال دعھا عنک فان من القرف التلف قال ابن قتیبۃ القرف القرب من الوباء وقال الخطابی لیس فی ھذا اثبات العدوی وانما ھو من باب التداوی فان استصلاح الاھویۃ من انفع الاشیاء فی تصحیح البدن وبالعکس یعنے فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ ہمارے زراعت وغلہ اندازی کی ایک زمین میں جس کو ابین کہتے ہیں وبا آگئی ہے اب ہمیں کیا کرنا چاہئے آپ نے فرمایا کہ اس زمین کو چھوڑ دو کیونکہ اس کی نزدیکی سے ہلاکت ہے خطابی کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک دوا ہے کیونکہ تبدیل ہوا بدن کی صحت کے لئے نہایت نافع ہے۔

ف طاعون زدہ مقام سے یہ خیال کرکے بھاگ جانا کہ اگر ہم یہاں رہیں گے تو ضرور مرینگے اور اگر بھاگ جائیں گے تو موت سے بچیں گے یعنے یہاں رہنے سے موت ضرور آتی ہے اور بھاگنے سے نہیں آتی اور جو لوگ بھاگ گئے ہیں وہ موت سے بچ گئے اور جو باقی ہیں وہ نہ جانے سے مر رہے ہیں اس قسم کے ارادے و نیّت سے بھاگنا شرعاً ممنوع ہے اور یہ عقیدہ بالکل خلاف شریعت ہے کیونکہ بفحوائے آیۂ کریمہ حیثما تکونوا یدرککم الموت وان کنتم فی بروج مشیدۃ اور آیۃ اذا جاء اجلھم لا یستأخرون ساعۃً ولا یستقدمون موت انسان کو سمنت و مستحکم برجوں میں بھی نہیں چھوڑتی اور آیا وقت ٹلتا نہیں پھر اس شخص کا اس طرح اپنے کو بچانا بالکل بے سود ہے یہی وجہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں بھی طاعون سے بھاگ جانے کی ممانعت کی گئی اور بھاگنے والا گناہ میں جہاد سے بھاگنے والے کے برابر سمجھا گیا یعنے جہاد سے بھاگنے والا جس طرح موت سے ڈر کر بھاگتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اگر میں جنگ میں شریک ہونگا تو ضرور مارا جاؤنگا اور بھاگ جانے سے ضرور میری نجات ہے اور اس کا یہ اعتقاد موت کے متعلق ہر دو آیۂ کریمہ کے بالکل خلاف ہے اسی طرح اس کا بھی حال ہے بخاری شریف کے باب الطاعون میں عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ واذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا فرارًا منہ اور جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے الفار من الطاعون کالفار من الزحف والصابر فیہ کالصابر فی الزحف اور یہی بد اعتقادی ان احادیث صحیحہ میں بھاگنے کی ممانعت کا سبب بتائی گئی ہے چنانچہ

فتح الباری کی جلد (۱۰) کے صفحہ ۱۵۸ میں ہے وہی من وقع وہو بہا ان یخرج من الارض التی نزل بہا لئلا یسلم فیقول مثلاً لو اقمت فی تلک الارض الاصابنی ما اصاب اہلہا ولعلہ لو کان اقام بہا ما اصابہ من ذلک شیٔ اھ ویؤیدہ ما اخرجہ الہیثم بن کلب والطحاوی والبیہقی بسند حسن عن ابی موسیٰ انہ قال ان ہذا الطاعون قد وقع فمن اراد ان یتنزہ عنہ فلیفعل واحذروا اثنتین ان یقول قائل خرج خارج فسلم وجلس جالس فاصیب فلو کنت خرجت لسلمت کما سلم فلان اولو کنت جلست اصبت کما اصیب فلان لکن ابو موسیٰ حمل النہی علی من قصد الفرار محضاً ولاشک ان صور تلاث من خرج لقصد الفرار محضاً فہذا اینا ولہ النہی لا محالۃ بلکہ بعض علماء نے اس بداعتقادی کے اندیشہ سے بربناء ظاہر احادیث بھاگنے کو حرام لکھا ہے چنانچہ فتح الباری میں اسی جگہ ہے وخالفہم جماعۃ فقالوا یحرم الخروج منہا لظاہر النہی الثابت فی الاحادیث الماضیۃ وہذا ہو الراجح عند الشافعیۃ اور ایسے لوگوں کو ایام سابقہ میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے سزا بھی دی گئی ہے جیسا کہ تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی کے صفحہ ۱۶۹ میں آیۂ کریمہ الم تر الی الذین خرجوا الخ کی تفسیر میں ہے قولہ تعالیٰ الم تر الی الذین خرجوا من دیارہم وہم الوف حذر الموت فقال لہم اللہ موتوا ثم احیاہم ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون اعلم ان الآیات فی عدم الفرار من الموت کثیرۃ وہذا اولہا وقصتہا علی ما فی الحسینی علی

روایۃ انہ لما نشأت الوباء فی قریۃ وان قیل واسط خرج بعضھم من حوالیھم وسلموا جمیعًا واستقرا بعضھم فی بیوتھم فھلکوا فتیقنوا ان الخروج عن الوباء سبب النجاۃ فمضی علیہ الزمان ثم وتم الی ان نشأت الوباء فی سنۃ اخری خرجوا من دیارھم جمیعًا وھم الوف کثیرۃ ثمانیۃ الاف او اربعون او سبعون الف رجل وانما خرجوا جمیعًا حذرًا عن الموت وخشیۃ فقال لھم اللہ موتوا او قال لھم ملکان ملک من اعلی الوادی وملک من اسفلھا فماتوا جمیعًا الخ یعنے بنی اسرائیل کے زمانہ میں جبکہ قریہ وان میں وباء آئی تھی تب وہاں کے بعض لوگ گھر چھوڑ کر چلدئے اور بچ بھی گئے اور بعض گھروں میں بھی رہے اور مرگئے پس اس واقعہ سے ان لوگوں کو یہ یقین ہوگیا کہ بھاگ جانے سے انسان موت سے بچتا ہے اور رہنے سے نہیں بچتا چنانچہ جب دوبارہ وبا نازل ہوئی تب وہ سب کے سب جنکی تعداد علی اختلاف روایات ستر ہزار تھی گھر چھوڑ کر بھاگ گئے اور یہ خیال کرلئے کہ اب ہم موت سے بچ گئے خدا نے تعالی نے ان کے اس ناشائستہ عقیدہ کی یہہ سزا دی کہ بحکم خداوندی وہ سب کے سب یکلخت مرگئے اس کے ایک عرصہ کے بعد جب حزقیل بن سوریا علیہ السلام کا وہاں گذر ہوا تب آپ نے دعا فرمائی اور وہ زندہ ہوگئے پھر ان پر یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ موت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا اور ہمارا خیال بالکل غلط تھا اور اس بدعقیدگی کی وجہ سے مصنف تفسیر احمدی نے اس کے بعد والے صفحہ میں طاعون زدہ مقام سے بھاگنے اور باہر سے وہاں آنے دونوں کو حرام لکھا ہے چنانچہ عبارت یہ ہے والمآل

من ھذہ الرؤیۃ انہ قد تقرر اذا وقع فی بلد وباء وطاعون حرم الفرار منہ
وکذا احرم الدخول فیہ پس صورت مسئولہ میں ضرورتمند اشخاص کو اوران ضعیف
القلب مسلمانوں کو جو اس ہنگامہ کی وحشت سے گھبرا کر پریشان وخفقان زدہ ہو جاتے
اور بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں کو جو عموماً ضعیف القلب ہوتے ہیں طاعون وو با زدہ مقام سے
کسی ضرورت کے لئے جانا یا بغرض علاج تبدیل آب وہوا کی نیت سے جانا جائز ہے اور موت
سے ڈر کر بھاگنا ناجائز ہے قوی دل اشخاص کو جو مستقل مزاج ہیں اوران کو اس ہنگامہ سے
کسی طرح پریشانی نہیں ہے چاہئے کہ ایسے مقام میں رہکر شہادت کا ثواب حاصل کریں
کیونکہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ طاعون سے مرنے والا شہید ہے اسیطرح وہ شخص
جو کہ طاعون زدہ مقام میں استقلال سے قضاء الٰہی پر صبر کرتا ہے اگر زندہ رہے تو بھی اسکو
شہادت کا ثواب ملتا ہے اور اگر کسی دوسری بیماری سے مرے تو بھی اسکو شہادت کا
ثواب ملتا ہے اور یہ مرض مسلمانوں کے لئے رحمت ہے بخاری شریف کے باب الطاعون
میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الطاعون شہادۃ لکل مسلم اور جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ومن
صبر کان لہ اجر الشہید اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہا
سئلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الطاعون فاخبرہا
نبی اللہ تعالیٰ انہ کان عذابا یبعثہ اللہ علی من یشاء فجعلہ اللہ
رحمۃ للمومنین فلیس من عبد یقع الطاعون فیمکث فی بلدہ صابرا یعلم
انہ لن یصیبہ الا ما کتب اللہ لہ الا کان لہ مثل اجر الشہید
اور رد المحتار مصری کے جلد (۱) صفحہ ۶۳۸ باب الشہید میں ہے (قولہ والمطعون)

وکذا من مات فی زمن الطاعون بغیرہ اذا اقام فی بلدہ صابراً محتسباً فان لہ اجر الشہید کما فی حدیث البخاری صورت مسئولہ میں جو مسلمان کہ طاعون زدہ مقام سے نکل گئے ہیں اگر ان کی نیت تبدیل آب و ہوا کی تھی یا کسی ضرورت سے باہر گئے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر موت سے بھاگ کر گئے ہیں تو انہوں نے ناجائز فعل کیا بلکہ بعض علماء کے قول پر مرتکب حرام ہوئے اور مرتکب حرام شرعاً فاسق ہے جسکی امامت مکروہ ہے کافر نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مشرکین اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے بلا سود قرض لینا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) کیا ایسے مسلمان سے جس کا مال مکتسبہ تمام یا اکثر ناپاک و حرام ہے یا حلال و حرام مختلط ہے دوسرے مسلمان کو قرض لینا مباح ہے اور وہ ناپاک زر قرض کیا مدیوں کے پاس آکر پاک و حلال ہو جائیگا۔ اگر مباح ہے اور پاک ہو جاتا ہے تو جب مدیون کیطرف سے جس کا مال مکسوبہ تمام وجہ حلال سے ہے قرض خواہ کو ادا کیا جائیگا تو یہ زر قرضہ قرض خواہ کے پاس بھی جاکر پاک و حلال رہے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

کسی مسلمان کا اگر ذمی یعنی مشرک یا اہل کتاب پر قرض آتا ہو اور وہ ذمی اس قرض کو مال حرام سے مثلاً شراب بیچکر اسکی قیمت سے ادا کرے تو چونکہ ذمی کے پاس یہ حرام نہیں ہے اس لئے مسلمان کا اپنے قرضہ میں اس رقم کو لینا شرعاً جائز ہے اور اگر مسلمان

کہ کسی مسلمان پر قرض آتا ہو اور وہ اسکو مال حرام سے یعنے شراب کی رقم سے ادا کرے تو چونکہ مسلمانوں کے پاس یہ رقم حرام ہے اس لئے مسلمان کا اسکو قرض میں لینا شرعاً ناجائز ہے درمختار مطبوعہ برحاشیۂ ردمحتار مصری جلد (۵) صفحہ ۲۵۵ کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے (وجاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر) لصحۃ بیعہ (بخلاف) دین علی (المسلم) لبطلانہ الا اذا وکل ذمیا ببیعہ فیجوز عندہ خلافا لہما اور ردمحتار میں ہے (قولہ من ثمن خمر) بان باع الکافر خمرا واخذ ثمنہا وقضی بہ الدین (قولہ لصحۃ بیعہ) ای بیع الکافر الخمر لانہا مال متقوم فی حقہ فملک الثمن فیحل الاخذ منہ بخلاف المسلم لعدم تقومہا فی حقہ فبقی الثمن علی ملک المشتری پس صورت مسئولہ میں چونکہ مشرکین اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے پاس سود و شراب وغیرہ کی رقم جائز سمجھی گئی ہے اس لئے مسلمان کو ان سے بلا سود قرض لینا بھی جائز ہے اور وہ زر قرض مدیون کے پاس آنے کے بعد پاک ہے مسلمان کے پاس ناجائز طریقہ سے جو رقم آتی ہے چونکہ وہ تا حال اصل مالک کی ملک سے نکل کر شخص قابض کی ملک میں داخل نہیں ہوتی اس لئے شرعاً حرام ہے اسلئے دوسرے مسلمان کا اس سے ایسی رقم قرض لینا جائز نہیں اور درصورت لینے کے اسکی ادا کی ہوئی رقم اگرچہ وہ کسب حلال سے ہے مگر چونکہ قرض دینے والے کے پاس جانیکے بعد مال حرام کے قائم مقام و بدل بنگئی ہے اس لئے حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر زید منجملہ اہنی قبرستان

اپنی زیر تولیت کے ایک جز یعنی قطعۂ زمین کا بغرض سینڈی فروشی کسی کو دیا ہو تو ایسا معاہدہ کیا صحیح ہوگا اور زید کا معاہدہ اس کے قائم مقاموں کی پابندی کے لائق خیال کیا جائیگا اور اس معاہدہ میں احد العاقدین کا اگر نقصان یا صرفہ ہوا ہو تو احد العاقدین ایک دوسرے سے پا سکتے ہیں اور زمین قبرستان جو وقف ہے اس کی نسبت کوئی شخص ایسا معاہدہ کر سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اوقاف میں وقف کرنے والے کی غرض کا لحاظ واجب ہے ردمحتار جلد (۳) کے صفحہ ۳۶۴ کتاب الوقف میں ہے انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة لہذا متولی کا قبرستان کے لئے وقف کی ہوئی زمین کو سینڈی فروشی کیلئے دینا وقف کرنے والے کی غرض کے بالکل خلاف ہے۔

قبروں پر بول و براز کرنا شریعت میں مکروہ تحریمی یعنے حرام ہے اور قبروں پر بیٹھنا اور سونا یا روندنا مکروہ ہے عالمگیریہ مصری جلد (۱) صفحہ ۱۶۶ کتاب الجنائز میں ہے ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام علیه او یوطأ علیه او یقضی حاجة الانسان من بول او غائط ردمحتار جلد (۱) صفحہ ۶۳۳ باب الجنائز میں ہے وعزاه الامام الطحاوی الی ائمتنا الثلاثة فی حمل النهی علی الجلوس لقضاء الحاجة یراد به النهی التحریم پس صورت مسئولہ میں متولی کا زمین قبرستان کو سینڈی فروشی کے لئے دینا جو زمین قبرستان میں سینڈی جیسی نجس العین شئی کے گرنے اور سیند خواروں کے بحالت مستی بول و براز کرنیکا باعث ہے سراسر بیحرمتی قبرستان و باعث ایذاء ارواح مسلمین ہے جو شرعاً ناجائز ہے لہذا متولی کا سینڈی فروش سے اس زمین کے اجارہ کے متعلق معاہدہ

قابل فسخ ہے اور اس فسخ سے جو نقصان طرف ثانی کو ہوگا اس کا ضمان متولی سابق یعنے بانی کی ذاتی جائداد پر ہوگا قائم مقام ان متولی سابق کو چاہیئے کہ فی الفور زمین وقف کو سیندی فروشی سے خالی کرادے۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ غلاموں کی بیع و شراء جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو غلاموں سے کیا وہ مراد ہیں جو مسلمانوں کی فتح میں قید ہو کر آتے ہیں یا ان کی نسل سے ہیں یا اون کے لئے کوئی خاص قطعہ مقرر ہے جیسے سواحل زنجبار وغیرہ کہ جو شخص وہاں سے گرفتار ہو کر آئے یا خریدا جائے اسکا غلاموں میں شمار ہوگا۔ ہندوستان و دکن میں کافروں کے بچے جو قحط میں فروخت کئے جاتے ہیں کیا ان کو غلام بنا سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

دار الحرب کے کافر اگر مسلمانوں کے غالب اور فتح یاب ہونے کے پہلے مسلمان ہوجائیں تو وہ مسلمانوں کیطرح حر اور آزاد رہیں گے ان کے جان و مال و اولاد و عورتیں یہ سب محفوظ رکھے جائیں گے اور ان کی زمینوں پر عُشر لگایا جائیگا اگر بغیر اسلام لانے کے بلا جنگ و جدال مسلمانوں کی اطاعت قبول کرکے ذمی بن جائیں تب بھی یہ اور ان کے اہل و عیال حر یعنے آزاد ہوں گے مگر ان کی زمینوں پر خراج اور ان کی جانوں پر جزیہ لگایا جائیگا اور اگر مسلمانوں کے فتح یاب و غالب ہونیکے بعد اسلام قبول کریں تو امام وقت کو اس میں اختیار دیا گیا ہے کہ ان کو غلام بنا کر ان کے جان و مال کو مجاہدین میں تقسیم کردے یا احسان کرکے مسلمانوں کیطرح انکو

بھی حقوق عطا کرے اگر اسلام نہ قبول کریں تو اسوقت امام مختار ہے کہ ان کو غلام بنا کر ان کے جان ومال مجاہدین میں تقسیم کردے یا مردوں کو قتل کرکے ان کے اہل وعیال واموال مجاہدین میں تقسیم کردے یا ان تمام پر احسان کرکے آزاد رکھے اور محض جان کا جزیہ اور زمین کا خراج لیا کرے عالمگیریہ جلد (۲) صفحہ ۲۰۵ باب الغنائم میں ہے

قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ واذا اسلم اهل مدینة من مدائن اهل الحرب قبل ظهور المسلمین علیهم کانوا احرار الا سبیل علیهم ولا علی اولادهم ونسائهم ولا علی اموالهم ویوضع علی اراضیهم العشر دون الخراج وکذلك اذا صاروا ذمیا قبل الظهور علیهم الا ان هٰهنا علی اراضیهم الخراج ویوضع علی رؤسهم الجزیة ایضا وان ظهر المسلمون علیهم ثم اسلموا فالامام فیهم بالخیار ان شاء قسم رقابهم واموالهم بین الغانمین ویضع علی الارض العشر وان شاء منّ علیهم ویسلم لهم رقابهم وذراریهم واموالهم ویضع علی اراضیهم العشر وان شاء وظف الخراج وان ظهر المسلمون علیهم ولم یسلموا فالامام بالخیار ان شاء استرقهم وقسمهم واموالهم بین الغانمین ویضع علی الاراضی العشر وان شاء قتل الرجال وقسم النساء والاموال والذراری بین الغانمین وان شاء منّ علیهم برقابهم ونسائهم وذراریهم واموالهم ووضع علی رؤسهم الجزیة وعلی اراضیهم الخراج کذا فی المحیط بس

جبکہ شریعت میں کافروں کا یا ان کی اولاد کا بربناء جہاد عبد یعنے غلام ہونا ثابت ہے تو سواحل زنجبار کے حبشی اگر کافر ہیں اور جہاد کے ذریعہ سے حسب تفصیل سابق عبد

بنائے گئے ہیں تو ان کی بیع و شراء جائز ہے ورنہ یہ احرار یعنے آزاد ہیں جنکا بیچنا و خریدنا حرام ہے۔

ف) ایام قحط یا دیگر ایام میں مشرکین یا مسلمانوں کے بچے جن کو وہ خود یا ان کے ماں باپ یا عزیز و اقارب فاقہ کی تکلیف سے بیچے یا مفت دیدیتے ہیں چونکہ یہ حر یعنے آزاد ہیں اس لئے ان کا بیچنا یا دیناشرعاً باطل و ناجائز ہے اس بیع و ہبہ سے موہوب لہ اور خریدار کی ملک ان پر اصلاً ثابت نہیں ہوتی اور ان کے ساتھ بلا نکاح صحبت کرنا زنا ہے اور اس صحبت کی اولاد اولاد زنا ہے جس کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہے بلکہ ایسے وقت میں مالدار اشخاص کو چاہئے کہ تا زمانہ قحط ان کی خبر گیری کرکے جان بچائیں اور قحط گذر جانے کے بعد ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں کہ حسب سابق وہ اپنی معیشت کی فکر کرلیں اگر بطیب خاطر رہنا چاہتے ہیں تو ان کے ساتھ احرار یعنے آزاد اشخاص کا برتاؤ رکھیں فتاوے مہدویہ جلد (۵) صفحہ ۳۰ کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے (سئل) ما حکم بیع الحرائر اللاتی باعھن احد اقاربھن او بعن او وھبن انفسھن فی ایام القحط لخوف الموت من الجوع او حصل ذلک فی غیر ایام القحط فھل ھذا البیع صحیح اولا وھل وطؤھن بھذا السبب حرام اوحلال وھل یثبت نسب اولادھن من ھذا الوطئ او ھو زنا لا یثبت معہ النسب (اجاب) حکم بیعھن وھبتھن للغیر سواء کان البیع او الھبۃ صادرا من غیرھن او منھن انہ باطل فلا یملکن بحال من الاحوال لانھن لسن بمال اصلا فلا یدخلن فی ملک احد وان کن رضین بذلک لان الحریۃ من حقوق اللہ تعالیٰ اذ یتعلق بھا وجوب نحو الحج والزکوٰۃ فلا یمکن التخلص

من اسقاطها وحل نفسها مملوكا للعبد لانه عبد قابل للمملوكية قال فی تنویر الابصار وبطل بیع ما لیس بمال كالدم والمیتة والحر والبیع به ذكر ذلك فی باب بیع الفاسد وذكر فیه ایضا ان الباطل لا یملك بالقبض بخلاف الفاسد اه والهبة مثل البیع لانها تملیك بغیر عوض مشروط فلا تكون الا فیما هو مال ففی الهندیة فی ذكر شروط الهبة الراجعة الی الموهوب ان یكون مالا متقوما فلا تجوز هبة ما لیس بمال اصلا كالحر والمیتة والدم وصید الحرم والخنزیر وغیر ذلك ولا هبة ما لیس بمال مطلق كام الولد والمدبر المطلق والمكاتب ولا هبة لیس بمال متقوم كالخمر كذا فی البدائع اه بل اللازم علی من علم حال من اشتهرت به المجاعة لعدم شیئ یجده ولا یقدر راتصا علی تحصله ان یحی مهجته بما قدر ففی الهندیة من الباب الحادی عشر فی الكراهة فی الاكل وما یتصل به قال محمد رحمه الله تعالی فی كتاب الكسب ویفرض علی الناس اطعام المحتاج فی الوقت یعجز عن الخروج والطلب اه وحكم وطیهن بعد الهبة او البیع المذكور انه زنا محض لا یثبت معه نسب الاولاد لانه لم یوجد فی ملك یمین ولا شبهة ولا فی ملك نكاح ولا شبهة اما الاول فلما علمت من بطلان البیع والهبة واما الثانی فلانه لم یوجد فیه ما تحقق به تلك الشبهة وذلك بان یطاء امة ابنه مثلا واما الثالث فلعدم ركنه من الایجاب والقبول الذین ینعقد بهما النكاح لعدم ارادته فیما ذكرنا اما الرابع فلعدم ما تحقق به تلك الشبهة وذلك بان یطأ معتدته مثلا فصار وطؤهن علی هذا لوجه حراما القول نكاح

والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین الآیۃ بل لو کانت المرأۃ من ھانہ النساء وانتا لرجل اخر نکاح ثبت نسب ولدھا من زوجھا لامن ھذا الزانی لما ورد عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم الولد للفراش وللعاھر الحجر رواہ الجماعۃ الا ابوداؤد وفی لفظ للبخاری صاحب الفراش۔ واللہ اعلم بالصّواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ازروے مذہب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ داڑھی منڈوانا حرام ہے یا جائز۔

الجواب

ازروے مذہب حنفی داڑھی منڈوانا حرام ہے درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۵) ص۲۶۹ کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے یحرم علی الرجل قطع لحیتہ۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اوستاد کے حقوق شاگردوں پر ازروے مذہبِ اسلام کیا ہیں اور منکرین حقوق اوستاد کیلئے کیا وعید ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شاگرد پر لازم ہے کہ علم کو ذلت کے نگاہ سے نہ دیکھے اور اوستاد پر اپنے کو

حاکم وامیر نہ بنائے اوس کی اطاعت میں سرمو فرق نہ کرے اس پر ایسا اعتقاد رکھے جیسے جاہل بیمار طبیب حاذق کی نصیحت پر اعتقاد رکھتا ہے اوستاد کے ساتھ نہایت عجز وانکساری سے پیش آئے اور اوس کی خدمت گذاری سے شرف وثواب حاصل کرتا رہے جنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہونے کے باوجود زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے خچر پر سوار ہونے کے وقت رکاب تھام لی تھی اور زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے اصرار پر بھی آپ نے رکاب نہیں چھوڑی اور یہ فرمایا کہ ہمکو علماء اور بزرگوں کی اسی طرح تعظیم وتکریم کرنیکا حکم دیا گیا ہے تب حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے اہلبیت کی فضیلت کے لحاظ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ علم سیکھنے کے لئے اوستاد کی جہاں تک ممکن ہو خوشامد وچاپلوسی کرے اور کبھی اوستاد پر اپنا غرور وتکبر ظاہر نہ کرے مشہور ومعروف علماء سے پڑھنے کی خواہش رکھنا اور چھوٹے عالموں سے نہ پڑھنا یہ بھی غرور وعین حماقت ہے کیونکہ علم نیکبختی ونجات کا ذریعہ ہے اور جہالت وگمراہی کے پہاڑ کھانے والے درندہ سے بچانے والا ہے جو شخص درندہ کا شکار بن جاتا ہے وہ کسی بڑے بہادر بچانے والے کو نہیں ڈھونڈتا۔ بلکہ وقت پر جو کوئی ملجائے اس سے مدد چاہتا اور کام نکالتا ہے۔ اسی طرح طالب العلم کو چاہیئے کہ جو اپنے سے کچھ بھی زیادہ معلومات رکھتا ہے اون معلومات کو بے تامل اس سے حاصل کرے۔ اور شاگرد بیجا ہے اوستاد جو کچھ کہتا ہے اوس کو نہایت عجز وانکساری کے ساتھ سماع قبول سے یعنے اوس کی طرف اوستاد کا احسان مانکر فرحان وشادان شکریہ ادا کرتے ہوئے توجہ کرے۔ اور اپنی رائے کو چھوڑ دے ہر بات کو

جب جواب سنا جائے شور نہ مچائے اور بیہودہ سوال نہ کرے اور جب سوال کا استاد جواب نہ دے تو اس کو تنگ نہ کرے اور جو بات اپنے سمجھنے کی اور درجہ کی نہیں ہے اگر اس کے بتانے میں استاد عذر کرے تو استاد پر اصرار و جبر نہ کرے۔ اگر کسی سوال کا استاد جواب نہ دیسکے تو اس کی تذلیل و توہین نہ کرے اور اس کے بھیدوں اور خانگی باتوں کو کسی پر ظاہر نہ کرے اور اس کی برائی کو پوشیدہ رکھے اس کے روبرو کسی کی غیبت نہ کرے اور اس کی ذلت کے درپے نہ ہو اگر اس سے کسی بات میں لغزش اور غلطی ہو جائے تو اس سے درگذر کرے اور اللہ کے واسطے اس کی تعظیم و توقیر کرے۔ مجلس میں اس کے آگے بڑھ کر نہ بیٹھے اور جب کبھی اسکو دینی یا دنیوی کوئی ضرورت لاحق ہو تو سب سے پہلے خود اس کی حاجت پوری کرے۔ احیاء العلوم مصری مطبوع برحاشیہ شرح احیاء العلوم جلد (۱) ص ۳۱۱ میں ہے (الوظیفة الثالثة) ان لا یتکبر علی العلم ولا یتامر علی المعلم بل یلقی الیه زمام الکلیة فی کل تفصیل ویذعن لنصیحته اذعان المریض الجاهل للطبیب المشفق الحاذق وینبغی ان یتواضع لمعلمه و یطلب الثواب والشرف بخدمته قال الشعبی صلی زید بن ثابت علی جنازة فقربت الیه بغلته لیرکبها فجاء ابن عباسؓ فاخذ برکابه فقال زید خل عنه یا ابن عم رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ابن عباس هٰکذا امرنا ان نفعل بالعلماء والکبراء فقبّل زید بن ثابت یده وقال هٰکذا امرنا ان نفعل باهل بیت نبینا صلی الله علیه وسلم وقال صلی الله علیه وسلم لیس من اخلاق المؤمن التملق الا فی طلب العلم

عما لم يبلغه مرتبتك الى فهمه ما سوم ولذالك سعى الخضر موسى عليه السلام من السوال اى دع السوال قبل اوانه فالمعلم اعلم بما انت اهل له وبا وان الكشف وما امريدحل اوان الكشف فى كل درجة من مراقى الدرجات لابد حل اوان السوال عنه وقد قال على رضى الله عنه ان من حق العالم ان لا تكثر عليه بالسؤال ولا تعنته فى الجواب ولا تلح عليه اذا كسل ولا تأخذ بثوبه اذا نهض ولا تفشى له سرا ولا تغتاب احدا عنده ولا تطلبن عثرته وان زل قبلت معذرته وعليك ان توقره وتعظمه لله تعالى ولا تجلس امامه وان كانت له حاجة سبقت القوم الى خدمته پس جو اشخاص اس کے خلاف عمل کرتے ہیں وہ دنیا میں ذلیل وخوار اور علم سے محروم رہیں گے اور آخرت میں اپنے تکبر اور تعدی و ایذا رسانی کی سزا پائیں گے واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بزرگان دین کی قبروں پر لوگ عرضیاں باندھتے ہیں اور اس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اگر آپ میری مراد پوری کریں تو میں آپکی نیاز ادا کرونگا اور بعض یوں لکھتے ہیں کہ میری مراد بر آنیکے لئے دعا فرمائیے یہ دونوں صورتیں شرعاً جائز ہیں یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

نذر شریعت میں عبادت مقصودہ کا نام ہے جو کسی کام کے حاصل ہونیکے لئے بغرض تقرب الہی مانی جاتی ہے در مختار مطبوعہ بر حاشیہ رد محتار جلد ۳ ص ۹۸

قوله
کتاب الایمان میں ہے وھو عبادۃ مقصودۃ اور ردمحتار میں ہے وفی البدائع ومن شرطہ ان یکون مقصودۃ پس حاجت براری کیلئے بزرگان دین کی نذریں و منتیں جو مانی جاتی ہیں اگر نذر ماننے والے کی یہ نیت ہے کہ اس نذر سے بزرگ کا تقرب حاصل کیا جائے اور کام نکلنے پر کھانا یا کپڑا یا سونا چاندی وغیرہ حسب قرار داد اس کی نذر پیش کیجائے اور وہ اس بزرگ کو کام کے نکالنے میں بدون ارادہ خدائے تعالے کے مستقل جانتا ہے اس لئے ان کو قابل تعظیم جانکر یہ نذر کر رہا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ میں جس چیز کو پیش کروں گا وہ بزرگ کی ملک ہے اور انہیں کے لئے یہ چیز پیش کیجا رہی ہے تو ایسی نذر و منت شرع میں بالاجماع حرام و باطل ہے اور اس کا مرتکب مرتکب گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اس میں مخلوق کے لئے نذر کی گئی ہے اور نذر تو عبادت ہے جو اللہ کے سوا کسی مخلوق کے لئے نہیں ہوسکتی اور نذر کو میت کی ملک میں داخل کر رہا ہے وہ بھی شرعاً ناجائز ہے اس کے علاوہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ بزرگ بلا ارادہ و مشیت خداوند عالم کے خود مستقل طور سے میرا کام نکال سکتے ہیں اور یہ اعتقاد شریعت میں کفر ہے پس ایسی نذر کی ادائی اس کے ذمہ لازم نہیں ہے اور اس کا کسی کو کھلانا اور دینا بھی درست نہیں اور اگر نذر اس طریقے سے کیجائے کہ یا اللہ میں تیرے لئے یہ نذر کرتا ہوں کہ اگر میرا کام نکل آئے تو میں فلان بزرگ کی درگاہ کے فقراء کو کھانا کھلاؤنگا یا کپڑے پہناؤنگا یا سونا چاندی تقسیم کرونگا یا درگاہ کی مسجد کے لئے بوریا وغیرہ بنوادونگا تو چونکہ اس میں نذر خاص اللہ کے لئے ہوتی ہے اور اس بزرگ کی درگاہ کے فقراء اور مسجد کا کام نکلتا ہے

اس لئے یہ شرعاً جائز ہے اور ایسی نذر کے پیسے وغیرہ فقیروں ہی کو دینا چاہئے
مالداروں کا اس کو لینا درست نہیں اور درگاہ کے خادم اگر مالدار ہیں تو ان کے
لئے بھی یہ نذر درست نہیں اگر فقیر ہیں تو لے سکتے ہیں درمختار مطبوعہ برحاشیہ
ردمحتار مصری جلد (۲) صـ۱۳۱ کتاب الصوم میں ہے واعلم ان الندر الذی
یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت
ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربًا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام
ما لم یقصد واصرفھا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک ولاسیما
فی ھذہ الاعصار ردمحتار میں ہے (قولہ تقربًا الیھم) کان یقول یاسیدی
فلان ان رد غائبی او عوفی مریضی اوقضت حاجتی فلک من الذھب
او الفضۃ او من الطعام او الشمع او الزیت کذا بحر (قولہ باطل حرام)
لوجوہ منھا انہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ
لا تکون لمخلوق ومنھا ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک ومنھا انہ
ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقادہ ذلک
کفر اللھم الا ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی
او رددت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب
السیدۃ نفیسۃ او الامام الشافعی او الامام اللیث او اشتری
حصیرا لمساجدھم او زیتًا لوقودھا او دراھم لمن یقوم بشعائرھا
الی غیر ذلک مما یکون فیہ نفع للفقراء والنذر للہ عزوجل وذکر الشیخ
انما ھو محل لصرف النذر لمستحقیہ القاطنین برباطہ او مسجدہ فیجوز

بهذا الاعتبار ولا يجوز ان يصرف ذلك لغنى ولا لشريف منصب او ذى نسب او علم ما لم يكن فقيرا ولم يثبت فى الشرع جواز الصرف للاغنياء للاجماع على حرمة النذر للمخلوق ولا ينعقد ولا تشتغل الذمة به ولانه حرام بل سحت ولا يجوز لخادم الشيخ اخذه الا ان يكون فقيرا او له عيال فقراء عاجزون فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتداءة واخذه ايضا مكروه ما لم يقصد الناذر التقرب الى الله تعالى وصرفه الى الفقراء ويقطع النظر عن نذر الشيخ بحر ملخصا عن شرح العلامة قاسم (قوله ما لم يقصد والخ) اى بان تكون صيغة النذر لله تعالى للتقرب اليه ويكون ذكر الشيخ مرادا به فقراءه كما مر ولا يخفى ان له الصرف الى غيرهم كما مر سابقا ولا بد ان يكون المنذور مما يصح به النذر كالصدقة بالدراهم ونحوها اما لو نذر زيتا لايقاد قنديل فوق ضريح الشيخ او فى المنارة كما يفعل النساء من نذر الزيت لسيدى عبد القادر ويوقد فى المنارة جهة المشرق فهو باطل عالمگیریہ مصری کے جلد (۱) صـ ۲۱۶ متفرقات کتاب الصوم میں بھی یہی مضمون ہے پس مسلمانوں کو چاہئے کہ غیر خدا کسی کی نذر ومنت نہ مانیں اور اللہ کے لئے نذر ومنت مانکر فقراء ومساکین درگاہ بزرگاں پر اس کو تقسیم کرنے کی نیت کریں البتہ بدون نذر ومنت کے ایصال ثواب کے لئے کوئی چیز پکا کر لوگوں کو کھلانا جسکو اموات کی فاتحہ اور بزرگان دین کی نیاز کہا جاتا ہے یا سونا چاندی وغیرہ صدقہ دینا یا نماز روزہ وقراءۃ قرآن وغیرہ

عبارات بدنیہ کا ثواب بخشنا یہ تمام شرعاً درست ہے اور ہر ایک شخص کو چاہیے
کہ ایسے ایصال ثواب میں مخصوص ارواح کے ساتھ زندہ و مردہ تمام مومنین و مومنات
کی ارواح کو بھی شریک کرے خداوند عالم اپنے فضل سے ہر ایک کو کسی قدر پورا پورا
ثواب عطا فرماتا ہے ردمحتار مصری کے جلد (۱) صفحہ ۶۳۱ کتاب الجنائز میں ہدایہ
سے منقول ہے صرح علمائنا فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان
یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰۃ او صوماً او صدقۃ او غیرها کذا فی
الهدایه تاتارخانیہ سے منقول ہے بل فی زکوٰۃ التاتارخانیہ عن المحیط
الافضل لمن یتصدق نفلاً ان ینوی لجمیع المومنین والمؤمنات لانها
تصل الیهم ولا ینقص من اجره شئ اھ هو مذهب اهل السنه والجماعة
اور بحر الرائق سے منقول ہے وفی البحر من صام او صلی او تصدق وجعل
ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل
السنة والجماعة کذا فی البدائع اسی جگہ ردمحتار میں ہے ویقرأ یٰس و
فی الحدیث من قرأ الاخلاص احد عشر مرۃ ثم وهب اجرها للاموات
اعطی من الاجر بعدد الاموات ردمحتار میں ہے (قوله ویقرأ یٰس) لما ورد
من دخل المقابر فقرأ سورۃ یٰس خفف الله عنهم یومئذ وکان له بعدد من فیها حسنات
بحر وفی شرح اللباب ویقرأ من القرآن ما تیسر له من الفاتحة واول البقرة
الی المفلحون وایة الکرسی وامن الرسول وسورۃ یٰس وتبارک الملک وسورۃ
التکاثر والاخلاص اثنی عشر مرۃ او احدی عشر او سبعاً او ثلاثاً ثم
یقول اللهم اوصل ثواب ما قرأناه الی فلان او الیهم اھ (صفحہ ۶۳۲) میں ہے

...الملكوت الوجوه لأهل المطرة الفاتحة من يقسم الثواب لهم و يصل لكل منهم من ثواب ذلك كاملاً فاجاب انه اي جمع تا لتالي وهو اللائق بسعة الفضل پیران طریقت و اساتذہ و سلاطین و امراء کے پاس ایسی چیز کے پیش کرنے کو جو اصطلاح میں نذر کہا جاتا ہے فی الحقیقت یہ نذر شرعی نہیں ہے بلکہ عوام کے بلحاظ ادب ان مکرم و معظم فرقوں کے پاس ہدایا و تحائف گذرانے کو بھی ضرورۃ نذر نام رکھا ہے اس سے عادت مقصود نہیں ہوتی اور نہ یہ پہلے سے بغرض تقرب اپنے پر لازم کرلی جاتی محض پیش کرنے کے وقت اس کو نذر کہا جاتا ہے اگر بزرگان دین کے ارواح پر ایصال ثواب کرنے کے غرض سے کوئی چیز پکا کر فقراء کو تقسیم کی جائے یا روپیہ سونا وغیرہ تصدق کیا جائے اور تقسیم کرنے کے وقت اسکا نام نذر رکھا جائے اور قبل تقسیم الصدر مذکور نذر الہی کے طریقہ پر یہ اپنے ذمہ لازم نہ کر لیا جائے تو اس میں کوئی ہرج نہیں جب سلاطین و امراء کے پاس پیش ہونے والے اشیاء کا نام نذر رکھا جاتا ہے تو ان خاصان بارگاہ کے ارواح پر پیش ہونے والی چیز تو بدرجۂ اولیٰ نذر نام رکھے جانے کی مستحق ہے۔

ف کسی کام میں جو کسی سے مدد اور توجہ چاہی جاتی ہے یا کسیکو وسیلہ بنایا جاتا ہے اس کو عربی میں استغاثہ۔ استنصار۔ استمداد۔ استعانۃ تشفع۔ توسل وغیرہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے ہرایک کی تفصیل یہ ہے کہ استغاثہ عربی میں غوث طلب کرنے کو کہتے ہیں غوث کے معنے ازالۂ شدت یعنے تکلیف و سختی کو دفع کرنا ہے حیثیت دنیا میں جو تکالیف کے ایک دوسرے کو لاحق ہوتے ہیں اس کے دفعیہ کی ہرایک دوسرے سے درخواست کرتا ہے چنانچہ سورۂ قصص کے دوسرے رکوع میں آیۂ کریمہ فاستغاثه الذي هو من شيعته على الذي هو من عدوه سے ثابت ہے کہ ایک

مخلوق دوسرے مخلوق کی شدۃ وتکلیف کو دفع کر سکتی ہے اور مصیبت میں مدد
دیسکتی ہے اسی طرح استنصار طلب نصر یعنے غیر سے مدد طلب کرنے کو کہتے ہیں
اور سورۂ انفال کے آٹھویں رکوع میں آیہ کریمہ وان استنصروکم فی الدین
فعلیکم النصر الآیۃ سے ثابت ہے کہ ایک بندۂ خدا دوسرے بندۂ خدا کو
مدد دیسکتا ہے استمداد استنصار کا ہم معنے ہے اور استعانۃ بھی طلب عون یعنے
مدد چاہنے کو کہتے ہیں کلام الٰہی میں تین جگہ یعنے سورۂ بقر کے سولھویں اور پانچویں
رکوع میں اور سورۂ اعراف کے تیرہویں رکوع میں آیہ کریمہ استعینوا بالصبر
والصلوۃ سے ثابت ہے کہ انسان کو صبر وصلوٰۃ سے طلب عون یعنے مدد لینا
چاہئیے پس ان آیات بینات سے ظاہر ہے کہ انسان کو خداوند عالم کے سوا
دیگر اشیاء سے بھی مدد لینے کی شریعت میں اجازت ہے۔ تشفع کے معنے شفاعۃ
یعنے سفارش لے جانے کے ہیں۔ مخلوق میں ایک دوسرے کی سفارش کرنا اور
خداوند عالم کے پاس کسی مخلوق کی سفارش کرنا سورۂ نساء کے نویں رکوع میں
آیہ کریمہ من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منہا اور سورۂ بقر کے چھیسویں
رکوع میں من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ سے ثابت ہے۔ احادیث
سے بھی اس کے فضائل ثابت ہیں اور بروز قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام
گناہگاروں کیلئے خداوند عالم سے شفاعت یعنے سفارش کرنا اس کے ثبوت میں
تو کسی کو کلام نہیں۔ توسل کے معنے لغت میں نیک کاموں کے ذریعہ خداوند عالم
کے پاس قربت حاصل کرنے کے ہیں چنانچہ سورۂ مائدہ کے چوتھے رکوع آیہ کریمہ
یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ

ہیں مسلمانوں کو خدائے تعالے کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے مسلمانوں اللہ سے ڈرو اور
نیک کاموں کے ذریعہ اس تک وسیلہ یعنے تقرب چاہو تفسیر کبیر کے جلد ۳ صفحہ ۱۴
میں ہے فکان المراد طلب الوسیلۃ الیہ فی تحصیل مرضاتہ وذلک بالعبادات والطاعات
اعمال صالحہ کے سوا انبیا علیہم السلام واولیاء کرام کو بھی خدائے تعالے کے پاس وسیلہ
ذریعہ بنانا ثابت ہے چنانچہ سورہ بقر کے نویں رکوع میں آیۂ کریمہ وکانوا من قبل
یستفتحون علی الذین کفروا الایۃ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کی ولادت کے قبل چونکہ یہودیوں کو توریت میں حضرت کے تشریف آوری
کی بشارت دی گئی تھی اس لئے جب کبھی عرب کے مشرکین سے ان کی لڑائی
ہوتی تو حضرت کے وسیلہ سے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔ تفسیر کبیر کے جلد ۱ صفحہ ۴۲۸
میں ہے ان الیہود من قبل مبعث محمد علیہ السلام ونزول القرآن کانوا یستفتحون
ای یسئلون الفتح والنصرۃ وکانوا یقولون اللہم افتح علینا وانصرنا بالنبی
الامی تفسیر درمنثور کے جلد ۱ صفحہ ۸۸ میں بھی یہی لکھا ہے نسائی وابن ماجہ وترمذی
میں ایک حدیث کی تخریج کی گئی ہے جسکو ترمذی اور ابو اسحق نے صحیح کہا ہے حدیث یہ ہے
کہ ایک دفعہ ایک نابینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور یہ عرض کیا کہ
یا رسول اللہ میں اندھا ہو گیا ہوں آپ میرے لئے دعا فرمائیں حضرت نے یہ ارشاد
فرمایا کہ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد یہ دعا مانگنا کہ اے اللہ میں تجھ سے
مانگتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں
اے محمد میں آپ کے واسطے سے میرے رب کیطرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت
پوری کرے اے اللہ تو آپ کو میرا شفیع بنا بیہقی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے

اور اس میں یہ زیادہ کیا کہ وہ اندھا دعا مانگ کر بینا ہو گیا ابن ماجہ مطبوعہ فاروقی کے
صفحہ ۱۰۰ باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ میں عثمان بن حنیف سے مروی ہے ان رجلا
ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع اللہ تعالیٰ ان یعافینی فقال
ان شئت اخرت لک وھو خیر وان شئت دعوت فقال ادعہ فامرہ ان
یتوضأ فیحسن وضوءہ ویصلی رکعتین ویدعو بھذا الدعاء اللھم انی اسألک
واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی قد توجھت بک الی ربی فی حاجتی
ھذہ لتقضی اللھم فشفعہ فیّ قال ابو اسحٰق ھذا حدیث صحیح اسناد
حاشیہ ابن ماجہ میں اسی جگہ ہے ھذا الحدیث اخرجہ النسائی والترمذی فی الدعوات
مع اختلاف یسیر وقال الترمذی حسن صحیح وصححہ البیھقی وزاد فقام وقد
ابصر وفی الروایۃ فعل الرجل فبرأ انتھی وکانوا یستفتحون الآیۃ سے قبل ولادت
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ لینا ثابت ہے اور اس حدیث سے آپکی
زندگی میں وسیلہ لینا ثابت ہے اور بعد وفات آپ سے مدد چاہنے کے متعلق انجاح
الحاجہ میں اسی جگہ ایک حدیث شیخ عابد سندی کے رسالہ سے نقل کیا ہے جسکی
بیہقی وابن ابی شیبہ نے مالک دار سے تخریج کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کے زمانہ خلافت میں ایک دفعہ قحط آیا تب ایک شخص رسول اللہ صلعم کے مزار
مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ اپنی امت کے لئے خدا تعالیٰ
سے پانی مانگئے آپ اس کے خواب میں تشریف فرما ہوئے اور یہ فرمایا کہ عمر کو میری
طرف سے سلام پہونچانے کے بعد یہ کہنا صاحب حاشیہ نے صرف اسیقدر
قصہ لکھکر ابن عبد البر کی کتاب استیعاب میں اسکی تفصیل دیکھنے کے لئے لکھا

انجاح الحاجہ کی عبارت یہ ہے وذکر فیہا حدیث البیہقی وابن شیبۃ عن مالک الدار
قال اصاب الناس قحط فی زمان عمر بن الخطاب فجاء رجل الی قبر النبی صلعم وقال
یا رسول اللہ صلعم استسق اللہ لامتک فانہم قد ہلکوا فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فی منامہ فقال ائت عمر فاقرأہ السلام
الخ والقصۃ مذکورۃ فی الاستیعاب
لابن عبد البر اسی مقام میں صاحب انجاح الحاجہ نے طبرانی کے کبیر کی ایک
اور حدیث نقل کی ہے جو عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک
شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس روزانہ اپنی کچھ ضرورت لیجایا کرتا تھا مگر
آپ اس کے طرف توجہ نہیں فرماتے تھے تب عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ نے
کو وہی حدیث توسل سکھائی اور دعا کا طریقہ بھی حسب روایت سابق بتا دیا جیسا
ہی ایک دفعہ پڑھکر حضرت عثمان کے پاس گیا ہے آپ اسکی حاجت کو نہایت توجہ
سے سنکر پوری فرمائے۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اولیاء کرام سے بھی ان کے
حین حیات توسل و امداد لینا اور ان کی دعا سے لوگوں کا کام نکلنا احادیث صحیحہ
سے ثابت ہے چنانچہ مسلم شریف میں وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم
نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے امت کی مغفرت
کے لئے دعا چاہنے کے متعلق فرمایا تھا اور بخاری شریف کے کتاب الجہاد باب
من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب میں مصعب بن سعد سے مروی ہے
قال رای سعد ان لہ فضلا علی من دونہ فقال النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ہل تنصرون وترزقون الا بضعفاءکم یعنے سعد رضی اللہ نے

اپنے کو دوسروں پر مکرم سمجھا تب حضرت کا ارشاد ہوا کہ تم کو جو رزق و مدد دیجاتی ہے وہ ضعیفوں کی برکت سے ہے اس حدیث کی شرح عینی جلد (۶) صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں
واخبر صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان بدعائهم ینصرون ویرزقون لان عبادتهم ودعاءهم اشد اخلاصا واکثر خشوعا لخلو قلوبهم من التعلق بزخرف الدنیا وزینتها وصفاء ضمائرهم عما یقطعهم عن اللہ تعالی فجعلوا همهم واحدا فزکت اعمالهم واجیب دعاؤهم
یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ نے چونکہ دنیا میں عیش و عشرت کو چھوڑ کر ریاضت و مجاہدہ سے اپنے کو اللہ کے لئے وقف کر دیا ہے اور جو عبادت یہ کرتے ہیں وہ خلوص دل سے خاص خداوند عالم کے لئے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ ہوا کرتی ہے اس لئے اللہ ان کے اعمال کو پاک کر دیتا ہے اور ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے اگرچہ یہ بظاہر ضعیف و منکسر الحال معلوم ہوتے ہیں مگر خداوند عالم انہیں کے برکت و دعاء سے اہل عالم کو رزق دیتا ہے اور سارے کام بناتا ہے اس حدیث کے بعد بخاری شریف میں ایک دوسری حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ جب لوگ جہاد کریں گے تو پوچھا جائیگا کہ کیا تم میں صحابہ ہیں جب انمیں صحابہ ہونگے تو انہیں کی برکت سے فتح نصیب ہوگی پھر اس کے بعد ایک زمانہ آئیگا کہ جسمیں تابعیں پوچھے جائیں گے اور انہیں کی برکت سے فتح ہوگی اس کے بعد ایک زمانہ آئیگا جس میں تبع تابعین پوچھے جائیں گے اور انہیں کی بدولت مسلمانوں کی فتح ہوگی۔ حدیث شریف یہ ہے عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یأتی زمان یغزو فیام من الناس فیقال فیکم من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیقال نعم فیفتح لھم ثم یأتی زمان فیقال فیکم من صحب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیقال نعم فیفتح ثم یأتی زمان فیقال فیکم من صحب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیفتح

بخاری شریف کے باب الاستسقاء میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب قال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون یعنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ قحط کے زمانہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارش چاہی تھی اور یہ دعا فرمایا کہ اے خداوند عالم ہم تیرے پاس اپنے نبی کریم کے توسل سے پانی مانگا کرتے تھے اور تو پانی برساتا تھا اب ہم تیرے پاس اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے پانی مانگتے ہیں تو ہم پہ پانی برسا راوی کہتے ہیں کہ آپ کی اس دعا سے پانی برسنے لگا اور عینی شرح بخاری کے جلد (۳) صـ۴۳۷ میں اس حدیث کی شرح میں ہے قال فارخت السماء مثل الجبال حتی اخصبت الارض وعاش الناس یعنی اس دعا سے پہاڑوں کی طرح ابر آیا اور اس کثرت سے بارش ہوئی کہ اچھی طرح ارزانی ہوگئی پس ان آیات قرانی واحادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ مخلوق الٰہی میں انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام سے اپنے ضروریات میں مدد چاہنا اللہ کے پاس ان کا وسیلہ لینا ان سے دعا کی درخواست کرنا ان کے حین حیات اور بعد ممات بلکہ انبیاء علیہم السلام سے تو ان کے قبل ولادت بھی شرعاً درست ہے چنانچہ عقائد اہل سنت والجماعۃ میں کرامات اولیاء کی حقانیت کی

ترجمہ: اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اولیاء کرام کی توجہ سے انسان کو مصیبت سے نجات ملتی ہے اور دشمنوں پر کامیابی حاصل ہوتی ہے ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ شرح عقائد نسفی مطبوعہ انوار محمدی کے صفحہ ۲۳۰ میں ہے وكرامات الاولياء حق فتظهر الكرامة على طريق نقض العادة للولي من قطع المسافة البعيدة في المدة القليلة وظهور الطعام والشراب واللباس عند الحاجة والمشي على الماء والطيران في الهواء وكلام الجماد والعجماء واندفاع المتوجه من البلاء وكفاية المهم عن الاعداء وغير ذلك من الاشياء پس صورت مسئولہ میں بزرگان دین سے دعا کی درخواست کرنا شرعاً جائز ہے واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بلا شرط بطور دل بہلانے کے گنجفہ کھیلنا جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز ہے تو اس کی دلیل کیا ہے اور اس کا مرتکب کس درجہ کا گنہگار ہے بینوا توجروا۔

الجواب

گھوڑے کی سواری تیر اندازی وغیرہ فنون حرب اور اپنی زوجہ سے خوش طبعی کرنا ان کے سوا باقی تمام کھیل شرعاً مکروہ تحریمی یعنی حرام ہیں درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء میں بحوالہ حدیث صحیح ہے وكره كل لهو لقوله عليه الصلوٰة والسلام كل لهو المسلم حرام الا ثلاثة ملاعبة اهله وتاديبه لفرسه ومناضلته بقوسه اور فتاوے عالمگیریہ کے کتاب الکراہیۃ باب فی الغناء واللہو میں ہے وكل لهو ما سوى الشطرنج حرام بالاجماع واما الشطرنج فاللعب به حرام عندنا

دوسرے مذہب والوں کا مسلمانوں کے علاقے میں ... کے طریقہ پر گشت کیلئے ... حرام ہے واللہ تعالیٰ اعلم

كتاب السير والجهاد

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قصبہ ... کے ہندو ... ایک جدید رسم اختراع کرنا چاہتے ہیں یعنے اپنے ایک دیوتا ... کی سواری پالکی میں بٹھا کر سیواجی کی تصویر کے ساتھ بصد کر و فر واحتشام باجے وغیرہ کے ساتھ بازارات چوک وغیرہ آبادی میں گشت کرانا چاہتے ہیں اور سرکار اس معاملہ میں مسلمانوں کی رضامندی دریافت کرتی ہے کیا ہم مسلمان از روئے شریعت اس کے راضی ہو سکتے ہیں یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

بلاد اسلام کے وہ مقام جہاں مسلمان اس قدر آباد ہیں کہ اگر وہاں کی بڑی مسجد میں مسلمانوں کے وہ افراد جن پر نماز فرض ہے جمع ہو جائیں تو ان کے لئے وہ مسجد ناکافی ہو ایسے مقام شریعت میں مصر سمجھے جاتے ہیں درمختار کے باب الجمعہ میں ہے المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها وعليه فتوى أكثر الفقهاء ایسے مقامات میں اہل ذمہ یعنے ہنود وغیرہ کو اپنے مذہبی رسوم مندروں یا عبادت گاہوں کے باہر ادا کرنے کی شرعاً ممانعت ہے اور ان کو اس بات کی اجازت نہیں کہ اپنے دیوتاؤں کو شان وشوکت سے یا بلا شان وشوکت کے مندر سے باہر نکالیں

البتہ آبادی سے تین میل کے فاصلہ پر بابُن وبہاتوں ہیں جہاں ہنود کثیر التعداد اور مسلمان
معدودے چند ہیں ان کو مذہبی رسوم مندروں سے باہر بھی کرنے کی اجازت ہے
عالمگیریہ کے جلد (۳) کتاب الجہاد فصل فی احداث البیع او الکنائس میں ہے ولیس ینبغی
ان یضرب فی منزله بالناقوس فی مصر المسلمین ولا ان یجمع فیه لهما نماله ان یصلی
فیه ولا ان یخرجوا الصلیب او غیر ذلك من کنائسهم ولو رفعوا الصوالهم لقوأة الزبور
ولا یحل ان کان فیه اظهار الشرك منعوا عن ذلك وان لم یقع بذلك
اظهار الشرك لا یمنعون ویمنعون عن قرأة ذلك فی اسواق المسلمین
وکذا عن بیع الخمور والخنازیر وعن اظهار الخمور والخنازیر فی المصر وما کان
فی فناء المصر ولا بأس باخراج الصلیب وضرب الناقوس اذا حازوا
افنیه المصر وفی کل قریة او موضع لیس من امصار المسلمین فانهم
لا یمنعون عن ذلك وان کان فیها عدد المسلمین یسکنون فیها کذا
قال محمد رحمة الله تعالی فی السیر الکبیر۔ والله اعلم بالصواب
والیه المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان خاصکر ملک بنگالہ دار الحرب ہے
یا دار الاسلام اور مسلمانوں کے لئے اس میں مسلمانوں سے یا اہل ذمہ سے سود لینا جائز ہے
یا نہیں بیّنوا توجروا۔

الجواب

تین چیزوں سے دار الاسلام دار الحرب بن جاتا ہے اول یہ کہ اسمیں اہل شرک کی احکام

علانیہ طور پر جاری ہو جائیں اور اہل اسلام کا کوئی حکم نہ چلے دوسرا یہ کہ وہ دار الحرب سے
متصل ہو جائے تیسرا یہ کہ وہاں کوئی مسلمان یا ذمی اپنے سابق امن پر باقی نہ رہے
اگر دار الحرب میں احکام اسلام یعنی جمعہ وعید جاری ہو جائیں تو وہ دار الاسلام
بنجاتا ہے اگرچہ وہاں کافر بھی باقی ہوں اور وہ دار الاسلام کے متصل نہو درمختار
کے کتاب الجہاد فصل فی استئمان الکافر میں ہے (لا تصیر دار الاسلام دار حرب الا
بامور ثلاثۃ باجراء احکام اھل الشرک وباتصالھا بدار الحرب وبان لا
یبقی مسلم او ذمی امنا بالامان الاول) علی نفسہ (ودار الحرب
تصیر دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیہا) کجمعۃ وعید (وان بقی
فیہا کافر اصلی وان لم تتصل بدار الاسلام) ردمحتار میں ہے (قولہ باجراء احکام
اھل الشرک) ای علی الاشتھار وان لا یحکم فیہا بحکم اھل الاسلام
اگر کسی شہر میں اہل اسلام واہل شرک دونوں کے احکام نافذ ہوں تو وہ دار حرب
نہیں ہے ردمحتار میں عبارت سابقہ کے متصل ہے وظاھرہ انہ لو جریت
احکام المسلمین واحکام اھل الشرک لا تکون دار حرب اگر مسلمانوں کے کسی شہر
میں مذکورہ بالا تین امور پائے جانے کے باوجود مسلمانوں کو امن دیدیا جائے اور ان کے
احکام اسلام نافذ کرنے کے لئے مسلمان قاضی مقرر کر دیا جائے تو پھر وہ شہر دار السلام
بن جاتا ہے اسی جگہ ردمحتار میں ہے وفی شرح درر البحار قال بعض المتاخرین اذا
تحققت تلک الامور الثلاثۃ فی مصر المسلمین ثم حصل لاھلہ الامان ونصب فیہ
قاض مسلم ینفذ احکام المسلمین عادت الی دار الاسلام پس صورت مسئولہ میں چونکہ تمام
ممالک ہندوستان میں احکام شرعی جمعہ وعید وغیرہ نافذ ہیں اور مسلمانوں کو مذہبی رسوم کے

ادا کرنے کی کوئی ممانعت نہیں اور نکاح و طلاق، میراث کے قضیئے عدالتوں میں
احکام شرعی کے موافق ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو فرائض اسلام جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ
کی ادائیگی کے متعلق پوری آزادی حاصل ہے بلکہ معاملات جیسے بیع وشراء، رہن وغیرہ کے
متعلق بھی اکثر قانون شریعت کے موافق ہے اور مسلمانوں کے جان و مال کی کافی حفاظت
کیجاتی ہے اس لئے ہندوستان دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں۔

ف: مسلمانوں کے لئے مندرجہ ذیل چھ مسائل کے سوا باقی تمام صورتوں میں
سود حرام ہے۔ سید اور عبد غیر مکاتب کے درمیان جبکہ عبد مقروض مستغرق الذمہ
نہ ہو۔ شرکۃ مفاوضہ اور شرکت عنان کے دو شریکوں کے درمیان جبکہ مال
شرکت سے آپس میں سود لیا کریں۔ دارالحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب
میں ان دو مسلمانوں کے درمیان جن میں سے ایک پہلے کافر تھا اور مسلمان
ہونے کے بعد دارالاسلام میں بہ نیت ہجرت آکر واپس نہیں گیا۔ دارالحرب میں
ان دو مسلمانوں کے درمیان جو دارالحرب ہی میں مسلمان ہوئے اور بعد اسلام
دارالاسلام میں بہ نیت ہجرت آکر واپس نہیں گئے۔ درمختار کے کتاب البیوع
باب الربا میں ہے (ولا ربا بين سيده وعبده) ولو مدبرًا لا مكاتبًا (اذا لم يكن) دينه
مستغرقًا لرقبته وكسبه ولا بين متفاوضين وشريكي عنان اذا تبايعا من مالها
ولا بين حربي ومسلم ثمه ومن اسلم في دار الحرب ولم يهاجر كحربي) فللمسلم
الربا معه خلافًا لهما لان ماله غير معصوم فلو هاجر الينا ثم عاد اليهم
فلا ربا اتفاقًا جوهرة قلت ومنه يعلم حكم من اسلما ثمه ولم يهاجرا والحاصل
ان الربا حرام الا في هذه الست مسائل پس صورت مسئولہ میں جبکہ ہندوستان

دارالاسلام ہے تو اس کے کسی ملک میں مسلمان کے لئے مذکورۂ بالا پچھلی تین صورتوں
کے علاوہ تمام صورتوں میں مسلمانوں سے یا اہل ذمہ سے سود لینا حرام ہے واللہ اعلم
بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

ماقولکم ادام رفعکم فی رجل عرف الاسلام بقلبہ وامکنہ التلفظ
بالشہادۃ ولم ینطق بہا خوف التعییر ہل تنفعہ ہذہ المعرفۃ عند اللہ
تعالیٰ ام لا وایضاً ما الفرق بین المعجزۃ والکرامۃ۔ بینوا توجروا۔

الجواب

قال صاحب شرح العقائد النسفیہ فی مبحث الایمان فمن صدق
بقلبہ ولم یقر بلسانہ فہو مؤمن عند اللہ فان لم یکن مؤمناً فی احکام الدنیا
ففی الصورۃ المسئولۃ ان کان الرجل یصدق بقلبہ فہو مؤمن عند اللہ
لا عند الناس ولا یکفی لکونہ مومناً عند اللہ محض معرفۃ الاسلام
والعلم بہ قال صاحب شرح المقاصد فی مبحث الایمان والمذہب انہ
غیر العلم والمعرفۃ لان من الکفار من کان یعرف الحق ولا یصدق بہ
عناداً او استکباراً قال اللہ تعالیٰ الذین آتیناہم الکتاب یعرفونہ کما
یعرفون ابناءہم وان فریقاً منہم لیکتمون الحق وہم یعلمون۔ قال
صاحب شرح العقائد النسفیۃ فی مبحث الرسالۃ والمعجزۃ وہی ای المعجزۃ
امر یظہر بخلاف العادۃ علی ید مدعی النبوۃ عند تحدی المنکرین علی وجہ
یعجز المنکرین عن الاتیان بمثلہ وقال فی مبحث الکرامۃ وکرامتہ ای الولی ظہور

من خارق للعادة من قبله غير مقارن لدعوى النبوة فما لا يكون مقرونًا بالايمان والعمل الصالح يكون استدراجًا وما يكون مقرونًا بدعوى النبوة يكون معجزة وقال فی احوال المبعث والحاصل ان الامر الخارق للعادة فهو بالنسبة الی النبی علیه السلام معجزة سواء ظهر من قبله او من قبل احاد امته وبالنسبة الی الولی کرامة لخلوه عن دعوى نبوة من ظهر ذلك من قبله فالنبی لابد من علمه بکونه نبیًا ومن قصده اظهار خوارق العادات ومن حکمه قطعًا بموجب المعجزات بخلاف الولی فبتفصیل هذا المقال ظهر لمسائل جواب السوال والله اعلم بحقیقة الحال والیه المرجع والمآل۔

کتاب الوصایا

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ علاء الدین خاں نے اپنی تمام جائداد اپنے نواسہ محبوب خاں کو دینے کے لئے وصیت کی اور باقی ورثاء کی پرورش محبوب خاں موصی لہ کے ذمہ کی۔ بعد انتقال علاء الدین خان تمام ورثاء نے بلا جبر واکراہ اس پر رضامندی ظاہر کی اور ایک عرصہ تک حق پرورش محبوب خاں سے حاصل کرتے رہے اب تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ بعض ورثاء حق پرورش لینے سے انکار کر کے متروکہ علاء الدین خاں سے اپنا حصہ چاہتے ہیں کیا ان کا رجوع شرعًا جائز ہے

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر تمام ورثاء نے علاء الدین خاں کے بعد بحالت عقل و بلوغ وصیت کو جائز رکھا اور بلا جبر و اکراہ تسلیم کر لیا ہے تو اب ان کو اس سے رجوع کرنے اور واپس ہونے کا حق نہیں ہے ہدایہ کے کتاب الوصایا میں ہے ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا ان یجیزھا الورثۃ بعد موتہ وھم کبار لان الامتناع لحقھم وھم اسقطوہ (ولا معتبرۃ باجازتھم فی حال حیاتہ) لانہا قبل ثبوت الحق اذ الحق یثبت عند الموت فکان لھم ان یردوہ بعد وفاتہ بخلاف ما بعد الموت لانہ بعد ثبوت الحق فلیس لھم ان یرجعوا عنہ فتح القدیر میں ہے ان اجازتھم بعد الموت اسقاط لحقھم بعد موتہ والساقط متلاش لا یعود فلم یتیسر لھم الرجوع عنہ عالمگیریہ جلد (۶) کتاب الوصایا میں ہے وکل ما جاز باجازۃ الوارث فانہ یملکہ المجاز لہ من قبل الوصی عندنا حتی یتم بغیر قبض ولا یمنع الشیوع صحۃ الاجازۃ ولیس للوارث ان یرجع فیہ کذا فی الکافی واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنے انتقال کے وقت عمرو کو وصیت کی تھی کہ میری جائداد منقولہ و غیر منقولہ سے میری اور میرے شوہر کی فاتحہ کرنا۔ عمرو موصی لہ نے ہندہ کی وفات کے بعد حسب وصیت عمل نہیں کیا اور فوت ہو گیا اب عمرو موصی لہ کی اولاد کیا اس جائداد کو اپنے والد کا متروکہ جان کر

تصرف میں لاسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب

مالِ وصیت امانت ہے وصی کی وفات کے بعد وصی کی اولاد اس کی مالک نہیں ہے۔ اگر وصی مرتے وقت اپنے مال کے لئے کوئی وصی مقرر کیا ہے تو وہی اس مال کا بھی وصی ہوگا۔ ورنہ قاضی اس کے لئے اپنے طرف سے وصی مقرر کرکے حسبِ وصیت خرچ کرائے۔ ملتقی الابحر کے باب الوصی میں ہے فان مات احد الو صیین اقام القاضی غیرہ مقامہ ان لم یوص الی اٰخر وان اوصی الی الحی جاز۔ ووصی الوصی وصی فی الترکتین۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زنِ مسلمہ کو جو صاحب جائداد منقولہ وغیر منقولہ ہے اپنی جائداد کے متعلق کہاں تک وصیت کرنے کا حق حاصل ہے اگر وہ اپنی شوہر کی زندگی میں وفات پائی ہے تو اسکی وصیت کہاں تک مؤثر ہوگی اور اس کی ذاتی جائداد کا جس پر اوس کو ہمیشہ بذات خود قبضہ و تصرف رہا ہے اسکی وفات کے بعد کون وارث ہوگا۔

الجواب

وارث ہونے کی حالت میں اجنبی کے لئے ثلث مال سے زیادہ وصیت جائز نہیں اگر زائد از ثُلث مال وصیت کی گئی ہے تو اس کا اجراء اجازتِ ورثاء پر موقوف ہے اور اگر ثُلث مال یا اس سے کم میں وصیت ہے تو بعد ادائی دین بلا رضامندی ورثاء اس کا اجراء لازمی ہے درمختار کے کتاب الوصایا میں ہے

وتجوز بالثلث للاجنبی وان لم یجز الوارث ذلک لا الزیادۃ علیہ الا ان تجیز ورثتہ بعد موتہ پس صورت مسئولہ میں اگر زن مسلمہ کا شوہر کے سوا کوئی اور وارث شرعی نہیں ہے تو بعد ادائے دین واجرار وصیت در ثلث مال باقی کل مال کا حسب فرض ورد شوہر ہی مالک ہے واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید عمرو کو یہ وصیت کیا کہ میری وفات کے بعد میرا مال میرے فرزند کو دیا جائے عمرو کا انتقال ہو گیا اور مال وصیت عمرو کے ورثاء کے پاس ہے کیا زید اس کو واپس لے سکتا ہے یا ورثہ عمرو کے لئے یہ لازم ہے کہ حسب وصیت زید کے فرزند ہی کو دیں بینوا توجروا۔

الجواب

موصی کو چونکہ وصیت سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اس لئے ورثۂ عمرو کو چاہئے کہ حسب طلب مال وصیت زید کو واپس کر دیں عالمگیریہ جلد (۶) صـ۹۲ کتاب الوصایا باب اول میں ہے ویصح للموصی الرجوع عن الوصیۃ درمختار کے کتاب الوصایا میں ہے ولہ ای للموصی الرجوع عنھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نقد دو سو ستر روپیہ چھوڑ کر انتقال کی اور قبل انتقال ایک وصیت نامہ اپنے تجہیز و تکفین وزیارت ودہم وچہلم وختم قرآن وحج بدل کرانے اور کچھ درخت خرما کے خرید کر وقف کرنے کے لئے لکھی مساۃ ہندہ کا ایک زوج ہے اس کے سوا

کوئی وارث نہیں زوج تمام مصارف وصیت کے موافق بلکہ زائد از وصیت ادا کیا مگر خرچ بدل اور خرما کے درخت لگانے کے متعلق وصی کہتا ہے کہ ان دو چیزوں کو میں اپنے ہاتھ پر خرچ کروں گا رقم بالا سے جملہ ایک سو اسی روپیہ صرف ہوے ہیں تجہیز و تکفین میں پینسٹھ اور وصیت وغیرہ کے اخراجات میں ایک سو پینتالیس باقی نوے روپیہ موجود ہیں کیا یہ روپیہ ازروے شرع شریف زوج کو ملنا چاہئیے یا وصی کو بینوا توجروا۔

الجواب

زوجہ کی تجہیز و تکفین کے مصارف زوجہ مالدار کیوں نہو زوج کے ذمہ ہیں در مختار مطبوع برحاشیہ ردمحتار مصری جلد (۱) صفحہ ۶۰۶ میں ہے واختلف فی الزوج والفتوی علی وجوب کفنہا وان ترکت مالاً پس صورت مسئولہ میں ہندہ کی تجہیز و تکفین کے مصارف بقدر ضرورت زوج کے ذمہ ہیں اور ہندہ کے متروکہ دو سو ستر روپیہ سے پہلے ہندہ کا قرض ادا کیا جاے اس کے بعد جو رقم باقی رہے اس کے تین حصہ کئے جائیں تیسرا حصہ وصیت میں صرف کیا جاے باقی دو حصوں میں ایک حصہ زوج بطور فرض دیا جاے اور دوسرا حصہ بھی بطور رد دیا جاے کیونکہ متاخرین علماء احناف نے بوجہ فساد بیت المال جبکہ میت کا کوئی اور وارث نہو زوجین پر رد کرنے کے لئے فتوی دیا ہے چنانچہ سراجی مطبوعہ نظامی کے صفحہ ۲۹ کے حاشیہ میں ردمحتار شامی سے منقول ہے وفی الاشباہ انہ یرد علیہما فی زماننا لفساد بیت المال وقال فی القنیۃ ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال وفی الزیلعی عن النہایۃ ما فضل عن احد الزوجین

یرد علیہ وقال فی المستصفی والفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وھو قول المتاخرین من علمائنا وقال الحدادی الفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وقال المحقق احمد بن یحیی ابن المفتار الی افتی کثیر من المشائخ بالرد علیھما اذا لم یکن من الاقارب سواھما لفساد الامام وظلم الحکام فی ھذہ الایام بنا برین ہندہ پر کوئی قرض واجب الادا نہونے کی صورت میں دو سو ستر ۲۷۰ روپیہ سے صرف نودے ۹۰ روپیہ وصیت میں صرف کرنے کے قابل تھے اور باقی ایک سواسی ۱۸۰ روپیہ زوج کا حق تھا اب جبکہ زوج مصارف تجہیز وتکفین واجراء وصیت میں ایک سواسی ۱۸۰ روپیہ صرف کر دیا ہے تو اس میں تجہیز وتکفین کے پینتیس ۳۵ روپیہ مصارف تو چونکہ شرعاً زوج کے ذمہ تھے اس لئے اس کے حصہ سے وضع سمجھے جانے کے بعد اجراء وصیت میں زوج نے بوجہ لاعلمی نودے ۹۰ روپیہ سے زیادہ اپنے حصہ شرعی سے صرف کر دیا ہے لھذا اوس وقت جو نودے ۹۰ روپیہ باقی ہیں از روے شرع وہ زوج کا حق ہے اب آئندہ ہرگز اجراء وصیت میں صرف نہ کئے جائیں بلکہ وہ بالکلیہ زوج کو دیدئے جائیں واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب۔

مسائل متفرقہ میراث

الاستفتاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس تاریخ اور کس وقت سے بیمار ہوے اور آپ کی وفات کس روز اور کونسی تاریخ میں ہوئی۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کس روز کس مہینہ اور کس تاریخ

میں ہوئی خم غدیر کا واقعہ کس روز کا ہے ۱۸ ذی الحجہ میں اگر یہ دونوں واقعات پیش ہوئے ہیں تو وجہ توفیق بتلائی جائے اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس تاریخ یہ ارشاد ہمارے ہوا تصریحات بتلایا جائے۔

الجواب

آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اواخر صفر میں بیمار ہوئے اور مسلسل بارہ روز بیمار رہے کے بعد تیرھویں دن یعنے ربیع الاول کی بارھویں تاریخ روز دوشنبہ بعد زوال آپ نے رحلت فرمائی۔ تاریخ ابن اثیر جلد دوم صـ۱۲۱ میں ہے ابتدا مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرضہ اواخر صفر فی بیت زینب بنت جحش۔ سیرۃ حلبیہ جلد سوم میں ہے وکانت مدۃ اشتکاہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث عشرۃ لیلۃ ابن اثیر جلد دوم میں ہے وکان موتہ یوم الاثنین لثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول سیرۃ حلبیہ جلد سوم میں ہے توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیت عائشۃ وذلک یوم الاثنین حین زاغت الشمس لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول۔

ف ۳۵ھ ۱۸ ذی الحجہ روز جمعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت ہوئی تاریخ کامل ابن اثیر جلد سوم میں ہے وکان قتلہ لثمانیۃ عشرۃ خلت من ذی الحجۃ سنۃ خمس وثلاثین یوم الجمعۃ فتوحات اسلامیہ جلد دوم اور ازالۃ الخفا جلد ثانی میں بھی یہی لکھا ہے ۱۰ھ ہجری میں جبکہ آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف فرما ہو رہے تھے تب آپ نے رابغ کے قریب

مقام غدیر میں صحابہ کو جمع کرکے خطبہ میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ ارشاد فرمایا اور
اس فرمان کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حکومت یمن کی کچھ شکایت
آپ کے ساتھیوں نے آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیان کی تب
آپ نے اس شکایت کے دفع کرنے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت
فرمائے۔ سیرۃ حلبیہ جلد سوم صہ۳۰۱ بیان حجۃ الوداع میں ہے ولما وصل
صلی اللہ علیہ وسلم الی محل بین مکۃ والمدینۃ یقال لہ غدیر خم
بقرب رابغ جمع الصحابۃ وخطبہم خطبۃً بیّن فیہا فضل علیٍ
کرم اللہ وجہہ۔ وبراءۃ عرضہ مما تکلم فیہ بعض من کان
معہ بارض الیمن بسبب ما کان صدر منہ الیہم من المعدلۃ التی
ظنہا بعضہم جوراً وبخلًا والصواب کان معہ کرم اللہ وجہہ فی
ذلک مصنف سیرۃ حلبیہ نے اس عبارت کے بعد آں سرور عالم صلی اللہ علیہ
وسلم کا بسیط خطبہ نقل کیا ہے اور ختم خطبہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی
شان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کو اس طرح
لکھا ہے وقال فی حق علی کرم اللہ وجہہ لما کرر علیہم الست اولیٰ بکم
من انفسکم ثلاثا وہم یجیبون صلی اللہ علیہ وسلم بالتصدیق والاعتراف
ورفع صلی اللہ علیہ وسلم ید علی کرم اللہ وجہہ وقال من کنت مولاہ
فعلی مولاہ اللّٰہم وال من والاہ وعاد من عاداہ واحب من احبہ وابغض
من بغضہ وانصر من نصرہ واعن من اعانہ واخذل من خذلہ وادر الحق
معہ حیث دار اور اس واقعہ کی تاریخ ۱۸ ذوالحجہ سنہ ۱۰ہجری بتلائی گئی سیرۃ حلبیہ میں

اسی جگہ ہے وکان ذٰلک الیوم الثامن عشرۃ من ذی الحجہ۔ واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے چھوٹے فرزند خالد کو اپنے خالہ زاد بھائی کی آغوشی میں دیا کیا خالد زید کے متروکہ سے محروم ہے

الجواب

متبنیٰ اپنے ماں باپ کے متروکہ سے محروم نہیں ہے اور نہ اسکو پرورش کرنیوالے کے متروکہ سے کوئی تعلق ہے شریعت میں یہ اپنے ماں باپ کا لڑکا کہا جاتا ہے پرورش کرنے والے کا نہیں جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیۂ کریمہ وما جعل ادعیاءکم ابناءکم الآیہ سے ثابت ہے واللہ اعلم بالصواب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو بچاس سال کی عمر میں ایک لڑکے کو اپنی آغوشی میں لیا تھا اور ہر ایک کے روبرو اس کو اپنا لڑکا ہونا مشہور کیا حالانکہ عمرو ابتداء سن شعور سے اس عمر تک عنین تھا عمرو کا انتقال ہو گیا ہے کیا از روے شرع شریف آغوش میں لیا ہوا لڑکا عمرو کے متروکہ سے میراث پا سکتا ہے یا عمرو کا بھائی بینوا توجروا۔

الجواب

شرع میں متبنیٰ کا کوئی حق نہیں ہے اگرچہ ایام جاہلیت میں متبنیٰ بھی متروکہ وارث بنایا جاتا تھا مگر آں حضرت صلعم کے زمانہ سے محروم کر دیا گیا اور یہ صراحت کی گئی کہ کسی کو محض زبان سے بیٹا کہنے سے حقیقی بیٹا نہیں بنتا بلکہ وہ اپنے باپ کا بیٹا ہے

چنانچہ سورہ احزاب کی ابتدا میں ہے وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذٰلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ادعوھم لاٰباۓھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا اٰباءھم فاخوانکم فی الدین ولیس علیکم جناح فیما اخطأتم بہ ولکن ما تعمدت قلوبکم وکان اللہ غفورا رحیما تفسیر خازن میں اس آیۃ کی تفسیر میں ہے وفیہ نسخ التبنی وذٰلک ان الرجل کان فی الجاھلیۃ یتبنی الرجل ویجعلہ کالابن المولود یدعوہ الیہ الناس ویرث میراثہ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتق زید بن حارثۃ بن شراحیل الکلبی وتبناہ قبل الوحی واٰخی بینہ وبین حمزۃ بن عبد المطلب فلما تزوج رسول اللہ صلعم زینب بنت جحش وکانت تحت زید بن حارثۃ قال المنافقون تزوج محمد امراۃ ابنہ وھو ینھی الناس عن ذٰلک فانزل اللہ ھذہ الاٰیۃ ونسخ بھا التبنی پس صورت مسئولہ میں آغوش میں لیا ہوا لڑکا عمرو کے متروکہ کا وارث نہیں ہے بلکہ حسب فرائض بھائی و دیگر ورثہ جن کو عمرو نے مرتے وقت چھوڑا ہے متروکہ کے مستحق ہیں اگر عمرو اپنے عین حیات بحالت صحت یعنے مرض موت کے پہلے اپنے متبنےٰ کو کچھ دیدیا ہے اور قبضہ بھی کرا دیا ہے تو وہ اسی کی ملک ہے بعد وفات عمرو اس کے ورثہ کو واپس لینے کا حق نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی جائداد چھوڑ کر بوجہ ضرورت

کسی جگہ گیا اور اس کا وہیں انتقال ہوگیا ورثۂ زید بوجہ بعد مسافت و دیگر وجوہ مقام موت میں نہ پہنچ سکے اس واقعہ کو بیس پچیس سال کا عرصہ گذر گیا ہے سرکار نے کسی وارث حاضر نہ ہونے کی وجہ سے عمرو کو انتظام کے لئے مقرر کر دیا پس اسی حالت میں ورثۂ زید اپنی وراثت ثابت کرنے کے بعد کیا زید کی جملہ جائداد کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

الجواب

بصورت صداقت مستفتی میراث اور وقف کے دعوے کی سماعت کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں ہے ہر وقت ان دونوں دعووں کی سماعت ہو سکتی ہے فتاوے مہدویہ جلد (۲) صفحہ ۲۲ میں ہے ولم یقید وادعوی الارث والوقف بمدۃ درمختار مطبوعہ برحاشیہ ردمحتار جلد (۴) صفحہ ۳۵۶ کتاب القضاء میں ہے حتی لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسۃ عشرۃ سنۃ فسمعہا لم ینفذ قلت فلا تسمع الآن بعدہا الا بامر الا فی الوقف والارث ووجود عذر شرعی پس صورت مسئولہ میں ورثۂ زید بیس پچیس سال کے بعد بھی اپنی وراثت بینۂ شرعیہ سے ثابت کر کے زید کا متروکہ لے سکتے ہیں واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی لڑکے کو کم سنی کے زمانہ میں کسی کے آغوشی میں دیکر تبنی بنا دیا جائے یا گھر داماد بنا دیا جائے تو ایسی صورت میں کیا اس کو اپنے والدین کا متروکہ ملیگا اور اس پر والدین کے حقوق فرض ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت صداقت مستفتی لڑکا کسی کا متبنی یا گھر داماد بن جانے سے والدین کی میراث سے محروم نہیں ہوتا والدین کے حین حیات ان کے تمام حقوق اس لڑکے پر باقی رہتے ہیں اور بعد وفات ان کے متروکہ سے میراث پاتا ہے ایام جاہلیت میں اگرچہ متبنے لینے والے کی میراث سے متبنی کے حقوق سمجھے جاتے تھے مگر اسلام میں سورۂ احزاب کی آیۂ کریمہ وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذٰلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل سے تمام حقوق بالکلیہ باطل کردئے گئے۔ پس جبکہ شریعت میں متبنی متبنی لہ کی میراث سے محروم کردیا گیا ہے تو اپنے والدین و عزیز و اقارب کے متروکہ سے ہرگز محروم نہیں ہوسکتا واللہ اعلم بالصواب

صحت نامہ فتاوی نظامیہ جلد ثانی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲	۱۲	لا اکروہ الا	لا اکرہ والا
۳۵	۱۲	الخطم	الخطر
۴۰	۱۲	اللتی	التی
۵۰	۱۷	یسنی	یسی
۵۷	۴	لبینه	بلیته
۸۱	۶	امی	انّیٌ
۸۲	۱۰	مسئل	مسئول
۹۵	۶	ما الکهنا	فاکلها
۹۸	۱۷	یغتبر	یعتبر
۱۰۱	۴	لوجودها الة الغزل	لوجودها حالة الغزل
۱۰۳	۸	سة	بنیة
〃	〃	لا یحب	لا یحسب
۱۰۴	۸	نضفه	نصفه
〃	۱۲	غشر	عشر
〃	۱۶	الاجارة بقدر الخراج	او الاجارة بقدر الخراج
〃	۱۷	اجرة	واجرة
۱۱۰	۳	سلی	علی
۱۱۲	۷	تبیه	تنبیه
〃	۸	بالاستقاصة	بالاستفاصة
۱۱۸	۳	الروالة	الروایة
۱۲۰	۱	نقل	نقل
۱۲۳	۱	یصوم	بصوم
〃	〃	یعل	بجعل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۳	۵	العلامه	العلامة
۱۳۹	۱۱	هاستم	هاشم
۱۴۵	۲	ماواء	ماوراء
۱۴۷	۱	کان	کامل
۱۵۲	۲	ردته	ردته
۱۵۷	۳	بسة	بلته
〃	۳	الاستراد	الاسترداد
۱۸۸	۴	ضورت	صورت
۱۸۹	۱۲	ودواعمه	ودواعیه
۱۹۴	۷	تبراعی	تبرائی
۲۰۲	۲	حسب	حیث
۲۰۷	۱۲	الادن	الاذن
〃	۱۲	دنویا	دیویا
۲۱۶	۳	سطور	مسطور
۲۲۱	۹	التغزیر	التعزیر
۲۲۲	۶	زوجوجها	زوجها برضاه
۲۳۹	۵	ربید	زبید
۲۴۳	۱۳	بمانها	بمالها
۲۴۶	۱۰	ای لبر	ای البر
۲۴۷	۹	امباشة	المبانة
۲۴۹	۸	تلاثة	ثلاثة
۲۵۰	۷	الخیر	بغیر
۲۶۹	۱۵	کرلیسکا	کرلینے کا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۷۲	۱۳	زہندہ	ہندہ	۳۷۱	۱۷	دودھیال	دودیال
۲۸	"	بھیوانی	بھیجے والے	۳۷۶	۴	الخیرۃ	الخبرۃ
۲۸۱	۹	طلبت	طلبت	۳۷۹	۳	۰	ایک
۲۸۵	۸	روحعه	روجته	۳۸۰	۱	سے	سے
۲۹۴	۱۵	الدمتس	الدھتس	۳۸۵	۱۱	کو	کی
"	۱۷	المذھوش	المدھوش	۳۹۱	۱۴	قترب	اقترب
۲۹۵	۱۳	چ	چھ	۳۹۲	۱۵	۰	نخرب المسجد
۳۰۵	۸	النوۃ	البنوۃ	۳۹۳	۱۹	میتا	میتا
۳۰۸	۱۲	ابی الام	اب الام	۳۹۵	۷	الاستفتاء	الجواب
۳۲۵	۷	بالغ	بائع	۴۰۶	۵	واصیه	وصیه
"	۱۳	اجازی	اجاز	"	۶	وصیه	وصیة
"	۱۹	یخز	یجز	"	۸	"	"
۳۲۷	۱۶	عرس	غرس	۴۰۸	۸	مینة	میتة
۳۳۳	۳	وشر	وشوار	۴۱۴	۷	اتیام	اتمام
۳۳۷	۱	بیوا	بینوا	۴۱۵	۱۱	کو	کی
۳۳۹	۱۴	ہیں	میں	۴۲۱	۳	حضرویه	خضرویه
۳۴۴	۱	الااسلام	الاسلام	۴۲۷	۴	نجاہ	بجاہ
۳۴۷	۱	ودیو	وھو	"	۱۱	فما	فما
۳۵۰	۹	کالقیض	کالقبض	"	۱۵	لم یخفظ	لم یحفظ
۳۵۳	۱۱	گو	کو	۴۳۱	۳	الامه	الامة
۳۶۸	۲	المخاوق	المخلوق	۴۳۲	۴	یحضرھا	یحصرھا
"	۹	خشله	حنثه	۴۴۲	۱۱	نوادی	نودی
"	۱۴	پینر	چیز	۴۴۶	۹	حیثما	اینما
"	۱۷	دقبة	رقبة	۴۵۹	۱۷	فقیل	فقتل
"	۱۸	ثلاته	ثلاثة	۴۶۴	۴	حرمام	حرام
۳۶۹	۴	لایجور	لایجوز	۴۶۶	۱۷	کے	کہ
۳۷۰	۱۳	۰	محرمات	۴۸۵	۹	ابتداء	ابتدأ